زاد المعاد

حصّہ چہارم

بیان سیرت، روایت حدیث اور ذکر قرآن کے ساتھ ساتھ یہ حصّہ مشتمل ہے، اہم ترین مسائل و مباحث فقہیہ پر۔ انسانی زندگی سے تعلّق رکھنے والے بے حد اہم اور معرکۃ آلا مسائل پر جس خوبی استدلال اور شانِ برہان کے ساتھ بحث کی گئی ہے وہ مصنّف علام کا حصہ ہے

مُصنّف
علّامہ حافظ ابنِ قیّم

مُترجّم
سیّد رئیس احمد جعفری (ندوی)

نفیس اکیڈیمی
بلاسس اسٹریٹ ــــــ کراچی (پاکستان)

قیمت:- بارہ ۱۲ روپیہ

طبع اوّل: ـــــــ فروری ۱۹۶۳ء

زاد المعاد ـــــ حصہ اوّل	ـــــ	گیارہ روپیہ
زاد المعاد ـــــ حصہ دوم	ـــــ	نو روپیہ پچھتر پیسہ
زاد المعاد ـــــ حصہ سوم	ـــــ	بارہ روپیہ
زاد المعاد ـــــ حصہ چہارم	ـــــ	بارہ روپیہ

مکمل سیٹ کی قیمت: ـــــ چوالیس روپیہ پچھتر پیسہ

نوٹ:- الگ الگ حصے بھی مل سکتے ہیں

مطبوعہ۔ انٹرنیشنل پریس۔ کراچی

فہرست

عنوانات	صفحہ

زادُ المعادْ

فی

هُدیٰ خیرِ العبَاد

شمس الدین ابی عبداللہ محمّد بن قیّم الجوزیّہ

٦٩١ - ٧٥١ ھ

الجزءُ الرّابِعُ

انتساب

پاکستان کے

مردِ میداں ، مردِ مسلماں ، اور محبِ نبی آخرالزماںؐ

لفٹیننٹ جنرل بختیار رانا

ڈپٹی کمانڈر انچیف عساکر قاہرۂ پاکستان کے نام

نازاں تو ئی کہ ہیچو منے مدح خوانِ تو
نازاں منم کہ ہیچو توئی قدردانِ من

(سید) رئیس احمد جعفری (ندوی)
۸۹ - ٹیگور پارک لاہور

سنت شہ لولاکؐ

از: چوہدری محمد اقبال سلیم گاھندری

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی!
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی؛

مسلمانوں کی تعداد، پہنائے عالم میں ساٹھ کروڑ سے متجاوز ہے، اگر یہ مسلمان صحیح معنیٰ میں مسلمان ہوتے تو آج ساری دنیا مسلمان ہو چکی ہوتی، اور مسلم آزار قوتیں، اپنے مقاصد مشئومہ میں ناکام ہو چکی ہوتیں:

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

یہ آگ — لادینی، دین فروشی، الحاد، زندقہ، اور کفر کی — ہر چہار سو پھیلی ہوئی ہے، کبھی کی بجھ چکی ہوتی، لیکن یہ آگ بھڑک رہی ہے۔ اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قریب ہے کہ اس آتش جہاں سوز میں دوسری اقوام و ملل کی طرح مسلمانوں کی متاعِ دین و دانش بھی جل کر بھسم ہو جائے گی۔ اور سوا ایک تودۂ خاکستر کے کچھ باقی نہیں رہ جائے گا۔ ایسا نظر آتا ہے:

آگ ہے اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے
یا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

سوال یہ ہے کہ آیا مسلمان اس امتحان کے لیے تیار ہیں؟

اگر واقعی تیار ہیں تو پھر انھیں مسلمان کی زندگی اختیار کرنا پڑے گی۔ اور یہ زندگی اس وقت تک

دستیاب نہیں ہوسکتی جب تک مسلمان، شہ لولاک کی سنت کو شمع راہ نہ بنالیں۔

ہم اگر مسلمان ہیں، اگر قرآن پر ہمارا ایمان ہے، اگر ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارا جینا اور مرنا، ہماری نماز، اور روزہ ہماری زندگی اور موت، سب کچھ، خدا، اور صرف خدا کے لیے ہے۔

اور خدا کا حکم اپنے نبی آخر الزماں کے لیے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لیے اسوہ ہے۔ خدا نے اپنے قرآن میں بتایا ہے کہ رسول جو کچھ دے اسے لے لو، اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو۔ خدا نے یہ بھی بتایا ہے کہ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (رسول جو کچھ کہتا ہے وہ خدا کی طرف سے کہتا ہے) پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم مسلمان تو ہوں لیکن رسول کی سنت سے کوئی سروکار نہ رکھیں؟

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اپنی زندگی اس سانچہ میں ڈھال لیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات گراں مایہ کا تھا۔ زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس کی رہنمائی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال طیبہ موجود نہ ہوں۔ اس روشنی میں ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ غاروں، گھاٹیوں، اور ٹھوکروں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور اپنی زندگی میں وہ حسنات پیدا کر سکتے ہیں۔ جو ایک مرتبہ پھر ہمیں "خیر امت" بنادیں، اور بجائے اس کے کہ ہم لادینی دنیا کی طرف دست طلب اور دست اعانت بڑھائیں، وہ خود ہماری امداد و اعانت کی جویا ہو۔

زاد المعاد کا ترجمہ میں اسی لیے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

دنیا کی کسی زبان میں بھی، ایسی جامع و مانع کتاب سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ملے گی جیسی یہ ہے۔ اس کتاب میں حیات نبوی کو سامنے رکھ کر ان تمام حالات و حوادث، معاملات و مسائل اور احوال و واقعات کا محققانہ تجزیہ کیا گیا ہے، جو صرف علامہ ابن قیم ہی کے قلم حقیقت رقم سے ممکن تھا۔

مجھے فخر ہے کہ میں اس کتاب کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ میرا سرمایہ حیات ہے۔ یہ دنیا و آخرت ہر جگہ میری پونجی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں۔ ہر مسلمان اسے اپنا سرمایہ حیات بنا... یہ دنیا و آخرت ہر جگہ، ہر مسلمان کی پونجی بن جائے۔

کام کٹھن تھا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ حسن و خوبی کے ساتھ انجام پا گیا۔ اس ضخامت کی کتاب موجو...

کساد بازاری کے زمانے میں اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنا آسان نہیں تھا۔ لیکن میں نے اپنے دوسرے پروگرام ملتوی کر دیئے۔ اور اسے سب پر اوّلیت دی۔

آخر میں خدائے ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ خدا ہر مسلمان کو اسوۂ نبیؐ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃً انک انت الوھاب۔

زاد المعاد جلد چہارم

مندرجات اور مباحث پر ایک طائرانہ نظر

زاد المعاد کے تین حصّے آپ کی خدمت میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ یہ چوتھا حصہ ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا کہ اپنی افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے یہ حصہ جان سخن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں اتنے اہم اور فکر انگیز مباحث موجود ملیں گے، جو گزشتہ تین حصوں میں مجموعی طور پر بھی نظر نہیں آئیں گے۔

فقہی خصوصیات

اس حصہ کی ایک سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے نہایت اہم اور دور رس نتائج کے حامل فقہی مباحث بہ کثرت موجود ہیں۔

مصنف نے جب کسی فقہی مسئلہ پر بحث کی ہے پہلے قرآن کریم کی آیتیں پیش کی ہیں۔ پھر احادیث نبویؐ میں سے وہ تمام حدیثیں پیش کر دی ہیں جن سے موافقت یا مخالفت میں استدلال لیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ترجیح ادلہ سے کام لیتے ہوئے صورت مسئلہ کو منقح اور صاف کر دیا ہے اس طرح نہ صرف، ہر مکتب فکر کے افکار و خیالات سے آگاہی بہم پہنچ جاتی ہے، نہ صرف آئمہ فقہ کے فقہیانہ مسائل علم میں آجاتے ہیں، نہ صرف ان کے ادلّہ، اقوال، اور وجوہ ترجیح واضح ہو جاتے ہیں، بلکہ مطالعہ کرنے والا خود بھی اپنی بصیرت اور فراست کی روشنی میں ایک رائے قائم کر سکتا ہے۔ اور اس ذخیرۂ معلومات کو سامنے رکھ کر کسی ایک نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ اس طرح مطالعہ کرنے والے میں بجائے خود اجتہادی بصیرت

پیدا ہو جاتی ہے جہاں وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے وہاں یہ حقیقت بھی نظر کے سامنے آجاتی ہے کہ کم از کم ترجیح ادلہ سے ہر دینی ذوق رکھنے والا ، اور پڑھا لکھا شخص کام لے سکتا ہے۔

ایک اور نمایاں خصوصیت

اس حصہ کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جو مسائل زیادہ جامعیت اور نسبتہً بسط و تفصیل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ ایسے ہیں جن سے ہر شخص کو، اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہے ، یا ذاتی طور پر۔ یا صفاتی طور پر، یعنی یا تو ان مسائل سے انسان خود دوچار ہوتا ہے۔ یا اگر وہ نہیں دوچار ہوتا تو اس کے دوستوں عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں کچھ ایسے لوگ ضرور ہوتے ہیں، جو ان میں سرگرداں اور پریشان ہوتے ہیں، ضیق سے نکلنا چاہتے ہیں مگر نہیں نکل پاتے۔ آسان دین (الدین یسر) کی آسانیوں سے مستفید ہونا چاہتے ہیں مگر نہیں ہو پاتے۔ لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جائز حدود کے اندر کوئی دشواری ایسی نہیں ہے جو حل نہ کر دی گئی ہو۔

اور یہ بہت بڑی نعمت ہے جو معاد کی طرف سے ملت کو دی جاسکتی ہے۔

آنحضرتؐ کے احکام و قضایا

علامہ ابن قیم مصنف کتاب نے، آغاز ہی میں بسط و تفصیل کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام و قضایا کی جامعیت کے ساتھ اجمالی تفصیل پیش کی ہے جو نکاح و طلاق سے متعلق آپؐ نے صادر فرمائے۔

نکاح اور طلاق —— بظاہر یہ دو لفظ ہیں جنھیں ہم ہر روز سنتے رہتے، اور جن کا انعقاد اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں، کون ہے جس نے کسی کا نکاح ہوتے نہ دیکھا ہو؟ ایسے بھی بہت کم لوگ ہوں گے طلاق کے واقعات جن کے علم میں نہ ہوں۔

لیکن یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ دو سادہ سے اور معمولی لفظ، اپنے اندر ایک کائنات پوشیدہ رکھتے ہیں۔ یہ کائنات نشاط و انبساط کی بھی اور رنج و ملال کی بھی ہے

ان الفاظ کا صحیح استعمال جہاں زندگی کو سرسبز اور شاداب بنا دیتا ہے وہاں غلط استعمال اس سرسبزی اور شادابی کو ویرانے میں بھی تبدیل کر دیتا ہے۔

نکاح سے جہاں زندگی بنتی ہے وہاں طلاق سے بگڑ بھی جاتی ہے۔

یہ بڑا نازک مسئلہ ہے۔

اور کوئی شبہ نہیں اس نازک مسئلے کو بڑی خوبی سے مصنف علام نے سمجھانے کی سعی کی ہے۔

تین طلاقیں ایک وقت میں

ہمارے ہاں عام طور پر ایک مجلس میں تین طلاقیں اگر شوہر دے دے تو وہ نافذ ہوجاتی ہیں۔

مثلاً اگر شوہر بیوی سے کہتا، یا اسے اطلاع دیتا ہے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، تو یہ ایک وقت میں دی ہوئی تینوں طلاقیں نافذ ہوجائیں گی، یعنی طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی۔ اب شوہر اور بیوی ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔ ان کا خاندان تباہ ہوجائے گا۔ ان کے بچوں کا مستقبل تاریک ہوجائے گا۔ اور ایک مسرور شادماں خاندان، غم وحسرت کے سیہ خانے میں ہمیشہ کے لیے اسیر ہوجائے گا۔ اب وہ عورت شوہر پر اس وقت تک حرام ہے۔ جب تک کسی دوسرے آدمی سے نکاح نہ کرلے۔ اور وہ شخص اس سے وظیفۂ زوجیت نہ ادا کرے۔ اور جب تک وہ مر نہ جائے، نہ خوشی اور رضامندی سے طلاق نہ دے دے۔

بیک وقت تین طلاقوں کی اصل وحقیقت

حقیقت یہ ہے کہ تین طلاقیں ایک وقت میں دینا بہت بڑی معصیت ہے۔ اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک معصیت کو واقع اور نافذ کردیا جائے۔

قرآن میں صاف طور پر ارشاد ہوا ہے:

الطلاق مرتان، فامساك بمعروف . او تسریح باحسان

یعنی طلاق دو مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو بھلائی کے ساتھ اسے روک لو (رجعت کرلو) یا شرافت کے ساتھ رخصت کردو۔

پہلی طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کا حق ہے۔

دوسری طلاق کے بعد۔ یا تین طلاق کی عدت گزرنے کے بعد، عورت بائنہ ہوجاتی ہے۔ اب شوہر رجعت نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر بیوی راضی ہو تو تجدید نکاح ہوسکتی ہے۔

یہ صورت انسانی مصالح کے بالکل مطابق ہے، اور اس کی تنفیذ وایقاع بالکل بجا ہے۔

درحقیقت شریع کا بتایا ہوا یہی صحیح ترین طریقہ ہے۔ یہی شرعی طلاق ہے۔ اس میں نہ کسی طرح کی قباحت ہے۔ نہ طرفین میں سے کسی کا زیاں اور خسارہ ہے۔ اس طرح نہ کوئی خاندان تباہ ہوتا ہے، نہ زندگی برباد ہوتی ہے۔ نہ اولاد کے مستقبل کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان

چنانچہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابوبکر صدیق کے پورے عہدِ خلافت میں اور حضرت عمر کے عہدِ خلافت کے اوائل میں بھی شرعی طلاق کی صورت رائج اور نافذ و شائع رہی۔

لیکن بعد میں لوگوں کی جلد بازی سے "تنگ آکر حضرت عمرؓ نے ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں نافذ کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

ظاہر ہے حضرت اپنی جلالتِ قدر کے باوجود شارع نہیں تھے۔ لہٰذا شریع کے کسی اصول و آئین میں وہ ترمیم یا تنسیخ نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ امیرالمومنین اور امام المسلمین ہونے کی حیثیت سے انھیں یہ حق ضرور تھا کہ وقتی اور ہنگامی طور پر کسی شرعی حکم کو ملتوی کر دیں، یا معطل کر دیں، اور یہ حق صرف انھی کو نہیں ہر امیر اور امام کو حاصل ہے۔ چنانچہ قحط کے زمانہ میں چور کے ہاتھ نہ کاٹنا، اسی دعوے کا بہترین ثبوت ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو وقتی، اور ہنگامی فیصلہ یا آج کل کی اصطلاح میں آرڈیننس کہا جا سکتا ہے۔ اسے ابدی، اور دائمی حیثیت دے دینا، اور فقہ کا ایک مستقل اور قائم بالذات مسئلہ بنا دینا زیادتی ہے۔ جب کہ یہ بات بھی ثابت ہے ــــ جیسا کہ علامہ ابن قیم نے اپنی ایک دوسری کتاب "اعلام الموقعین" میں لکھا ہے کہ ــــ حضرت عمرؓ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس فیصلہ پر ندامت کا اظہار فرمایا:

اس مسئلہ پر اگر خالی الذہن ہو کر غور کیا جائے۔ اس کے ما لہ و ما علیہ کو سمجھا جائے۔ آیاتِ قرآنی، سنتِ نبویؐ۔ آثارِ صحابہ، و تابعین و تبع تابعین کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کا نفاذ شرعی طور پر جائز نہیں خیال کیا جا سکتا۔ حضرت عمرؓ کا فیصلہ ایک وقتی فیصلہ تھا۔ دائمی اور ابدی نہیں تھا۔ جس طرح آرڈیننس ہنگامی حالات میں نافذ کیے جاتے ہیں۔ کتاب الآئین میں ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی۔

اس مسئلہ پر علامہ ابن قیم نے بڑی خوبی کے ساتھ تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ اور کوئی گوشہ تشنہ

بھی تشنہ نہیں رہنے دیا ہے۔ قرآن سے بھی استدلال کیا ہے۔ احادیث کی روشنی میں بھی بحث کی ہے۔ اسناد کو بھی پرکھا ہے۔ راویوں کی جرح و تعدیل بھی کی ہے۔ آثار صحابہ بھی پیش کیے ہیں ائمہ فقہ کے جو مسلک ہیں، انھیں بھی پیش کیا ہے۔ اور ان کے دلائل سے بھی بحث کی ہے۔ اور پھر ہر طرح سے منقح کر کے اس مسئلہ دشوار کو آسان بنا دیا ہے۔

ظہار۔ ایلاء اور لعان کے مسائل

اسی طرح ظہار، ایلاء اور لعان کے مسائل بھی ہیں۔ یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینا، یا اس کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا، یا اس کی عصمت کے خلاف حلف اٹھانا۔ یہ بڑے ٹیڑھے مسئلے ہیں، اور ہماری روزمرہ کی زندگی میں اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ ناواقفیت اور لاعلمی کے باعث لوگ اس طرح کی حرکتیں کر کے پریشان بھی ہوتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا اب کیا کریں؟ اور اس گتھی کو کیونکر آسانی کے ساتھ سلجھائیں۔

ان مسائل پر حسن استدلال کے ساتھ علامہ ابن قیم نے بحث کی ہے اور مسئلہ کے ہر پہلو کو اس طرح اجاگر کر دیا ہے کہ شک و ریب کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور حقیقت کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے اور صحیح صورت مسئلہ نظر کے سامنے آجاتی ہے۔

ان مباحث و مسائل کے ذکر میں بھی حسب سابق، مصنف علّام نے مدار استدلال قرآن او حدیث کو بنایا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ائمہ فقہ کے استدلال اور وجوہ ترجیح کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ اپنے قاری کو اندھیرے اور دھوکے میں نہیں رکھتے، اس کے سامنے سارا مواد رکھ دیتے ہیں۔ اپنی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر یہ توقع رکھتے ہیں کہ قاری اب خود ایک رائے قائم کرتے اور بلاشبہ یہی اصح طریقہ ہے۔

تخییر ازواج، عدت اور سوگ کے مسائل

ایک شوہر کی اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہ کس طرح عدل و انصاف کے سررشتہ سے مضبوطی کے ساتھ منسلک رہ سکتا ہے؟

ایک عورت کو اگر طلاق دے دی جائے یا اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت کیا ہے اور یہ زمانۂ عدت اسے کس طرح بسر کرنا چاہیے؟

کسی شخص کا کوئی عزیز قریب وفات پا جائے تو شرعی طور پر اس کا سوگ کس طرح اور کب تک منانا چاہیے؟

یہ مسائل بھی روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کون ہے جسے ان سے کسی نہ کسی صورت میں سابقہ نہ پڑتا ہو؟

علامہ ابن قیم نے ان مسائل سے بھی بحث کی ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بتایا ہے کہ ان مسائل کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ اور اگر ان سے دوچار ہونا پڑے تو ان سے عہدہ برآ ہونے کی صورت کیا ہے؟

ان مسائل کی اہمیت اور افادیت اس کی متقاضی تھی کہ ان کا ذکر کیا جاتا اور اس سلسلہ میں شرع دین متین کے احکام و ہدایات واضح کر دیئے جاتے۔ کتاب کے مصنف علام نے یہ فریضہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔

خلع، اقسام طلاق اور مسائل متضمنہ

خلع یہ ہے کہ عورت کسی وجہ سے شوہر کے ساتھ رہنا نہ چاہے اور وہ اپنے مہر اور حقوق سے دستبردار ہو کر طلاق کی طالب ہو۔

طلاق دینے والے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔

وہ بھی جو بہ ثبات ہوش و حواس یہ کام کرتے ہیں۔ وہ بھی جو از راہ مذاق اس طرح کی بات منہ سے نکال دیتے ہیں۔ وہ بھی جو نشہ میں ہوتے ہیں یا جن پر غصہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے، یا یہ الفاظ استعمال کرتے وقت جن کا ارادہ کچھ اور ہوتا ہے۔ یا جو دباؤ اور جبر کے ماتحت ایسا کر گزرتے ہیں۔

یہ ساری صورتیں پیش آتی ہیں اور پیش آسکتی ہیں۔

لہٰذا ضروری ہے کہ شرع کی روشنی میں ان پر غور کیا جائے۔ اور صورت مسئلہ واضح کی جائے۔

اسی طرح ان مسائل سے متفرع ہو کر، اور بھی بہت سے ضمنی مسائل پیدا ہوتے ہیں جن سے قاضی اور حاکم کو عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے ان تمام چیزوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ دلائل و براہین کا سررشتہ کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ اپنے نقطۂ نظر کے ساتھ دوسروں کا نقطۂ نظر بھی پیش کیا ہے جس کے باعث

حقیقت کی تہہ تک پہنچنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

مہر، محرمات، اور مسائل متفرقہ

مہر عورت کا حق ہے جو اسے ملنا چاہیے، لیکن یہ حق کبھی سوخت بھی ہو جاتا ہے کبھی اس میں کمی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ کبھی یہ واجب ہی نہیں ہوتا۔

اس طرح نکاح و طلاق کے محرمات ہیں۔ اور ان مسائل مربوط میں کچھ اور مسائل ہیں، جو خود بھی اپنے اندر محرمات کا ایک سلسلہ رکھتے ہیں۔

شادی اور بیاہ، نکاح اور طلاق کے سلسلے میں اور بھی بہت سے متفرق مسائل پیدا ہوتے ہیں جو کافی نازک ہیں، اور جن پر نہایت احتیاط کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب مسئلہ سے متعلق تمام مواد سامنے ہو۔ ہر نقطۂ نظر کا علم ہو۔ لوگ اپنے مسلک کی بنیاد جن دلائل اور براہین پر رکھتے ہیں ان سے پوری پوری واقفیت ہو۔ اور کوئی شبہ نہیں یہ کار صعب علامہ ابن قیم نے بڑی حد تک آسان کر دیا ہے۔ پڑھنے والا اگر صاحب فکر ہے، تو اس کے سامنے زیر بحث مسائل کے تمام پہلو اجاگر ہو جائیں گے، وہ کہیں بھی تشنگی محسوس نہیں کرے گا، اور اس میں یہ استعداد پیدا ہو جائے گی کہ اپنی بصیرت اور فراست کی رہنمائی میں وہ ان مسائل کو سمجھے۔ اور ان کے مالہ و ماعلیہ پر خود رائے قائم کر سکے۔

مسائل بیع و نفقہ اقارب وغیرہ

بیع کے مسائل بھی ان گنت ہیں۔ ان کی نوعیتیں اور کیفیتیں بھی جدا ہیں۔ ان کے اقسام و انواع بھی رنگا رنگ ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے، جسے نہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے نہ جس سے دامن چھڑایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح نفقۂ اقارب کا معاملہ ہے۔

بیوی کا نفقہ، والدین کا نفقہ۔ غریب عزیزوں اور قرابت داروں کا نفقہ

ان نفقات کی حیثیت کیا ہے؟ نوعیت کیا ہے؟ وجوب کیا ہے؟ لزوم کی صورت کیا ہے؟ استحسان اور استحباب کے مدارج کیا ہیں؟

یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن سے ہمیں واقف ہونا چاہیے اور ہمارے ... روایات مستند بھی ہیں

چاہئیں۔ ساتھ ہی ساتھ، وہ معلومات یک طرفہ نہ ہو۔ تمام متعلقہ مسائل پیش نظر ہوں۔ ان کے دلائل ان کے ماخذ، اور ان کے مصادر بھی نظر کے روبرو ہوں۔ تب ہی ہم کوئی فیصلہ کر سکتے۔ اور کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

مسائل بیع اور نفقۂ اقارب کے سلسلہ میں کتاب کے مصنف علام نے بحث و نظر کا کوئی پہلو ناتمام اور نامکمل نہیں چھوڑا ہے۔ صرف اصولوں ہی پہ اکتفا نہیں کیا ہے، جن جزئیات کو اہم اور ضروری سمجھا ہے، انھیں بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے بلکہ ان پر کھل کر گفتگو کی ہے۔ اور اس طرح کی ہے کہ صورت مسئلہ آئینہ کی طرح صاف اور واضح ہو جائے۔

سخن ہائے گفتنی

یہ تو تھا اس کتاب کے عام مباحث اور مسائل پر ایک اجمالی تبصرہ۔

اب میں ایک دوسری بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

کوئی شبہ نہیں، علامہ ابن قیم اپنے علم و فضل تحقیق و تدقیق، ژرف نگاہی، اور وسعت نظر کے اعتبار سے یکتا اور یگانہ ہیں۔ وہ علم کا ایک بحر ذخار ہیں۔ وہ رموز حقیقت کے آشنا ہیں۔ شرع کے مسائل پر ان کی حد درجہ وسیع نظر ہے، قرآن کے وہ ماہر ہیں، حدیث کے فن کے امام ہیں۔ فقہ کے دلائل و براہین مسالک اور مفروضات، مسلمات اور مذاہب کے ایک ایک جزئیہ سے وہ واقف ہیں، ان سب چیزوں نے مل کر ان میں مجتہدانہ موقف پیدا کر دیا ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں، مجتہد کی مسند انھیں زیب دیتی ہے۔ ان جیسے یگانۂ روزگار اور عالم اجل شخص کو بھی اگر مرتبۂ اجتہاد پر فائز نہ مانا جائے، تو اور کسے مانا جائے گا؟

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود، یہ حقیقت فراموش نہ کرنا چاہیے کہ وہ بہرحال ایک انسان تھے اور انسان بھی ... نبی کے سوا ــــ کوئی معصوم، اور لغزش و خطا سے مبرا نہیں ہوتا، خواہ وہ کتنی ہی بڑی اور جلالت مآب شخصیت کا حامل کیوں نہ ہو؟

چنانچہ علامہ ابن قیم بھی انسان تھے۔ ان سے بھی لغزش اور خطا کا صدور ممکن تھا۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں ان کی ہر رائے واجب التسلیم نہیں ہے۔ اپنے مسلک میں وہ متشدد بھی بہت ہیں اور مخالفین کے ساتھ رعایت کم کرتے ہیں اور ان کا یہ طرز عمل تمام تر حسن نیت، خلوص، للہیت،

اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے اصول کے تحت ہے۔ اسی لیے انھیں موردِ الزام نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لیکن بایں ہمہ، جس طرح انھوں نے دوسروں کے مسلک کو پرکھا، جانچا۔ اس پر تنقید اور جرح کی ہے۔ اسی طرح ان کے افکار و آرا کو بھی پرکھا، جانچا، اور ان پر تنقید اور جرح کی جاسکتی ہے، "تقلید اعمیٰ" ایک مسلمان کا شیوہ نہیں اسے اپنی بصیرت اور فراست کا دروازہ ہر وقت کھلا رکھنا چاہیے۔

رئیس احمد جعفری

۸۹ - ٹیگور پارک لاہور

مباحث کتاب کا اجمالی خاکہ

قبل اس کے کہ اصل کتاب شروع ہو میں زادالمعاد جلد چہارم کے مباحث کا اجمالی خاکہ پیش کردینا چاہتا ہوں، جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ مصنف علام نے کتنی کاوش، ژرف نگاہی، اور جامعیت و اکملیت کے ساتھ، زیر بحث مسائل پر گفتگو کی ہے۔ بغیر اس کے اتنی ضخیم کتاب کا مطالعہ چنداں سودمند نہ ہوگا۔

● نکاح اور توابع نکاح کے سلسلہ میں مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضایا پیش کیے ہیں، کیونکہ وہ ہر مسلمان کے لیے فیصلہ کن ہیں۔ ان سے سرتابی یا اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

یہ مبحث خاصا طویل ہے۔ لیکن اس میں جو متفرع اور متضمن مسائل آگئے ہیں ان کی اہمیت متقاضی بھی اس طوالت کی تھی، مثلاً مصنف نے بتایا ہے کہ:۔

- کنواری یا بیوہ یا مطلقہ کی شادی اگر باپ کردے تو آپ کا حکم کیا ہے؟
- پھر نکاح بلا ولی اور نکاح مفوضہ پر روشنی ڈالی ہے۔
- بعدازاں زنا سے حاملہ عورت اور شروط نکاح کے سلسلہ میں آپ کے احکام کا ذکر ہے۔
- پھر نکاح شغار اور نکاح محلل پر بحث کی ہے۔
- بعد میں نکاح محرم اور نکاح متعہ پر، فکرانگیز اور سیر حاصل گفتگو کی ہے۔
- جو شخص اسلام قبول کرے اور اسلام سے پہلے اس کے حبالۂ عقد میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں، تو ان کا کیا حکم ہے؟ ان میں سے کس کو طلاق پڑے گی؟ اور کس طرح پڑے گی؟ اس سلسلہ میں احکام نبویؐ کے ساتھ ساتھ آئمہ فقہ کا مسلک بھی بیان کیا ہے۔

•- نکاح عبد کا ذکر اس کے بعد ملے گا۔

•- پھر یہ معلوم ہوگا کہ نکاح کس سے حرام ہے؟

•- بعدازاں قیدی عورتوں سے نکاح کی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

•- اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ زوجین میں سے اگر ایک دوسرے سے پہلے مسلمان ہوجائے تو کیا حکم ہوگا؟

•- عزل، جو آج کل کی اصطلاح میں "منع حمل" کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ ایک بہت اہم مسئلہ ہے، موجودہ عہد میں اس مسئلہ کی اہمیت نے اور زیادہ شدت اختیار کرلی ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کے دوران میں جہاں یہ معلوم ہوگا کہ یہ نیا مسئلہ نہیں ہے، آج سے ۱۴ سو برس پہلے بھی موجود تھا، وہاں یہ امر بھی واضح ہوجائے گا کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

•- یہ بھی بتایا ہے کہ کنیز کی آزادی اس کا مہر قرار پاسکتی ہے۔

•- نیز یہ بات بھی واضح کی ہے کہ صحت نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہے۔

•- علاوہ ازیں کفارہ نکاح، اور اس ذیل میں فقہا اور روایات کا اختلاف بھی زیر بحث آیا ہے

•- خیار معتقہ شرط فاسد کی بحث۔ مرد آزاد یا غلام کی زیر نکاح کنیز کے خیار کا مسئلہ — ان مسائل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ سب اس کتاب میں موجود ہیں۔

•- صداق (مہر) اور نکاح کی بحث بھی پوری ضروری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

•- مرد یا عورت کے وہ عیوب، جن کی بنا پر فسخ نکاح کی صورتیں واقع ہوسکتی ہیں، یا جن کی بنا پر نکاح باطل قرار دیا جاسکتا ہے۔ یا جن کے باعث، تفریق زوجین ممکن ہے۔ یہ مسئلہ نازک بھی ہے اہم بھی۔ کتاب میں اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

•- شوہر کی خدمت گزاری، یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور اس سلسلہ میں ضمنی طور پر کئی مباحث پیدا ہیں، خدمت گزاری کے حدود۔ اس کی نوعیت، کیفیت، لزوم، یہ ساری باتیں زیر بحث آئی

•- خلع اور طلاق کے مسائل جتنے پیچیدہ ہیں، اتنے ہی ضروری بھی ہیں۔ ان سے واقفیت او منضمنات کا علم ہر شخص کے لیے لابدی ہے۔ اور یہ علم بہمہ وجوہ ان ابواب و مضمون کے مط سے حاصل ہوسکتا ہے، کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔

●- حائض اور نفساء ، حالت طہر میں طلاق دینے کی تحریم پر جو بحث ہے ، وہ دلچسپ بھی ہے ، مدلل بھی اور فکر انگیز بھی۔

●- طلاق مرد کا حق ہے۔ عدت عورت کا ، لیکن مرد اور عورت کو یہ حق دینے میں مصلحت کیا ہے؟ اس کے اسباب و عوامل کیا ہیں ؟ اس کے مضمرات و نتائج کیا ہیں ؟ یہ بھی بڑا اہم سوال ہے اور اس سوال کا تسلی بخش جواب کتاب میں موجود ہے۔

●- اگر کوئی شخص کسی جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے ، یا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو صورت مسئلہ کیا ہوگی ؟ اور اس کے اس فعل کے اثرات و نتائج شرعی نقطہ نظر سے کیا ہو سکتے ہیں ؟ یہ بحث اس کتاب میں دل نشین طور پر موجود ہے۔

●- کبھی شوہر اپنی بیوی سے کہہ دیتا :

جا اپنے گھر والوں کے ساتھ رہ

آیا اس لفظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ اس کا شمار کنایات طلاق میں کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ ان سوالات کا جواب اطمینان بخش طور پر کتاب میں موجود ہے۔

●- کنایات طلاق ، یعنی ایسے الفاظ کہ صاف اور واضح طور پر جن سے طلاق نہ ثابت ہوتی ہو ، لیکن جن کے مفہوم اور مضمرات ایقاع طلاق پر دلالت کرتے ہوں ؟

وہ کون سے کنایات ہیں جن سے طلاق واقع ہو جاتی ہے ؟

وہ کون سے کنایات ہیں جو لغو اور باطل ہیں ، جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی ؟

یہ بحث بھی اس کتاب میں وضاحت کے ساتھ ملے گی۔

●- استلحاق کا مسئلہ بھی بڑا نازک ، اہم ، اور پیچیدہ ہے۔

استلحاق سے مراد ہے ، ولد الزنا کو اپنے نسب میں شریک کر لینا۔

اس مسئلہ کے علاوہ اس سے متعلق اور متضمن احکام بھی ذکر کیے۔

●- اسی طرح حضانت کا مسئلہ ہے ، یعنی اولاد صغیر کی پرورش اور پرداخت کس کا حق ہے ، یا کون اس کا ذمہ دار ہے ؟

یہ ایسا مسئلہ ہے جو آئے دن اختلاف و نزاع کا سبب بنتا رہتا ہے ، لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے

کہ صحیح اور مستند شرعی صورت مسئلہ کیا ہے تو اختلاف نزاع کا سلسلہ خود بخود ختم ہو جائے گا، کیونکہ حکم خدا و رسولؐ سے سرتابی کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔

اس سلسلے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ماں کا حق حضانت کب اور کس طرح ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ چیز بھی معلوم کرنے کی ہے۔

یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے مباحث کتاب سے متعلق جو میں نے پیش کیا ہے تفصیل خود کتاب سے معلوم ہوگی ـــــ تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل۔

رئیس احمد جعفری

★

مسائل ضروریہ

نکاح و توابع نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام و قضایا

اس عنوان کے ماتحت ذیل کے اہم ترین مسائل زیر بحث آئے ہیں

- نکاح بلا ولی
- نکاح مفوضہ
- زانیہ عورت سے نکاح کے احکام اور شروط نکاح
- نکاح شغار
- نکاح محلل
- نکاح محرم
- نکاح متعہ
- عزل اور اس کے احکام
- خیار معتقہ
- مہر وغیرہ

اور ان مذکورہ بالا مسائل واحکام و قضایا کے علاوہ دوسرے احکام ومسائل پر بھی بحث و نقد کی گئی ہے

نکاح اور اُس کے متعلقات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے

صحیحین سے ثابت ہے کہ حضرت خنساء بنت جدام کا ان کے والد نے نکاح کر دیا، حالانکہ انھیں یہ نکاح ناپسند تھا۔ اور یہ ثیبہ[1] تھیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے ان کا نکاح رد کر دیا[2]۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت

نیز سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک باکرہ لڑکی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا ہے حالانکہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیارِ (فسخ) نکاح دے دیا[3]۔ یہ واقعہ خنساء کے علاوہ دوسری عورت کا ہے۔ یہ دو واقعات ہیں۔ ایک میں آپؐ نے بیوہ کو اختیار دیا اور دوسرے میں کنواری کو بھی اختیار دیا۔

---

[1] ثیبہ اس عورت کو کہتے ہیں جو کنواری نہ ہو، اور باکرہ اسے کہتے ہیں جو کنواری ہو۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اس سے ثابت ہوا کہ عورت کو شادی کے معاملہ میں مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس کی مرضی اور اذن کے بغیر باپ بھی اس کی شادی نہیں کر سکتا اور اسلام کی دی ہوئی اس آزادی کو خود مسلمانوں نے کس طرح چھینا ہے، اسے کون نہیں جانتا۔

[3] ثیبہ تو خیر، بہر حال دانا و بینا عورت ہوتی ہے۔ لیکن کنواری لڑکی تک کو اسلام یہ حق دیتا ہے کہ اگر والدین اس کی شادی خلاف مرضی کر دیں تو وہ قاضی کی عدالت میں اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔

اسلام کے عورت پر بے شمار احسانات ہیں، انہی میں ایک یہ عظیم و جلیل احسان بھی ہے، جسے مسلمانوں نے "ناک" کے خیال سے غصب کر رکھا ہے۔ گویا ان کی ناک اسلام سے بڑی ہے۔

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، باکرہ سے اجازت لیئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے۔

لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ، اس سے کیسے اذن لیں؟

آپؐ نے فرمایا، " خاموش رہے، تو بھی اس کا اذن سمجھ لیا جائے۔

اور صحیح مسلمؒ میں ہے، اس کے دل میں اذن ہے۔ یعنی اس کی خاموشی ہی اذن ہے اور اس حکم کا سبب یہ ہے تاکہ بالغہ باکرہ عورت کو (مرضی کے خلاف) نکاح پر مجبور نہ کیا جاسکے اور اس کی رضا کے بغیر اس کی شادی نہ ہو۔ یہی جمہور سلف ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور اسی قول پر اللہ کا دین ہم اپناتے ہیں اور اس کے سوا ہمارا کچھ عقیدہ نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور امر و نہی کے مطابق بھی ہے۔ نیز قواعدِ شریعت اور مصالحِ امت سے بھی موافق ہے۔ حکم کا توافق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم ایک مجبور کردہ کنواری کو اختیار دینے کے متعلق ہے اور یہ حدیث کسی علت سے بھی مرسل نہیں، کیونکہ یہ مسند اور مرسل ہر طرح مروی ہے۔ اگر ہم فقہاء کے قول کے مطابق یہ کہیں کہ اتصال افضل ہوتا ہے اور متصل مرسل پر مقدم ہوگی، تو ظاہر ہے کہ وہ اکثر احادیث میں تصرف کرتے ہی رہتے ہیں۔ آخر یہ روایت اس تصرف سے کس طرح بچ گئی۔ اور اگر ہم ایسا ہی کا حکم دے دیں، جیسا اکثر محدثین نے فرمایا ہے تو یہ آثار صحیحہ صریحہ، قیاس اور قواعد شریعت سے ذی ہو جائے گی۔ لہٰذا قول اسی کے ساتھ متعین ہو جائے گا۔

کنواری عورت سے اذن لیا جائے گا

رہا آپؐ کے امر کے ساتھ توافق قول، تو آپؐ نے فرمایا "کنواری عورت سے اذن لیا جائے گا۔

یہ امر موکد ہے کیونکہ صیغۂ خبر کے ساتھ امر دیا گیا۔ جو مخبر بہ اور اس کے ثبوت و لزوم کے تحقق پر دلالت کرتا ہے اور آپؐ کے اوامر کے متعلق یہ اصول ہے کہ جب تک اس کے خلاف اجماع ثابت نہ ہو جب تک آپؐ کے اوامر وجوب کے معنی میں ہیں۔

نکاح بغیر اذن جائز نہیں

اور نہی کے ساتھ توافق، کہ آپؐ کا فرمانا، کنواری کا نکاح اس کے اذن کے بغیر نہ کیا جائے۔ اسی طرح امر و نہی اور تخییر یہ طریقہ اثباتِ حکم کے لیے سب سے زیادہ بلیغ ہے۔ رہا قواعدِ شرع سے توافق، تو کنواری اگر بالغہ

عاقلہ سمجھدار ہو تو اس کا والد اس کی مملوکہ میں سے کسی معمولی سی چیز میں بھی اس کی مرضی کے بغیر تصرف کرنے کا مجاز نہیں۔ اور نہ اس کی مرضی کے بغیر اسے اس بات پر مجبور کرسکتا ہے کہ وہ معمولی سی چیز بھی اپنی ملکیت سے خارج کردے[1]۔ تو اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اسے کنیز بنادے اور اس کی مرضی کے بغیر جس کو چاہے اس کی ملکیت میں دے دے، حالانکہ وہ شخص اس کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند ہے، اور وہ اسے سب سے زیادہ مبغوض سمجھتی ہے۔ اس کے باوجود وہ جبراً اس کا نکاح کسی کے ساتھ کیسے کرے گا؟ اور اس کے پاس ایک قیدی کی حیثیت میں کیونکر بھیج دیگا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ یہ تمہارے پاس پابند یعنی قیدی ہیں۔

اب اگر یہ صریح حدیث اس کے متعلق مروی نہ بھی ہوتی پھر بھی قواعد شریعت کا یہی مقتضی تھا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری اور بیوہ میں فرق کیا۔ اور فرمایا، بیوہ کا نکاح اس کا اذن لیے بغیر نہ کرو۔ اور کنواری کا نکاح اس کا اذن لیے بغیر نہ کرو۔

اور فرمایا، بیوہ اپنے ولی کی بجائے خود اپنے آپ کی زیادہ حقدار ہے[2] اور کنواری سے اس کا والد اجازت لے۔ تو آپؐ نے بیوہ کو ولی سے زیادہ اپنے آپ کا حقدار قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کنواری کا ولی (والد) اس کا اس سے بھی زیادہ حقدار ہے۔ ورنہ پھر اس بات سے بیوہ کی تخصیص

---

[1] یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ زندگی کے جملہ معاملات میں، یعنی نکاح، ملکیت، تجارت، کاروبار ہر چیز میں اسلام نے عورت کی انفرادیت غیر مشروط طور پر تسلیم کی ہے۔ خواہ وہ ثیبہ ہو یا باکرہ اس کے اس حکم میں نہ والدین مداخلت کرسکتے ہیں، نہ شوہر، نہ کوئی اور،

یہ ایسی آزادی ہے جو اس ترقی کے دور میں بھی بہت سی قوموں اور ملتوں کی طرف عورتوں کو نہیں ملی ہے۔ مسلمان فخر کرسکتے ہیں کہ انھوں نے انسان کے "بنیادی حقوق" جس طرح مرد کو دیئے ہیں بالکل اسی طرح عورت کو بھی دیئے ہیں۔ دونوں میں کسی طرح کی تفریق اور امتیاز روا نہیں رکھا ہے۔

[2] بیوہ عورت چونکہ آزادی کی فضا میں سانس لے چکی ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز سے واقف ہو چکی ہے، زندگی کو برت چکی ہوتی ہے، لہٰذا اس کے لیے کسی ولی کی بھی ضرورت نہیں وہ خود اپنی ولی ہے۔

قائم نہ رہی۔

ثیبہ اور باکرہ کے طریق اذن میں فرق

نیز طریقہ اذن میں بھی آپ نے فرق فرمایا۔ ثیبہ کا اذن بولنا قرار دیا اور باکرہ کی صرف خاموشی ہی کو اذن تسلیم کیا۔ یہ چیز اس بات کی شاہد ہے کہ اس کی رضا کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور والد کے ہوتے ہوئے اسے کچھ حق حاصل نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کے بالغہ، عاقلہ اور سمجھدار ہونے کے باوجود اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا جائے۔ اور ایسے آدمی کی بیوی اُسے بنا دیا جائے جسے وہ تمام مخلوق سے زیادہ مبغوض سمجھتا ہے۔

جن احادیث سے استدلال مروی ہے

اور جن احادیث سے تم نے استدلال کیا ہے وہ اس قول کے ابطال ہی واضح تر ہیں اور تمہارے پاس اس قول کے سوا کچھ دلیل نہیں کہ بیوہ اپنے ولی سے زیادہ اپنے آپ کی حقدار ہے۔ اور یہ تو طریقۂ افہام پر دلالت کرتا ہے۔ اور تم سے تنازعہ کرنے والے اس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ یہ حجت بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر اسے حجت مان بھی لیا جائے تو حکم صریح پر اسے مقدم نہیں سمجھا جا سکتا۔ نیز یہ بھی اس وقت اس قسم کی دلیل ہو گا جب کہ یہ کہا جائے کہ اس کا مفہوم عموم پر مبنی ہے، حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ عموم میں داخل نہیں کیونکہ اس کی دلالت تخصیص مذکور پر ہے جس سے کچھ چارہ نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کے ماسوا سے حکم کی نفی ہو گئی۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اس کے ماسوا کو اثبات حکم اور انتفائے حکم کی طرف تقسیم کرنا بلاشبہ فائدہ مند ہے۔ نیز مسکوت عنہ کے لیے دوسرا حکم ثابت کرنا بھی مفید ہے۔ اگر حکم منطوق کے خلاف نہ ہو۔ اور اس کی وضاحت سے بھی ایک فائدہ ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب مفہوم قیاس صریح کے خلاف ہو۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ قیاس اس سے بہتر ہے۔ اور یہ بات نصوص مذکورہ کی مخالف بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر غور کیجیے۔

"کنواری عورت سے اس کا باپ اجازت لے۔"

اور یہ جملہ آپ نے اس کے بعد فرمایا۔

"بیوہ اپنے ولی سے زیادہ اپنے آپ کی حقدار ہے۔"

یہ کلام اس قول کو دہم ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اور ثیبہ کے اپنے آپ کے حقدار ہونے کے قول سے یہ ثابت نہیں ہوجاتا کہ کنواری کو اپنے نفس اور وجود پر کوئی استحقاق حاصل نہیں۔

اجبار کے بارے میں فقہا کا اختلاف رائے

فقہا میں اجبار کے متعلق اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں چھ اقوال مروی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ بکارت کے باعث اس پر جبر ہوگا۔

یہ شافعیؒ۔ مالک کا قول ہے اور ایک روایت میں احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

۲۔ دوسرا، صغرسنی کے باعث جبر ہوگا یہ ابوحنیفہ کا قول ہے۔ اور دوسری روایت میں احمدؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

۳۔ تیسرا دونوں مذکورہ علل کے باعث جبر ہوگا۔ یہ احمدؒ سے تیسری روایت ہے۔

۴۔ چوتھا، یہ کہ دونوں میں سے کسی ایک سبب کے باعث بھی جبر کیا جاسکتا ہے۔ یہ احمد کا چوتھا قول ہے جو اُن سے مروی ہے۔

۵۔ پانچویں، ایلاد کے باعث جبر ہوگا۔ چنانچہ بالغ ثیبہ پر بھی جبر ہوگا۔ اسے قاضی اسماعیل نے حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے۔ اور یہ خلافِ اجماع ہے۔ لیکن بقول سبب پر مبنی ہے، لیکن یہ سبب سراسر ظلم و جور ہے۔

۶۔ چھٹے یہ اس لیے جائز ہے کہ عورت باپ کی عیال ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اذنِ باکرہ خاموشی ہے۔ اور اذنِ ثیبہ زبان سے ہوگا، لیکن اگر باکرہ بھی زبان سے اذن دے، تو یہ زیادہ پختہ اذن ہوگا۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ صرف خاموشی ہی کی صورت میں نکاح کردینا چاہیے۔ ظاہر الفاظ کے لحاظ سے یہ مسلک زیادہ درست ہے۔

یتیم لڑکی کا نکاح اس کی بلا منظوری نہیں کیا جاسکتا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، یتیم لڑکی سے اس کی شادی کے بارے میں اجازت لی جائے گی۔
لیکن بلوغ کے بعد اس پر نفاذ امر نہیں ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلوغ سے پہلے بھی یتیم بچی کا نکاح کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عائشہ رض کا مذہب یہی ہے اس پر قرآن وحدیث شاہد ہے ، اور احمد رح اور ابوحنیفہ رح وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :

ویستفتونك فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلیٰ علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء اللاتی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن ،

یعنی اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی ، کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ، ان کی ۔ اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے ان یتیم عورتوں کا ، جن کو تم نہیں دیتے ، جو ان کے لیے مقرر کیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ یتیم بچی کے متعلق ہے ، کہ جس نے اپنے ولی کے گھر میں پرورش پائی ہو ، اور ولی اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔

لیکن اس سے سنتِ صداق (مہر) ختم نہ ہو گی ۔ اس لیے ان کے نکاح سے منع فرمایا ہے ۔ لہ

اگر ان کا صداقِ مناسب (مہر) مقرر کیا جائے (تو کوئی ہرج نہیں)

سننِ اربعہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ۔ یتیم بچی کے متعلق اس کا اذن طلب کیا جائے۔

لہ یتیموں کی بے کسی اور کس مپرسی اظہر من الشمس ہے اور یتیم لڑکی تو ہر معاشرہ میں ایک بوجھ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

اب اگر وہ خاموش رہے تو یہی اس کا اذن ہے۔ اور اگر انکار کرے تو پھر اس کا (نکاح) جائز نہ ہوگا۔

(باقی حاشیہ پچھلے صفحہ کا) ہوتی ہے، جس پر ہر شخص کو پوری دسترس حاصل ہوتی ہے۔
لیکن اسلام نے یتیموں کا خاص خیال رکھا ہے۔ ان کے حقوق کی پوری نگہداشت کی ہے۔ ان پر ظلم و زیادتی کو روکا ہے اور انھیں وہی حقوق و مراعات دیئے ہیں جو دوسروں کو حاصل ہیں اور خاص طور پر یتیم لڑکی کے بارے میں تو اس کے احکام اور زیادہ سخت ہیں۔ چنانچہ نکاح کے بارے میں اس پر کوئی تعدی نہیں ہو سکتی۔ وہ آزاد ہے اس کا نکاح صرف اس کی مرضی اور اجازت سے ہو سکتا ہے۔

نکاح بلا ولی

سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے گی اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ اور اگر وہ کرلے تو مہر کی مستحق ہوگی، جیسا رواج ہو۔

لیکن اگر ولی سے جھگڑا ہو جائے ــــ تو اس صورت میں بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں (ترمذی حسن صحیح) اور سنن اربعہ میں آپؐ سے مروی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح درست نہیں[1]۔ نیز صحیحین میں آپؐ سے مروی ہے... ایک عورت دوسری عورت کا (ولی بن کر) نکاح نہیں کرسکتی۔ اور نہ اپنا خود نکاح کرسکتی ہے۔ کیونکہ زنا کرنے والی ہی اپنا نکاح خود کرتی ہے۔

آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ جب دو ولی ایک عورت کا نکاح کردیں تو پہلے ولی کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کسی نے دو آدمیوں کے ہاتھ (ایک چیز) فروخت کردی تو وہ پہلے خریدار کی ہوگی۔

---

[1] ولی کے بغیر اس عورت کا نکاح درست نہیں ہوگا جو نابالغ اور صغیر سن ہو، بصورت دیگر جائز ہے۔ اس میں ولی کوئی مداخلت نہیں کرسکتا۔ خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ۔

نکاح تفویض کے بارے میں آپ کا فیصلہ

ثابت ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی کے متعلق جس نے ایک عورت سے نکاح کیا، مگر مہر مقرر نہیں کیا، نہ خلوت کی اور فوت ہوگیا۔ فیصلہ فرمایا کہ عورت کے لیے مہر مثل ہوگا، نہ افراط ہوگی اور نہ تفریط[1]۔ اس کا میراث میں حصہ ہے۔ اور اس پر چار ماہ دس دن کی عدت لازم ہے۔

اور ترمذی میں آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی سے فرمایا:

کیا تم اس پر راضی ہو کہ میں تمہارا فلاں عورت سے نکاح کر دوں؟

اس نے عرض کیا، جی ہاں!

پھر آپؐ نے (عورت کو خطاب کرکے) فرمایا، کیا تم راضی ہو کہ میں فلاں مرد سے تمہارا نکاح کر دوں؟

وہ کہنے لگی، جی ہاں! آپؐ نے دونوں کا نکاح فرما دیا۔ چنانچہ مرد نے عورت سے خلوت کی اور مہر مقرر نہ کیا اور نہ عورت کو کچھ دیا۔ چنانچہ مرض وفات میں آپؐ نے مرد کا وہ حصہ جو خیبر کی غنیمت میں اسے ملا تھا، عورت کو مہر کے طور پر عطا فرما دیا[2]۔

احکام متضمنہ حدیث یہ احکام اس بات پر متضمن ہیں کہ

(۱) مہر مقرر کیے بغیر نکاح جائز ہے۔ اور نکاح کے بعد خلوت بھی جائز ہے۔

(۲) اس صورت میں موت ہو جانے پر مہر مثل واجب ہوگا۔ اگرچہ خلوت نہ کی ہو۔ اس موت پر عدتِ وفات لازم ہوگی، اگرچہ خاوند نے اس سے خلوت کی ہو۔

---

[1] یعنی جو خاندانی مہر ہے نہ اس سے زیادہ دلایا جائے گا نہ کم

[2] اس سے ثابت ہوا کہ انعقاد نکاح مہر کو واجب کر دیتا ہے۔

یہی مسلک ابن مسعودؓ۔ فقہائے عراق اور علمائے حدیث احمدؒ اور شافعیؒ نے بھی ایک روایت کے مطابق اختیار کیا ہے

حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت زیدؓ بن ثابت کا قول ہے کہ عدم خلوت کی صورت میں عورت مہر کی مستحق نہ ہوگی۔ اہل مدینہ۔ مالکؒ اور دوسرے قول کے مطابق امام شافعیؒ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

۴۔ نیز یہ روایت اس پر بھی متضمن ہے کہ دونوں طرف سے ولی بننا جائز ہے جیسے جانبین کا خرید و فروخت میں وکیل ہوتا ہے یا دونوں میں سے کسی ایک کا وکیل ہو یا ایسا ولی ہو جسے زوج نے مقرر کیا ہو یا زوج کو ولی نے وکیل بنایا ہو۔

ولی کے لیے صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے۔

میں نے فلاں مرد کا فلاں عورت سے نکاح کر دیا

یا میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا جب کہ کہنے والا خود خاوند ہو۔

بہ ظاہر مذہب احمدؒ کا ہے۔ ان سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے کہ "یہ قول صرف ولی مجبر کے لیے جائز ہے جیسے کسی نے اپنی کنیز مجبرہ کی لڑکی کا نکاح عبد مجبر سے کر دیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طرفین سے ایک ہی (کی)، رضا معتبر نہیں ہو سکتی۔ نیز احمدؒ کے مذہب میں اک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ بہ صورت صرف خاوند کے لیے جائز ہے، کیونکہ احکام طرفین متضاد ہونے کے باعث ولدیت طرفین صحیح نہیں ہوگی۔

نکاح کے بعد اگر معلوم ہو عورت حاملہ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ،

سنن اور مصنف میں حضرت سعد بن حسیبؓ کی بصرہ بن اکثم سے روایت ہے کہ میں نے ایک عورت سے جو کہ باکرہ تھی نکاح کیا۔ میں نے خلوت کی تو معلوم ہوا وہ حاملہ تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو نے چونکہ اس سے خلوت کر لی، اس لیے تجھے مہر دینا پڑے گا[1] اور لڑکا تیرا غلام ہوگا[2] اور جب یہ بچہ جن چکے گی تو اس پر حد جاری ہوگی۔

پھر دونوں میں آپؐ نے تفریق کرادی[3]

---

[1] بیوی کیسی ہی خطا کار اور عصیاں شعار، بلکہ فریب کار ثابت ہو۔ ان جرائم کی اسے قاضی کی عدالت سے سزا بھی ملے گی، لیکن اگر شوہر اس سے خلوت کر چکا ہے، متمتع ہو چکا ہے تو مہر بہر حال ادا کرنا پڑے گا۔

[2] کوئی آزاد غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

نہ ایک کی سزا دوسرے کو دی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ پھر ماں کے جرم کی سزا وہ بچہ کیوں بھگتے جو معصوم پیدا ہوا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ جسے صالح مواقع حاصل ہوں تو وقت کا بہت بڑا عالم، فاضل، متقی اور پرہیزگار بن سکتا ہے۔

اس روایت کو اگر روایت کی کسوٹی پر علامہ ابن قیمؒ رکھتے تو نہ اسے درج کرنے کی ضرورت تھی، نہ اس پر نکتہ سنجیوں کی۔

[3] قاضی کے سامنے اگر اس طرح کا مقدمہ آئے تو وہ میاں بیوی میں اس فریب کاری کے باعث تفریق کرا دینے کا مجاز ہے۔

اہل مدینہ اور جمہور فقہا کا قول

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ :

(۱) زنا کے باعث حاملہ عورت کا نکاح باطل ہے ۔ یہی اہل مدینہ اور امام احمدؒ اور جمہور فقہاء کا قول ہے ۔

۲۔ نکاحِ فاسد میں مقرر کردہ مہر دینا واجب ہے ۔ اقوال ثلثہ میں سے یہی قول صحیح ہے ۔

۳۔ نیز یہ کہ مہر مثل واجب ہے ۔ یہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ۔

۴۔ دونوں میں سے ہلکا امر اختیار کیا جائے گا ۔

۵۔ نیز یہ روایت حمل کی وجہ سے حد لگانے کو بھی متضمن ہے ، اگرچہ بینہ (دلیل) قائم نہ ہو اور نہ اعتراف ہو۔ کیونکہ حمل تمام دلائل سے زیادہ پختہ دلیل ہے ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے ۔

حدیث مذکور سے متعلق چند اقوال

اور آپؐ کا یہ حکم کہ جو بچہ اس عورت کے بطن سے پیدا ہوگا ، وہ غلام ہوگا ، تو اس کے بارے میں چند قول ہیں ۔

- یہ لڑکا ولد الزنا ہے ۔ اس کا کوئی باپ نہیں ۔ اس کی ماں نے شوہر کو دھوکا دیا ۔ اور شوہر نے مہر بھی دے دیا ۔ لہٰذا اس نے تاوان کے طور پر بیٹے کو خدمت میں دے دیا ، اور وہ بہ منزلہ غلام ہو گیا ، حالانکہ وہ باقاعدہ غلام نہیں ہے[۱] بلکہ ماں کے ساتھ تبعاً آزاد ہے
- یہ محتمل مسئلہ ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ غلامی ماں کی عقوبت کے طور پر ہو ، کہ اس نے شادی سے پہلے زنا کی تھی[۲] اور شوہر کو دھوکا دیا تھا
- یہ فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو[۳] ۔ اس صورت میں یہ حکم ایسے کسی دوسرے

---

[۱] پھر اسے کس اصول کے ماتحت ، قرآن کی کس آیت کے مطابق ۔ کس سنت صحیحہ صریحہ کے مطابق کن آثار صحابہ و تابعین کے مطابق ، کن آئمہ فقہ و تشریع کے اقوال ، احکام اور قضایا کے مطابق غلام قرار دیا جاسکتا ہے ؟

[۲] ماں نے شادی سے پہلے یا بعد میں اگر کوئی جرم کیا ، اسے سزا مل گئی اور یہ کافی ہے ۔ اور افرضنا اگر اسے سزا نہیں بھی ملی ، تو بھی کسی اصول کے مطابق بھی اس کے لڑکے کو جس کا ماں کے گناہ سے کوئی تعلق نہیں کس طرح سزا دی جاسکتی ہے ۔ [۳] نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے (باقی اگلے صفحہ پر)

مقدمہ میں متعدی نہیں ہوگا۔

- ہوسکتا ہے کہ یہ منسوخ ہو۔
- یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اسلام کے ابتدائی عہد کا موقعہ ہو۔ جب قرض کے بدلے میں آزاد غلام بنایا جاسکتا تھا۔[1]

(بقیہ حاشیہ) وہ تو گنہگاروں اور معصیت شعاروں کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ خیال کرنا حد درجہ مستبعد از عقل ہے کہ وہ گنہگار کی سزا، بے گناہ کو دیں گے۔ نہ یہ تخصیص ہے، نہ تعمیم۔

[1] اسلام کے ابتدائی عہد میں ایسا کوئی واقعہ نہ سنت سے ثابت ہے نہ تاریخ سے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ اصول رائج ہو، لیکن اسلام تو جہالت کی رسمیں مٹانے آیا تھا۔ ان کی تجدید و احیاء کے لیے عالم وجود میں نہیں آیا تھا۔

شرائطِ نکاح

عقد نکاح کے شرائط لازمہ و معلومہ

صحیحین میں آپؐ سے مروی ہے کہ شرائط نکاح کا حق یہ ہے کہ بیوی سے خلوت کر لینے کے بعد، وہ تمام شرائط پورے کرو، جو تم نے بہ سلسلہ نکاح کیے تھے۔

ایک حکیمانہ فرمان

نیز صحیحین میں آپؐ سے یہ بھی مروی ہے کہ کوئی عورت اپنی (مسلمان) بہن کی طلاق کی خواہاں نہ ہو[1] کہ جو کچھ اس کے کشکول میں ہے اسے بھی خود ہی حاصل کر لے، کیونکہ جس کا جو مقدر ہے وہ اسی کے لیے ہے۔

طلاق کا مطالبہ نکاح ثانی کے لیے حرام ہے

نیز صحیحین میں آپؐ سے مروی ہے، کہ آپؐ نے اس بات سے منع فرمایا کہ عورت اپنی بہن کو طلاق دینے کی شرط لگائے۔

مسند امام احمدؒ میں آپؐ سے مروی ہے کہ کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ دوسری عورت کو طلاق دینے کی شرط پر نکاح کرے۔

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، اور اس کی پہلی بیوی موجود ہے، تو یہ عورت اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ وہ پہلی بیوی کو طلاق دے دے۔ یہ مطالبہ اقدار انسانی کے یکسر منافی ہے۔ اور اسلام اقدار انسانی کو سربلند کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ انھیں پامال کرنے۔

موجودہ دور میں بھی اس طرح کی شرطیں ہوتی رہتی ہیں، اور ان سے معاشرہ میں جو فتنے اور مفسدے پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ کس کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔

ان سنن سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے موقع پر جو شرائط کیے گئے ہوں ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ بشرطیکہ یہ شرائط اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں تغیر کرنے کا باعث نہ ہوں[۱]۔

نیز مہر فوری طور پر یا بعد میں ادا کرنا واجب[۲] ہے۔ یا اس کی ضمانت یا رہن کی صورت (جانبین کے اتفاق سے) اختیار کی جاسکتی ہے۔

اور اگر شرائط میں ترک خلوت[۳]، ترک انفاق[۴] اور ترک مہر[۵] وغیرہ ہوں تو ان کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

بیوی کے شہر اور بیوی کے گھر میں رہنے کی شرط کی وفا و عدم وفا پر اختلاف ہے، اس شرط کی وفا اور عدم وفا میں بھی اختلاف ہے کہ شوہر بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا، یا اس پر سوت نہیں لائے گا۔

امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ ان شرائط کو پورا کرنا لازم ہے۔ اگر کسی نے یہ شرط پوری نہ کی تو عورت فسخ نکاح کی مجاز ہے۔

بکارت و نسب اور جمال و سلامتی عیوب کی شرطیں اگر کی گئی ہوں، اور وہ نہ پائی جائیں تو نکاح فسخ نہیں ہوگا[۶]۔

---

[۱] نکاح کے وقت جو شرائط بیوی کی طرف سے پیش ہوں۔ اور شوہر انھیں منظور کرلے۔ نکاح کے بعد پوری دیانت اور سچائی کے ساتھ ان کا ایفا کرنا اور ان پر عمل کرنا شوہر کے لیے واجب اور لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو بیوی فسخ نکاح کا دعویٰ کرسکتی ہے ـــ لیکن شرائط کے لیے پہلی اور آخری شرط یہ ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اصول سے معارض نہ ہوں۔ ان کی بجاآوری، احکام خدا و رسول کی بجاآوری میں مانع نہ ہونا اگر ایسا ہوگا تو خدا و رسولؐ کے احکام قائم رہیں گے۔ اور یہ شرائط ساقط ہوجائیں گے۔

[۲] مہر کی دو قسمیں ہیں، ایک معجل، دوسرا مؤجل۔ پہلا مہر فوراً ادا کردینا چاہیے۔ دوسرا عندالطلب۔

[۳] ترک خلوت یعنی یہ شرط کہ شوہر بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا۔ اس صورت میں نکاح درست ہوگا شرط خود بخود ساقط ہوجائے گی۔ [۴] ترک انفاق کی شرط بھی واجب العمل نہیں ہے۔ اس پر عمل کرنا پڑے گا۔

[۵] ترک مہر کی شرط بھی نافذ نہیں ہوگی۔ مہر ہر حالت میں دینا ہوگا، بجز اس صورت کے کہ بیوی خود معاف کردے۔

[۶] شرطیں جو عقلا اور عرفا ناروا ہوں، ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

عدم ایفاء شرائط نکاح | اور آیا عدم ایفاء شرائط نکاح، فسخ نکاح میں موثر ہے۔ اس کے بارے میں چند قول ہیں۔

- عدم نسب کی صورت میں فسخ نکاح [1]
- شرط نکاح اگر یہ ہو کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دی جائے، تو ارشاد نبویؐ کے مطابق یہ باطل ہے، اس کی وفا لازم نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ پہلی بیوی کی طلاق اور سوت نہ لانے میں فرق کیا ہوا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ تم ایک کو جائز اور دوسری کو باطل ٹھہراتے ہو؟

تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق واضح ہے، پہلی بیوی کی طلاق کی شرط پہلی بیوی کے لیے اضرار، دل شکنی، خانہ ویرانی اور شماتت و عدا پر منتج ہوگی۔ اس کے برعکس سوت نہ لانے میں یہ صورتیں نہیں پیش آتیں، چنانچہ نص نے دونوں میں فرق کیا ہے اور ایک کا دوسرے پر قیاس، قیاس فاسد ہے۔

نکاحِ شغار

ادلا بدلی کے نکاح کی شدید ممانعت

حضرت ابن عمرؓ اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایت کے مطابق نکاح شغار کی ممانعت ثابت ہے۔ نیز امیر معاویہؓ کی روایت سے بھی ممانعت ثابت ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ اسلام میں شغار نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں شغار کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی دوسرے سے اس شرط پر بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اسے بیاہ دے گا۔ اور ان کے درمیان مہر نہ ہو

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں شغار کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے، تو اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دے اور میں اپنی بیٹی کا تجھ سے نکاح کر دیتا ہوں۔ یا تو اپنی بہن کا مجھ سے نکاح کر دے اور میں اپنی بہن کا تجھ سے نکاح کر دیتا ہوں۔

امیر معاویہؓ کی حدیث یہ ہے کہ عباس بن عبداللہ بن عباسؓ نے عبدالرحمٰن بن حکم سے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ اور عبدالرحمٰن نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی، لیکن انھوں نے مہر بھی مقرر کیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے مروان کو لکھا کہ ان دونوں میں تفریق کرا دے اور فرمایا، یہ شغار ہے۔ جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

نکاحِ شغار کے بارے میں فقہاء کے اندر اختلاف ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ شغار اس صورت میں باطل ہے، جب ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص سے اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرے گا۔ اور ان دونوں کے درمیان مہر بھی نہ ہو۔ امام محمد کا یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر مبنی ہے۔

لیکن اگر دونوں نے مہر طے کر لیا تو مہر معین کرنے کی وجہ سے نکاح درست ہوگا۔

خرقیؒ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کی حدیث کے مطابق اگر مہر کا نام لے بھی لیا جائے، تو بھی نکاح درست نہ ہوگا۔

امام ابن تیمیہؒ کا قول

اصحابؒ احمد میں سے ابوالبرکات علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا قول ہے کہ اگر مہر کا نام اس طرح لیا جائے کہ ایک عورت سے تمتع کو دوسری سے تمتع کا مہر قرار دیا جائے تو نکاح نادرست ہے۔ لیکن اگر یہ شرط نہ لگائی جائے اور سیدھا سادھا مہر کا نام لیا جائے تو درست ہے۔

علت نہی اور فقہاء اسلام

علت نہی میں بھی فقہا کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دونوں عقدوں میں سے ہر ایک کی شرط کو دوسرے کی شرط قرار دینا علت نہی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ علت نہی تشریک بضع یعنی اشتراک تمتع ہے، کیونکہ ایک سے تمتع کو دوسری سے تمتع کا مہر قرار دیا گیا ہے جس سے عورت کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ نہ اسے مہر مل سکتا ہے، بلکہ مہر ولی کی طرف عائد ہو جائے گا۔ اور یہ ظلم ہے ہر دو عورتوں کے لیے، اور نکاح کا مہر سے خالی ہونا ہے حالانکہ مہر وہ چیز ہے جس سے وہ منتفع ہوتی ہے، لیکن اگر مہر مقرر کر دیا جائے تو محذور زائل ہو جائے گا اور ایک دوسرے کے لیے اشتراط فاسد باقی نہیں رہے گا، لہٰذا فساد عقد بھی واقع نہیں ہوگا۔[۱]

---

[۱] نکاح شغار بھی ان برائیوں میں سے ہے جو سماج، سوسائٹی اور معاشرہ کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں نکاح شغار ایک طرح کا سودا ہے، جس میں عورت کی حیثیت مال تجارت سے زیادہ کچھ نہیں، وہ ایک بے بس معمول کی طرح اپنی قسمت پر مہر لگتے دیکھتی ہے اور کچھ نہیں کر سکتی — پھر ادلا بدلی کے نکاح میں جو مفاسد شنیعہ ہیں وہ کس سے پوشیدہ ہیں؟ زید نے خالد کی بہن سے خالد نے زید کی بہن سے اسی اصول پر شادی کی، زید اپنی بیوی سے نہ نباہ سکا۔ خالد کی اچھی طرح نبھ رہی ہے، لیکن چونکہ زید نے خالد کی بیوی کو تکلیف پہنچی، لہٰذا خالد زید کی بہن یعنی اپنی بیوی کو بے خطاء اور بے قصور تکلیف دے گا یہ صورتیں ہماری سماج میں اب بھی جاری ہیں اور ان کے ہولناک اور لرزہ خیز نتائج بھی سب کے سامنے ہیں۔

نکاح محلّل

حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے پر لعنت کی وعید

ترمذی اور مسند میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے بتایا ....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت کی ہے۔

مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ محلل اور محلل لہٗ[1] پر لعنت کرتا ہے۔ اس کی سند بھی حسن ہے۔ نیز ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میں تمھیں مستعار بکرا نہ بتاؤں؟

صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں! اے اللہ کے رسول۔

آپؐ نے فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی لعنت ہو، حلالہ کرنے والے پر، اور جو حلالہ کرائے اس پر۔

یہ چار سادات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی کہ آپؐ نے

---

[1] محلل وہ ہے، جو تین طلاق والی عورت سے شادی کرے اس ارادہ سے کہ اس سے خلوت کیے بغیر طلاق دے دے گا، تاکہ سابقہ شوہر پھر اس سے نکاح کر سکے۔ اور یہ چیز منافی مقصد نکاح ہے۔ یہ صرف قانونی خانہ پری ہوگی، قواعد شرع سے بچ نکلنے کا ایک چور دروازہ، اور ظاہر ہے اس طرح کی حیلہ گری احکام خدا و رسولؐ کے ساتھ تمسخر ہے۔ محلل لہٗ وہ ہے جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔

اس فعل کے کرنے والے پر یعنی حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت کی۔ اور یہ اگر اللہ کی جانب سے خبر ہے، تو خبرِ صادق ہے اور یا بددعا ہے، تو قطعی طور پر دعائے مستجاب ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فعل کبائر معاصی میں سے ہے جس کا مرتکب ملعون ہے۔ اہل مدینہ اہلِ حدیث اور فقہائے کرام کے نزدیک قول یا وطی اور قصہ میں کچھ فرق نہیں کیونکہ عقود میں قصد کا اعتبار ہے۔ اور اعمال نیت پر منحصر ہیں۔ اور شرط وطی تو جانبین کے نزدیک طے شدہ ہوتی ہے جیسے ملفوظ ہی ہو۔ اور الفاظ کے معنی بعینہٖ وہی ہیں بلکہ دلالۃً لیے جاتے ہیں۔ پس جب معانی اور مقاصد ظاہر ہوگئے، تو محض الفاظ کا کیا اعتبار رہا، کیونکہ یہ تو وسائل کا درجہ رکھتے ہیں۔ جب مقصود متعین ہوگیا، تو اس کے احکام بھی مرتب ہوگئے۔

نکاح متعہ

حلت اور حرمت سے متعلق روایات

آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے نکاح متعہ کو فتح کے سال سے حلال کیا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے اسی سال اس سے منع بھی فرمایا۔

اور خیبر کے روز آپؐ نے اس کی ممانعت کی یا نہیں؛ اس میں اختلاف ہے۔ اس باب میں دو قول ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ ممانعت فتح کے سال میں ہوئی۔ اور خیبر کے سال میں پالتو گدھوں کی ممانعت ہوئی۔

روایت علیؓ و ابن عباسؓ حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے سال عورتوں سے متعہ کی ممانعت کی۔ اور پالتو گدھوں کی ممانعت فرمائی۔ اس روایت سے دو مسائل کی دلیل ملتی ہے۔ چنانچہ بعض رواۃ نے سمجھا کہ یوم خیبر کی تقیید دونوں کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا روایت بالمعنی کر دی۔ پھر بعض نے ایک حصہ کو مفرد کر کے بیان کیا۔ اور دوسرے کو خیبر کے دن سے مقید کر دیا۔ ویسے غزوہ فتح میں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔

اباحت متعہ از روئے روایت ابن مسعودؓ ابن مسعودؓ کے ظاہر کلام سے نکاح متعہ کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ان سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جہاد تھے، لیکن ہمارے ساتھ عورتیں نہیں تھیں۔ پس ہم نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ کیا ہم خصی ہو جائیں؟

آپؐ نے اس سے منع فرمایا، اور بعد میں ہمیں اجازت دے دی کہ ہم مدت معینہ کے لیے کسی عورت سے نکاح چند گز کپڑے ہی پر کر سکتے ہیں۔ پھر عبداللہ نے یہ آیت پڑھی۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔

حرمت متعہ از روئے روایت علیؓ

لیکن صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ کو حرام کر دیا ہے۔

اور کوئی شبہ نہیں یہ تحریم رخصت اباحت کے بعد کی ہے، ورنہ اس سے دو مرتبہ نسخ لازم آ جائے گا۔

ابن عباسؓ کا فتویٰ حلت متعہ کے لیے

حضرت ابن عباسؓ نے عندالضرورت اور اور خوف معصیت کی صورت میں نکاح متعہ کو مباح قرار دیا ہے، اور ضرورت کے وقت اس کی حلت کا فتویٰ دیا ہے۔

لیکن جب لوگوں نے نکاح متعہ کو صرف حد ضرورت تک محدود نہ رکھا، بلکہ وسیع پیمانہ پر اسے اختیار کرنے لگے تو ابن عباسؓ حلت کے فتوے سے باز آ گئے اور اباحت کی رائے سے رجوع کر لیا[۱]۔

---

[۱] اس بحث کو اگر مختصر کیا جائے تو صورت مسئلہ یہ ہے،

۱۔ حضرات شیعہ کے نزدیک متعہ حلال ہے، اور اس پر عمل در آمد جائز ہے۔

۲۔ اہل سنت کے نزدیک حرام ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔

۳۔ از روئے روایات ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اسے حلال سمجھتے تھے اور اس کی حلت کا فتویٰ دیتے تھے۔ چنانچہ ان سے اور حضرت عمرؓ سے اس بارے میں ایک مرتبہ سخت گفتگو بھی ہو گئی، لیکن حضرت ابن عباسؓ نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا۔

اس پر حضرت عمرؓ نے برہم ہو کر فرمایا" تم متعہ کر کے دیکھو پھر میں تمہیں بتاؤں گا"۔ تفصیل درکار ہو تو کتب روایت تاریخ سے رجوع کیا جائے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نکاح محرم

حالت احرام میں شادی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

روایات مختلفہ و متعددہ نکاح محرم کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن عفانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حالتِ احرام میں نکاح نہ کیا جائے اور نہ محرم نکاح کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا آپؐ نے حضرت میمونہؓ سے حالتِ احرام میں نکاح کیا یا حلال ہونے کی حالت میں؟

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ان سے حالتِ احرام میں نکاح فرمایا۔

ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔ اور میں دونوں کے درمیان قاصد تھا۔

ابو رافع رضی اللہ عنہ کا قول کئی وجوہ سے قوی تر ہے۔

۱۔ اول یہ کہ ابو رافعؓ ایک بالغ آدمی تھے۔ اور ابن عباسؓ اس وقت کم سن تھے، بلکہ ان کی عمر تقریباً دس سال کی تھی۔ اس لیے ابو رافعؓ ان سے زیادہ کسی بات کو یاد رکھ سکتے تھے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ابو رافعؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ کے درمیان قاصد تھے۔ انہی کے ذریعہ یہ معاملہ ہوا۔ اس لیے بلاشبہ ان کا بیان اس واقعہ سے متعلق زیادہ مستند ہے۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ کا) شرح نووی کے ساتھ میں نے صحیح مسلم کا تمام و کمال ترجمہ کیا ہے۔ اس میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث، طرفین کے دلائل، اور مسئلہ مفتیٰ بہ پیش کر دیا ہے

۳۔ ابن عباس رضؓ اس عمرہ میں جو عمرۂ قضا کہلاتا ہے، آپؐ کے ساتھ نہ تھے۔ وہ اس واقعہ کے شاہد نہیں ہیں۔

۴۔ چوتھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے، تو آپؐ نے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف فرمایا، پھر صفا اور مروہ کے درمیاں سعی کی، پھر حلق کرایا۔ پھر آپؐ نے احرام اتارا۔ اور معلوم ہے کہ آپؐ نے راستہ میں نکاح نہیں کیا۔ اور نہ طواف سے قبل نکاح کیا۔ نہ حالتِ طواف میں نکاح کیا۔ یہ سب واقعات معلوم و معروف ہیں۔ لہٰذا حضرت ابورافع رضؓ کا قول یقینی طور پر درست ہے۔

۵۔ پانچویں صحابۂ کرام نے ابن عباسؓ کی روایت کی تغلیط کی ہے۔ لیکن ابورافع کی روایت کو کسی نے غلط نہیں بتایا۔

۶۔ قول ابورافع نکاح محرم کی نہی کے عین مطابق ہے اور قول ابن عباس اس کا مخالف جو مستلزم ہے یا تو فسخ پر، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تخصیص جوازِ نکاح بہ حالت احرام ہے، اور دونوں باتیں بے اصل ہیں، ان کی تائید میں کوئی دلیل نہیں، لہٰذا ناقابل قبول ہیں۔

۷۔ حضرت میمونہ کے بھانجے یزید بن الاصم نے شہادت دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔

نکاحِ زانیہ

فاحشہ عورت سے عقد اور اس کے اثرات و نتائج

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ نور میں تحریم نکاح زانیہ کی صراحت فرما دی اور فرما دیا کہ جو اس سے نکاح کرے، وہ زانی ہے یا مشرک۔

پس کوئی شخص یا تو حکم الٰہی کو مانتا اور اس کے وجوب کا قائل ہے، یا نہیں مانتا اور نہیں قائل ہے۔ اگر اس حکم کو نہیں مانتا اور اس کے وجوب کا قائل نہیں ہے، تو وہ مشرک ہے اور اگر حکم لازم بھی مانتا ہے اور اس پر اعتقاد بھی رکھتا ہے مگر زانیہ سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ زانی ہے[۱]

اللہ تعالیٰ نے اس حرمت کی وضاحت بھی کر دی، چنانچہ فرمایا:

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ، یعنی اور یہ (نکاح) مومنوں پر حرام کر دیا گیا۔

اور انکحوا الایامی منکم کی آیت سے تحریم نکاح زانیہ پر دعوائے نسخ بالکل بودی اور کمزور دلیل ہے اور یہ اور زیادہ مستبعد ہے کہ نکاح کو زنا پر محمول سمجھ لیا جائے اور آیت کا مطلب یہ لیا جائے کہ زانی صرف زانیہ عورت یا مشرکہ ہی سے زنا کرے گا۔ اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک ہی سے زنا کرے گی اور کلام اللہ ایسی باتوں سے بالکل محفوظ ہے۔

اسی طرح آیت کو مشرکہ زانیہ عورت پر محمول کرنا بھی لفظی اور سیاقِ کلام ہر لحاظ سے بعید تر

---

[۱] اس لیے کہ اس نے اسلام کے بتائے ہوئے اساسی اصول اور ضابطہ کی خلاف ورزی کی ہے اور یہ خلاف ورزی ایک ایسا جرم ہے جو ذاتی نہیں، بلکہ سوسائٹی کے لیے حد درجہ مضر ہے۔

بات ہے، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آزاد اور غلام عورتوں سے نکاح پر یہ شرط لگادی کہ وہ محصنہ اور عفیف ہوں، چنانچہ فرمایا:

فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن بالمعروف محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان۔

یعنی، سو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کے مہر موافق دستور کے۔ قید میں آنے والیاں ہوں، نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں۔

گویا کسی اور صورت میں نہیں صرف اس صورت میں نکاح مباح کیا۔

اور یہ بات از قبیل دلالۃ المفہوم بھی نہیں۔ کیونکہ اصل میں الضباع تحریم پر ہوتی ہے۔ اس طرح اباحت محض مسمائے شریعت میں رہ جاتی ہے۔ اور جو اس کے علاوہ ہو وہ اصل تحریم ہوگی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات، یعنی خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے اور خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں۔ خبیثات سے مراد زانیہ عورتیں ہیں۔ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جن سے وہ نکاح کریں وہ ان کی طرح خبیث ہوں۔ نیز یہ بھی از حد قباحت کی بات ہے کہ ایک آدمی فاحشہ عورت سے نکاح کرے اور اس کی قباحت مخلوق کی فطرت میں داخل ہے اور ان کے ہاں یہ بات گالی کی حد تک قابل نفرت ہے۔

حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ عناق سے نکاح کرلیں جو ایک آوارہ عورت تھی۔ آپ نے سورۂ نور کی آیت پڑھی اور فرمایا:

"اس سے نکاح مت کرو"

چار سے زیادہ بیویوں اور دو بہنوں کا ایک نکاح میں اجتماع

قبل از اسلام کے ازواج کو اسلام نے کس طرح بدل دیا؟

ترمذیؒ میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ کہ غیلان مسلمان ہو گیا، اس کی دس بیویاں تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔

اِن میں سے چار رکھ لے[1]

فیروز دیلمی مسلمان ہوئے ان کی زوجیت میں بہنیں تھیں۔

آپؐ نے فرمایا، ان میں ایک رکھ لے جسے تو پسند کرے۔

یہ حکم اس بات کا متضمن ہے۔ کہ نکاح کفارہ درست ہے[2] اور اسے حق حاصل ہے کہ پرانی اور نئی میں سے جسے چاہے پسند کرے، کیونکہ آپؐ نے (غیلان اور فیروز) کو یہی اختیار دیا، جمہور کا قول ہے۔

امام ابو حنیفہ کا ارشاد

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
اگر اس نے ان عورتوں سے ایک ہی عقد میں نکاح

---

[1] کیونکہ اسلام نے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے،

[2] کفر کی حالت میں جو نکاح کیا جاتا ہے، وہ قبول اسلام کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ تجدید کی ضرورت نہیں،

کیا تھا، توسب کا نکاح ٹوٹ گیا، اور ترتیب وار نکاح کیا تھا۔ تو پہلی چار کا باقی رہا۔ اوران کے علاوہ سب کا نکاح ٹوٹ گیا۔ اب اسے حق تخییر حاصل نہیں [1]

---

[1] امام ابوحنیفہ رحمہ کا یہ مسلک عقلی اعتبار سے بالکل درست ہے، ویسے شوہر اگر چاہے تو کسی بیوی کو طلاق دے کر، اس بیوی سے نکاح کر سکتا ہے، جسے طلاق پڑ گئی ہو، لیکن اصولی اعتبار سے ترتیب ازدواج طلاق میں قائم رہے گی۔

حضرت علیؓ کے نکاحِ ثانی کا معاملہ
ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں

اور بنو ہاشم بن مغیرہ نے اجازت چاہی۔ کہ علیؓ بن ابی طالب کا ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کر دیں۔ آپؐ نے اس کی اجازت نہ دی، اور فرمایا:
ابن ابی طالب یہ چاہتا ہے کہ میری بیٹی کو طلاق دے دے، اور ان کی بیٹی سے نکاح کرے۔ یاد رکھو۔ کہ فاطمہ میری لختِ جگر ہے، جو اسے تکلیف دیتا ہے وہ مجھے تکلیف دیتا ہے، جو اسے ایذا دیتا ہے، وہ مجھے ایذا دیتا ہے۔ مجھے خطرہ ہے۔ کہ فاطمہ اپنے دین کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور میں حلال کو حرام نہیں کرتا، اور حرام کو حلال نہیں کرتا، لیکن اللہ کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ (اللہ کے دشمن) کی بیٹی کبھی بھی ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔[1]

---

[1] اصل بات یہ ہے کہ حضرت علی سے حضرت فاطمہ کے نکاح کی شرط یہ تھی کہ وہ ان کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کریں گے، اور یہ شرط شرعی طور پر بالکل جائز ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ نے یہ تصریح فرماتے ہوئے کہ میں حلال کو حرام، اور حرام کو حلال نہیں کرتا حضرت علی سے کہا کہ اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں تو فاطمہ کو طلاق دے دیں۔ کیونکہ از روئے شرع عدمِ ایفاءِ شرطِ نکاح کی صورت میں عورت فسخِ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے۔
لیکن اس حدیث میں رسول اللہ، اور عدو اللہ کی بیٹی کے ایک جگہ مجتمع ہونے کے بارے میں جو قول آپؐ سے منسوب ہے، مجھے اسے صحیح ماننے میں تامل ہے، یہ الفاظ شانِ رسالت کے بھی منافی ہیں، اور مساواتِ اسلام کے بھی، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس حکم سے امور واضحہ متعددہ

اس حکم سے کئی امور واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ جب مرد اپنی بیوی سے وقتِ نکاح وعدہ کرلے۔ کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے گا۔ تو اس وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے، اور اگر شادی کرلی۔ تو پہلی بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے، اور اس سلسلہ میں حدیث کو شامل کرنے کا باعث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ چیز فاطمہ رضی اللہ عنہ کو ایذا دینے اور پریشان کرنے کا سبب ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا، اور پریشانی کی وجہ بھی بن جائے گی۔ اور یہ تو قطعی طور پر معلوم ہی ہے۔ کہ اگر وقت عقد بھی یہ شرط نہ ہوتی۔ تو یہ حرکت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے اور پریشان کرنے کے برابر تھی، کیونکہ اس کا ہونا بداہتاً معلوم تھا۔

اور شرط کی عدم وفا سے مشترط کو فسخ کا حق حاصل ہے۔ اس لئے اگر فرض کیا جائے کہ کسی قوم کی عادت یہ ہے۔ کہ ان کی عورتیں اپنے علاقہ سے باہر نہیں جاتیں۔ اور یہ ان کی عادت مسلسل اس طرح چلی آرہی ہے۔ جیسے یہ ان کی شرط ہو۔ تو قواعد اہل مدینہ اور امام احمد کے مسلک کے مطابق ہی ان پر عمل ہوگا کہ عرفی شرط لفظی شرط کے برابر حیثیت رکھتی ہے [1]

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) اور سب سے بڑھ کر عمل رسولؐ کے بھی مخالف، عکرمہؓ ابی جہل کے بیٹے تھے، اور جلیل القدر صحابی تھے، اور آنحضرتؐ نے ان کے اسلام پر حد درجہ مسرت کا اظہار فرمایا تھا، اور ہمیشہ ان کا بہت لحاظ کرتے رہے، "عدو اللہ" کے بیٹے کا اگر آپؐ اس درجہ لحاظ کرسکتے تھے تو عدو اللہ کی بیٹی کو بھی، حقیر نہیں سمجھ سکتے تھے، واللہ اعلم بالصواب۔

[1] امام احمد رحمہ اللہ کا یہ مسلک بے حد قوی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عرف یعنی مقامی رسم و رواج، جو معارض قواعد شرعیہ نہ ہو، بجائے خود ایک واجب التعمیل قانون ہے، اور اسلام کی حکمت آمیز شریعت کا یہ کمال ہے کہ اس نے عرف کو، اگر اس کے خلاف کوئی شرط واضح طور پر پہلے سے موجود نہ ہو، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی وجہ سے انہوں نے اس پر اجرت دینا لازم قرار دیا ہے۔ جو دھوبی کو کپڑا دے یا نانبائی کو آٹا دے یا باورچی کو کھانا پکانے کے لیے دے۔ جو اجرت پر کام کرتے ہیں۔ یا حمام میں داخل ہو اور وہاں غسل کرے جہاں عموماً لوگ اجرت کی بنیاد پر غسل کرتے ہیں، غرض اسی قسم کے معاملات میں اگرچہ انھوں نے اجرت کی شرط نہ لگائی ہو، پھر بھی اجرت مثل دینی پڑے گی۔

اگر شرط ہو تو تزوج لازم ہے

اسی طرح جو یہ جانتا ہے کہ پہلی بیوی پر سوت لانا اس کے شرف وحسب اور جلالت شان کے باعث لانا ممکن نہیں ہے، تو اس پر ترک تزوج تسلیم شدہ شرط کی طرح عائد ہوگا، چنانچہ اس اصول کے ماتحت سیدۃ نساء عالمین، اور بنت سید اولاد آدم اجمعین اس کی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

اور اگر حضرت علیؓ لفظی طور پر یہ شرط لگا دیتے تو زیادہ مؤکد بات ہو جاتی، لیکن نہ لگاتے تو بھی قائم رہتی۔

ایک عجیب وغریب حکمت

اور حضرت فاطمہؓ اور بنت ابی جہل جمع کو کرنے کی ممانعت میں ایک عجیب وغریب حکمت ہے، وہ یہ کہ عورت اپنے خاوند کے مساوی درجہ کی ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذات سے بھی اعلیٰ وارفع ہوتی ہے، اور شوہر کے باعث بھی درجہ عالیہ پر متمکن ہوتی ہے، یہی شان حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ دونوں

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) واجب التعمیل قانون ہی کی طرح سے تسلیم کیا ہے،

امر واقعہ ہے، کہ جائز حدود کے اندر اسلام نے اپنے احکام وضوابط، اور قواعد وآئین میں بہت زیادہ لچک رکھی ہے۔ تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سہولت ہو، اور دین پر عمل کرنا جیل کے قواعد پر عمل کا مترادف نہ بن جائے، جیسا دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے۔

چنانچہ خاص حالات میں ترک تزوج کا عرف بھی تسلیم شدہ شرط کی طرح واجب العمل ہے۔

کی تھی، اور اللہ عزوجل کو یہ گوارا نہ تھا کہ ابوجہل کی لڑکی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہی درجہ میں رکھے۔ نہ ذاتی طور پر، نہ شوہر کے باعث، اور دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے اس لیے سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنا نہ شرعاً مستحسن تھا، نہ قدراً، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اپنے اس فرمان میں ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم بنت رسول اللہ اور بنت عدو اللہ ایک گھر میں کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

وہ عورتیں

جن سے از روئے شریعت نکاح حرام ہے

اللہ تعالےٰ نے ماؤں کو حرام کر دیا۔ یعنی ہر وہ عورت جس کے درمیان اور مرد کے درمیان ماں یا باپ کی جانب سے ایلاد (پیدائش) کا تعلق ہو۔ جیسے مائیں۔ باپ کی مائیں، مردوں اور عورتوں کی جانب سے دادا۔ دادی۔ اگرچہ اوپر تک چلے جائیں۔

اسی طرح بیٹیاں حرام ہیں۔ اور یہ ہر وہ عورت ہے۔ جسے اس کے ساتھ ایلاد کا تعلق ہو جیسے صلبی بیٹیاں، بیٹیوں کی بیٹیاں، اور ان کے بیٹے، اگرچہ نیچے تک چلے جائیں۔ یہ سب ہر جہت سے بہنیں حرام ہیں، نیز پھپھیاں حرام ہیں، اور یہ وہ عورتیں ہیں جو باپ کی بہنیں ہوں۔ اگرچہ ہر جہت سے اوپر چلی جائیں۔

رہی چچی۔ تو اگر یہ باپ کا چچا ہے۔ تو وہ گویا اس کے باپ کی چچی ہے، اور اگر ماں کی چچی ہے، تو اجنبی چچی۔ اس لیے یہ پھپھیوں میں داخل نہ ہوگی۔ رہی ماں کی چچا کی چچی تو یہ ان میں داخل ہے۔ جیسے باپ کی چچی اس کی پھپھیوں میں داخل ہے۔

کیسی خالائیں حرام ہیں۔ یہ وہ عورتیں نہیں، جو اس کی ماں یا باپ کی ماں کی بہنیں ہوں۔ اگرچہ اوپر تک جائیں اور چچی کی خالہ: اگر باپ کی طرف سے چچی ہے۔ تو اجنبیہ ہے۔ اور اگر ماں کی جانب سے ہے تو اس کی خالہ حرام ہے۔ کیونکہ وہ خالہ ہے، رہی خالہ کی چچی، تو اگر ماں کی خالہ ہے تو اس کی چچی اجنبیہ ہے اور اگر باپ کی ہے تو اس کی چچی حرام ہے۔ کیونکہ وہ باپ کی چچی ہے۔

نیز بھائی کی بیٹیاں حرام ہیں، اور بہن کی بیٹیاں بھی حرام ہیں۔ تو گویا بھائی اور بہن پر یہ حکم ہر جہت سے حاوی ہوگا۔ نیز ان دونوں کی بیٹیوں پر بھی یہی حکم ہوگا۔ اگرچہ نیچے تک چلے جائیں

اور رضاعی ماں حرام ہے۔ اس میں باپ یا ماں کی جانب سے (رضاعی ماں) کی ماں بھی داخل ہوگی۔ اگرچہ اوپر تک چلے جائیں۔

اور اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی) اس کی ماں ہوتی۔ تو یہ دودھ والا ہوگیا۔ اور وہ خاوند یا آقا ہوتا ہے۔ اگر یہ اس کے باپ کی باندی ہو، اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبن فحل کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ یہ نص سے ثابت ہے اور حرمت رضاع مرتضع کی ماں اور رضاعی باپ تک چلی گئی۔ اور یہ ان دونوں کا بیٹا اور وہ اس کے ماں باپ بن گئے۔ اس سے خود ہی لازم آگیا۔ کہ ان دونوں کی بہنیں اور بھائی اس کے لیے خالائیں اور پھوپھیاں ہو جائیں گی اور ان دونوں کے بیٹے اور بیٹیاں اس کے بھائی اور بہنیں قرار پائیں گی۔ چنانچہ اسی فرمان سے اس بات پر تنبیہ فرمایا۔ کہ تمہاری رضاعی بہنیں حرمت رضاع کے باعث اسی طرح حرام ہوں گی جیسے سگی بہنیں اور بھائی اور یہ حرمت ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو جائے گی۔ پس جس طرح رضیع (بچہ شیرا) کے بھائی اور بہنیں ہوگئیں، اسی طرح ان دونوں رضاعی والدین کے بھائی بہنیں، اس بچہ کے ماموں اور خالائیں چچا اور پھوپھیاں قرار پائیں گی۔ پہلی بطریق نص اور دوسری بطریق تنبیہ و اشارہ! جیسے کہ حرمت رضاع بطریقِ نص ماں کی جانب منتقل ہوتی۔ اور بطریق تنبیہ باپ کی جانب بھی منتقل ہوگئی، اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ اس پر صرف وہی آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔ جو معانی قرآن اور وجوہ ادلہ میں درک رکھتا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا۔ کہ نسب سے جو حرام ہوجاتا ہے۔ وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتا ہے۔

اب دلالتیں دو ہیں۔ ایک خفی اور ایک جلی۔

چنانچہ آپ نے امت کے لیے دونوں بیان فرما دیئے، تاکہ وضاحت مکمل ہوجائے۔ اور شک زائل ہو جائے۔

نیز عورتوں کی ماؤں کو حرام قرار دیا۔ عورت کی ماں داخل ہے۔ نسب اور رضاع کے لحاظ سے اگرچہ اوپر تک چلی جائے۔ اور اگرچہ اس نے عورت سے خلوت کی ہو۔ یا نہ کی ہو۔ ان سب پر یہ نام صادق آئے گا۔

نیز بیویوں کی گود میں پرورش پانے والی لڑکیاں بھی حرام ہوں گی، اور یہ ان کی مدخولہ بیویوں کی بچیاں کہلائیں گی۔ اس جملہ سے ان کی بیٹیوں۔ بیٹی کی بیٹیاں اور بیٹوں کی بیٹیوں شمار میں آگئیں۔ یہ سب کی سب ربائب کے ضمن میں ہیں۔

اور تحریم کی قید دو شرطوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایک یہ بیویوں کی گود میں ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ ان کی مائیں ان کی مدخولہ ہوں۔ اگر یہ صورت نہ ہوئی، تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ چاہے فرقت موت یا طلاق سے ہو۔ یہ مقتضائے نص ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے اتباع اور ایک روایت میں امام احمدؒ بھی اس کی طرف گئے ہیں۔ کہ ربیبہ کی حرمت اس کی ماں کی موت سے بھی اسی طرح ہو جاتی ہے، جیسے کہ اس کے تمتع سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ اس کے مہر کو مکمل کر دیتا ہے۔ عدت کا پابند بنا دیتا ہے اور وراثت کو واجب کرتا ہے۔ تو گویا مدخولہ کے مساوی ہو گئی۔

لیکن جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ میت غیر مدخولہ بہاؔ کی بیٹی حرام نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے تمتع کے ساتھ حرمت کی قید لگا دی۔ اور عدم تمتع کے موقع پر اس کی صراحت سے نفی کر دی۔ رہا اس کی گود میں پرورش پانا۔ تو یہ حرمت کی قید کے طور پر نہیں ہے، گویا یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قائم مقام آگیا، لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ یعنی اپنی اولاد کو غریبی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔

اور جب لڑکی اپنی ماں کے پاس ہوگی۔ تو وہ گویا خاوند کی ہی پرورش میں ہے۔ واقعتہً بھی اور جواز کے لحاظ سے بھی۔ تو گویا فرمایا، وہ عورتیں جن کی حالت ہے۔ کہ وہ تمہاری گود میں آن پڑیں۔ اس کے تذکرہ میں ایک بہت ہی بڑا فائدہ ہے۔ یعنی یہ اس کی گود میں اسے لاڈ لانا جائز ہے۔ اور اسی بچی کو دور کر دینا۔ اسے کھلانے سے اجتناب برتنا اور خاطر و مدارت سے ہٹنا واجب نہیں۔ تو اس سے نہ رکنے سے یہ بات مستفاد ہوئی۔

اور چونکہ یہ چیز بعض اہل ظاہر پر پوشیدہ رہی۔ اس لیے انھوں نے تحریم ربیبہ کے لیے خاوند

لہ یعنی جس سے شوہر نے جماع اور تمتع نہ کیا ہو،

کی گود میں ہونا شرط قرار دیا۔ اور ماں کے مدخول بہا ہونے کو حرمت کی قید قرار دے دیا۔ اور عورت کی ماں کو مطلق حرام کر دیا۔ اور تمتع کی شرط نہیں لگائی۔ چنانچہ جمہور صحابہؓ اور ان کے بعد کے علماء کا فرمان ہے۔ کہ ماں اسی وقت حرام ہو جاتی ہے، جب اس کی بیٹی سے عقد کیا گیا۔ خواہ بیٹی کے شوہر نے اس سے خلوت کی ہو، یا نہ کی ہو۔

اور بیٹی صرف اس وقت حرام ہوتی ہے، جب اس کی ماں سے خلوت کر لی گئی ہو۔ اسی طرح ہی ہم کہتے ہیں۔ کہ جب کسی نے اپنی لونڈی سے وطی کی۔ تو اس کی ماں اور بیٹی بھی اس پر حرام ہو گئی۔ اور اگر کہا جائے کہ تم نے کہا تھا۔ کہ ماں کی حرمت کے لیے بیٹی سے دخول شرط نہیں۔ تو یہاں کیسی شرط لگا رہے ہو۔ ہم کہیں گے، تاکہ اس کی بیویوں میں ہو جائے: کیونکہ اس کی زوجہ محض عقد ہی سے اس کی بیویوں میں سے ہو گئی۔ اور مملوکہ عورت اس کی بیویوں میں سے نہیں بن سکتی۔ جب تک کہ اس سے وطی نہ کر لی جائے۔ جب وطی کر لی۔ تو اس کی ازواج میں شامل ہو گئی۔ اب اس کی ماں اور بیٹی حرام ہو گئی۔

نیز اللہ تعالےٰ بیٹوں کی ازواج کو حرام فرمایا۔ اور یہ وہ عورتیں ہوتی ہیں۔ جو ان کے بیٹوں سے موطوءہ ہوں، نکاح یا ملک یمین کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اس وقت یہ حلیلہ یعنی محللۃ بن جائے گی۔ اور اب اس میں اس کے صلب کا بیٹا، بیٹے کا بیٹا اور اس کی بیٹی کا بیٹا داخل ہو جائے گا لیکن متبنیٰ اس سے خارج ہو گا۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے باپ کی منکوحہ کو حرام کر دیا۔ اور یہ حکم باپ کی ملک یمین یا عقد نکاح ہر طرح کی منکوحہ عورتوں پر حاوی ہے، نیز دادا اور نانا پر بھی صادق آتا ہے۔ اگرچہ اوپر تک چلے جائیں۔ (یعنی الا ما قد سلف: سے استثناء کر دیا۔ اور استثناء منجملہ نہی ہے یعنی وہ تحریم جو متلزم تاثیم وعقوبت (سزا اور گناہ) ہے، لیکن کتاب وسنت کی حجت قائم ہونے سے پہلے کی بات جدا ہے۔

ایک نکاح میں

دو بہنوں کو جمع کرنا از روئے شریعت حرام ہے

اللہ تعالےٰ نے ایک شخص کے نکاح میں دو بہنوں کا جمع کرنا حرام قرار دیا یہ حکم عقد نکاح اور ملک یمین ہر دو پر شتمل ہے، جیسے آیت محرمات کے دیگر احکام کی حالت ہے۔

جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی فرمان ہے۔ اور یہی درست بھی ہے۔

البتہ ایک گروہ تحریم ملک یمین کے بارے میں توقف کرتا ہے۔ کیونکہ یہ عموم اللہ تعالیٰ کے فرمان عام سے معارض ہے؛ وَالَّذِیْنَ ہُمْ لِفُرُوْجِہِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَاِنَّہُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ۔

یعنی اور جو اپنی خواہش نفسانی کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر سو ان پر کچھ الزام نہیں۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کا مسلک

اسی وجہ سے امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو ایک آیت سے حلال بتایا اور دوسری آیت سے حرام بتایا۔

امام احمد کی ایک روایت

اور امام احمدؒ سے ایک روایت مروی ہے کہ فرمایا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے۔ لیکن ہم اس سے منع ضرور کرتے ہیں، اور ان کے اصحاب میں سے بعض نے ان سے روایت کرتے ہوئے اسے مباح بتایا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ انھوں نے اسے مباح نہیں بتایا۔ بلکہ صحابہؓ کے معاملہ میں ادب کا طرز عمل اختیار کیا۔ جس معاملہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ نے توقف فرمایا ہو۔ اس میں لفظ

حرام استعمال نہیں کیا۔ بلکہ یوں کہا: کہ ہم اس سے منع کرتے ہیں۔

آیت تحریم کے اسباب ترجیح

اور جو لوگ اس کی حرمت پر مصر ہیں۔ انھوں نے کئی وجوہ سے آیت تحریم کو ترجیح دی ہے!

۱۔ ایک یہ کہ محرمات کے تمام احکامات عقد نکاح اور ملک یمین ہر جگہ عام ہیں۔ تو پھر اس کو ان سے کیوں خارج کیا جائے؟

۲۔ دوسرے ملک یمین کے ذریعہ آیت اباحت قطعی طور پر کئی لحاظ سے مخصوص ہے۔ جس میں بیان کردہ دو احکام مختلف نہیں ہو سکتے۔ جیسے ماں اور اس کی بیٹی، بہن اور پھوپھی اور رضاعی خالہ۔

۳۔ تیسرے ملک یمین کا حلال ہونا محض جہت اور سبب حلت کو واضح کرنے کی غرض سے ہے۔ اور اس میں شرائط حلت سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ اور نہ موانع کا بیان ہے۔ اور آیت تحریم میں نسب۔ رضاع اور صہر وغیرہ کے باعث موانع حلت بیان ہو رہے ہیں۔ اسی لیے ان دونوں میں کسی قسم کا تعارض نہیں، ورنہ ہر وہ مقام جہاں شرط حلت اور موانع ذکر ہوتے وہ تقاضائے حلت سے متعارض ہوتے اور یہ قطعی طور پر باطل ہے۔ بلکہ جہاں شرط و موانع کے سلسلہ میں دلیل حلت سے خاموشی اختیار کر لی گئی۔ وہاں یہ اس بات کی وضاحت بھی ہے

۴۔ چوتھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنا پانی (مادہ تولید) دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے۔ کہ جس طرح عقد نکاح سے "مادہ تولید" جمع ہوتا ہے۔ اسی طرح ملک یمین سے بھی جمع ہوتا ہے اور ایمان اس سے روکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت اور اس (عورت) کی پھوپھی اور اس کی خالہ کو جمع کرنے سے منع فرمایا:

یہ تحریم دراصل دو بہنوں کو جمع کرنے کی ممانعت سے ماخوذ ہے۔ اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام بتایا ہے۔ وہ بھی اسی طرح حرام ہے جسے اللہ تعالےٰ نے حرام بتایا۔ لیکن (حضور) کا بتایا ہوا دلالۃ الکتاب سے مستنبط ہے، اور صحابہؓ قرآن مجید سے احادیث رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا استنباط کرنے کے از حد شائق تھے۔ اور جو بھی اس کام میں لگ گیا۔ تو اسے محسوس ہوگا۔ کہ تمام سنت (حدیث) قرآن پاک کی تفسیر۔ اس کے مخفیات کی وضاحت اور مراد اللہ کا بیان ہے۔ اور یہ کام مراتب علم کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔ جو بھی اس پر ظفریاب ہوا۔ اسے چاہیے کہ اللہ کی حمد کرے۔ اور جو اس سے محروم رہا۔ وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔ اور اپنے ضعف ہمت اور عجز کا اقرار کرے۔

جمع بین الاختین، نیز عورت اور اس کی پھوپھی بیٹی اور خالہ کو جمع کرنے کی حرمت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ایسی دو عورتیں جن کی آپس میں قرابت ہو اور اگر ان میں سے ایک مذکر ہو اور دوسری مونث تو ان کا آپس میں نکاح حرام ہو۔ پس ان کا بھی ایک ہی عقد میں جمع کرنا حرام ہے۔ اور اس کلیہ سے کوئی بھی صورت خارج نہ ہوگی۔

البتہ اگر ان کی آپس میں قرابت ہوگی، تو ان کا آپس میں جمع کرنا حرام نہیں۔

اور آیا یہ مکروہ ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک آدمی کی بیوی اور دوسرے کی بیٹی کو جمع کرنا کراہت کی بات ہے) اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ محرمات مذکور سے مستفاد ہے۔ کہ ہر وہ عورت جس کے ساتھ نکاح حرام ہو۔ ملک یمین کے ذریعہ اس سے وطی کرنا جائز نہیں۔ سوائے اہل کتاب کی لونڈیوں کے۔ کیونکہ ان کا نکاح اکثر کے نزدیک حرام ہے۔ اور ملک یمین کے ذریعہ ان سے وطی کرنا جائز ہے۔

امام ابو حنیفہ رح نے اسے مساوی قرار دیا اور فرمایا ہے کہ ان سے نکاح بھی اسی طرح مباح ہے جیسے ملک یمین کے ذریعہ ان سے وطی کرنا مباح ہے، اور جمہور نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضعف ایمان کے باعث لونڈیوں سے نکاح حلال قرار دیا ہے۔

(وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِكُمْ)

یعنی اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لاوے بیبیاں مسلمان تو نکاح کر ان سے جو تیرے ہاتھ کا مال ہیں، یعنی تمہارے آپس کی مسلمان لونڈیاں، اور اللہ کو خوب

معلوم ہے تمہارا ایمان۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن یعنی اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ حتیٰ کہ ایمان لے آئیں۔

اسی طرح اہل کتاب کی آزاد عورتیں مخصوص کر دی گئیں۔ البتہ لونڈیاں حرمت کے حکم پر باقی رہ گئیں۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہؓ نے اس آیت کے تحت کتابیہ عورتوں کو داخل سمجھا ہے اور فرمایا ہے:

میں اس سے بڑا شرک نہیں جانتا۔ کہ یوں کہا جائے: کہ مسیح خدا ہے۔

تو اصل بات ایقاع حرمت میں ہے۔ البتہ مومن لونڈیوں کا نکاح مباح قرار دیا گیا ہے اور جس نے انہیں بھی اصل تحریم پر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ ان کی حرمت اس مفہوم سے نہیں نکلتی اور سیاق آیت اور اس کے مدلول سے متضاد ہوتا ہے۔ کہ ہر وہ عورت جو حرام ہو اس کی بیٹی بھی حرام ہوئی۔ سوائے اس کی پھوپھی۔ خالہ۔ بیٹے کی زوجہ اور باپ کی زوجہ اور زوجہ کی ماں کے!

چنانچہ سورۃ احزاب میں چار مذکورہ کے سوا تمام اقارب حرام ہیں۔ اور چچا اور پھوپی کی بیٹیاں اور ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں نہیں۔

گرفتار شدہ منکوحہ عورتیں

آیا ان سے تمتع کی شرط اسلام ہے یا نہیں؟

ملک یمین کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔

کئی لوگوں کو اس استثناء سے اشکال ہوگیا۔ کیونکہ شادی شدہ لونڈی سے آقا کو وطی کرنا حرام ہے۔ اب استثناء کا موقع کہاں رہا؟

دوسرے گروہ نے جواب دیا ہے کہ یہ منقطع۔ یعنی، لیکن وہ جن کے تم مالک (آقا) ہو! تو گویا لفظی اور معنوی طور پر اسے رد کر دیا۔

منکوحہ عورت باندی بننے کے بعد پہلے شوہر سے مطلقہ ہوجائیگی

دوسری جماعت کا خیال ہے۔ کہ استثناء اس کے باب (آغاز) میں ہے۔ اور جب مرد اپنی منکوحہ لونڈی کا مالک ہوجائے گا۔ تو اس کی ملکیت ہی اس کے لیے طلاق بن جائے گی۔ اور اسے وطی کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اور یہ مسئلہ بیع کنیزک کا ہے کہ آیا (فروخت سے) اس کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

اس بارے میں صحابہؓ کے دو مذہب منقول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اسے طلاق قرار دیتے ہیں۔ اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے صحابہؓ اس سے انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس طرح ملک سابق نکاح لاحق کے ساتھ اتفاقاً جمع ہوجاتا ہے۔ اور اس میں باہمی منافات نہیں۔ اسی طرح ملک لاحق نکاح سابق کا منافی نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بریرہؓ کو جب فروخت کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اختیار دیا، ورنہ اگر نکاح فسخ ہوجاتا۔ تو آپ اختیار کس طرح دیتے؟

گرفتار شدہ عورت کی مالک اگر عورت ہو تو کیا حکم ہوگا؟

ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ اگر خریدار عورت ہو، تو نکاح فسخ نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ لونڈی سے تمتع (وطی) کی مالک نہیں ہوتی۔ اور اگر مالک مرد ہوگا۔ تو (نکاح) فسخ ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ تمتع (جماع) کر لینے کا مالک ہوتا ہے۔ اور ملک یمین ملک نکاح سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور ملکیت کی یہ قسم (ملک یمین) نکاح کی ملکیت کو باطل کر دیتی ہے۔ لیکن اس کا عکس نہیں ہو سکتا۔

وہ کہتے ہیں۔ کہ اس توضیح و تشریح کے بعد حدیث بریرہؓ میں کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا۔

لیکن سلف نے اس کا یہ جواب دیا ہے، کہ خریدنے والی عورت اگرچہ باندی سے فائدہ (وطی وغیرہ کا) حاصل کرنے کی مالک نہیں ہوتی۔ لیکن [redacted] اس کے معاوضہ اور قیمت کی مالک ہوتی ہے۔ نیز اس کا نکاح کرنے کی مالک ہوتی ہے، علاوہ ازیں اس کا مہر لینے کی حقدار ہے، اور یہ ملکیت ایسی ہی ہے جیسی مرد کی ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ بضع امت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتی۔ یعنی اس سے تمتع نہیں کر سکتی۔

گرفتار شدہ عورت کا شوہر اگر زندہ ہو تو کیا حکم ہے؟

ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے، دوسری آیت قیدی، عورتوں کے لیئے خاص ہے۔ کیونکہ ایک عورت جب قید ہو جاتی ہے تو اس کے باندی بننے، اور اس سے استبراء کے بعد وطی کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ منکوحہ ہو۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

اور اصحاب احمدؒ کا بھی ایک قول ہے، اور یہی صحیح ہے۔ جیسے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی جانب ایک لشکر روانہ فرمایا۔ دشمن سے مقابلہ ہوا۔ اور جنگ ہوئی، اور فتح یاب ہونے کے ساتھ انہیں باندیاں ہاتھ آئیں، اور اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عورتوں کے بارے میں تردد ہوا کہ ان کے مشرک خاوند بھی زندہ ہیں۔ پھر یہ مسلمانوں پر کیسے حلال ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم نازل فرمایا

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ یعنی، اللہ تعالیٰ شوہر والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ یعنی ان عورتوں کی جب عدت ختم ہو گی۔ تو یہ تمہارے لیے حلال ہوں گی۔ اس طرح یہ حکم جنگی قیدی عورت سے وطی کی اباحت کا متقاضی ہے اگرچہ اس کا کافر خاوند موجود ہی کیوں نہ ہو،

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ گرفتاری کے بعد عورت کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اور ان کی زائل بھی چلی جائے گی، اور یہی صحیح مسلک ہے،

گرفتار کرنے والا عورت کا مالک ہے

کیونکہ جس نے عورت کو گرفتار کیا ہے۔ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے، پھر اس پر اس کی منع (تمتع) کیونکر حرام ہو سکتی ہے؟

اس قول کی نہ نص معارض ہے، نہ قیاس۔

اور اصحاب احمد میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ گرفتار شدہ عورت سے جماع اس وقت جائز ہے جب وہ تنہا گرفتار ہوئی ہو، کیونکہ اس کے شوہر کی بقا مجہول ہے، اور مجہول معدوم کے مانند ہوتا ہے۔ لہٰذا استبراء کے بعد اس سے وطی جائز ہے۔

اور اگر گرفتار شدہ عورت کے ساتھ اس کا شوہر بھی گرفتار ہو تو اس لیے کہ اس کی بقا مجہول نہیں معلوم ہے، اس کی گرفتار شدہ بیوی سے مجامعت جائز نہیں ہے۔

گرفتار شدہ عورت کسی چیز کی مالک نہیں

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عورت جو گرفتار ہوئی ہے۔ ایسی چیز کی مالک نہیں ہے، اصل چیز ہے فرد، کا الحاق امر اغلب سے، یعنی جو بات عمومی طور پر زیادہ قرین قیاس ہو، لہٰذا ان عورتوں کی تنہا گرفتاری کے وقت ان کے شوہروں کا زندہ ہونا زیادہ قرین قیاس ہے، اور

ل اصحاب امام احمد کا یہ مسلک زیادہ قوی اور قواعد و مصالح شرع سے قریب تر ہے

سب شوہروں کا مرجانا قطعاً مستبعد ہے۔!'

اور اگر یہ کہا جائے کہ گرفتار شدہ مرد خود غلام ہو گیا، اور اس کی املاک سابق (گرفتار کرنے والے) کی ملکیت ہو گئی۔ پھر اس کی بیوی کی عصمت خاص طور پر کیونکر مملوکہ نہیں مانی جائے گی حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ عورت اور اس کی املاک سابق ہو گئی۔

بت پرست اور مشرک باندیوں کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بت پرست اور مشرک باندیوں سے وطی کی جا سکتی ہے کیونکہ اوطاس کی گرفتار شدہ عورتیں کتابیہ نہیں تھیں، اور آپؐ نے ان سے وطی کی شرط اسلام نہیں قرار دی تھی۔ اور مانع تمتع استبراء کے سوا کسی چیز کو قرار نہیں دیا۔ اور بوقت حاجت تاخیر حاجت منع ہے۔ حالانکہ یہ لوگ حدیث (جدید) الاسلام تھے، اور ان عورتوں میں سے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ نہ انہیں اسلام کے بارے میں کوئی بصیرت حاصل تھی۔ نہ اسلام سے رغبت اور محبت۔ جس کے باعث انہوں نے بسرعت اسلام قبول کر لیا ہو،

آں حضرتؐ اور صحابہؓ کا تعامل

چنانچہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد صحابہؓ کا عمل یہی تھا۔ کہ مملوکہ عورتوں کے ساتھ وطی کرنا چاہیے، وہ کسی بھی دین کی ہوں۔ اور یہی طاؤسؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔ اور صاحب کتاب نے اس کو قوی قرار دیا ہے، اور اس کے دلائل کو ترجیح دی ہے۔

باندی سے تمتع کے لیے اسلام کی شرط نہیں

اور وہ حدیث ان کے اسلام کے عدم اشتراط پر دلالت کرتی ہے۔ جو جامع ترمذیؒ میں حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے مروی ہے، کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندیوں سے اس وقت تک وطی کرنا حرام بتایا، جب تک کہ وہ وضع حمل نہ کر لیں۔ گویا آپؐ نے ایک ہی سبب حرمت وطی کا بتایا اور وہ وضع حمل (تک کا زمانہ) ہے۔ اور اگر یہ چیز اسلام پر موقوف ہوتی۔ تو اس کا بیان کرنا استبراء (وضع حمل) کے بیان کرنے سے زیادہ اہم تھا۔

شرط صرف وضع حمل یا استبراء ہے

اور سنن اور مسند میں مروی ہے کہ آپؐ نے

فرمایا!

کسی ایسے آدمی کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ وہ کسی لونڈی سے مباشرت کرے۔ جب تک کہ وہ وضع حمل نہ کرے۔ اور یہ نہیں فرمایا۔ کہ جب تک اسلام نہ لے آئے۔

اور سنن میں آپ سے مروی ہے کہ آپ نے اوطاس کی گرفتار شدگان کے متعلق فرمایا کہ کسی حاملہ سے وضع حمل تک وطی نہ کی جائے۔ اور غیر حاملہ سے وطی کی جائے جب تک کہ اُسے ایک حیض نہ آجائے، اور یہ نہیں فرمایا۔ کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے گویا کہیں بھی آپ سے باندیوں کے لیے شرط اسلام مروی نہیں، [1]

---

[1] ان ساری نکتہ سنجیوں اور دقیقہ آفرینیوں کے باوجود یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی کہ گرفتار شدہ عورت باندی بننے کے بعد، خاص طور پر اگر وہ مشرکہ ہو اس طرح حلال ہو جاتی ہے کہ صرف وضع حمل، اور استبراء کافی ہو، کتابیہ عورت کے بارے میں تو یہ بات درست ہو سکتی ہے، لیکن مشرکہ کے بارے میں قطعاً نہیں مانی جاسکتی۔

اسلام نے مشرکہ عورت سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔

پھر مشرکہ باندی سے جماع کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ جب کہ اس سے جماع ایک طرح کا نکاح ہی ہے، بلا گواہ اور قاضی کے، اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد، باپ کی وارث اور شریک نسب ہے، جس عورت سے نکاح حرام ہو اس کے بطن سے جو اولاد پیدا ہو۔ وہ شرعی اصطلاح میں صرف ولد الزنا ہی جاسکتی ہے۔

لہٰذا ماننا پڑے گا۔ مشرکہ باندی سے جماع کے لیے اسلام شرط ہے، اور یہ اتنی واضح شرط ہے کہ اس کے لیے ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی کہ الگ سے اسے بیان کیا جاتا۔ اس کے سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مشرکہ عورت سے نکاح حرام ہے۔ جب نکاح حرام ہے تو وطی بھی حرام ہے، اور اسکے بطن کی اولاد بھی حلالی نہیں ہے۔

زوجین میں سے کسی ایک کے سبقت اسلام کے بعد

تفریق، بقاء نکاح اور تجدید عقد کے احکام،

قبول اسلام سے پہلے محرمات نکاح کا مسئلہ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی، حضرت زینبؓ کو نکاح ہوتے ہی ابو العاص بن ربیع کے ہاں رخصت کر دیا۔ اور مزید کچھ نہ کیا، اسے احمدؒ۔ ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ چھ سال کے بعد (بھیجا) اور نیا نکاح نہیں کیا۔

ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں کچھ نقص نہیں۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ (حضرت زینب) کا اسلام ان کے اسلام سے چھ برس پہلے واقع ہوا۔ بغیر شہادت اور صدق (مہر) کے۔

ابن عباسؓ کی روایت

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت نے اسلام قبول کیا۔ پھر اس نے نکاح کر لیا۔ اس کا (پہلا) خاوند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میں تو اسلام قبول کر چکا ہوں۔ اور آپؐ کو میرے اسلام کا علم بھی ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو دوسرے خاوند سے واپس لے لیا اور پہلے خاوند کے ہاں بھیج دیا، اس کے راوی ابو داؤد ہیں۔

نیز مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک آدمی اسلام قبول کرتا ہوا حاضر خدمت ہوا۔ اس کے بعد اس کی بیوی بھی اسی طرح اسلام قبول کر کے حاضر ہوگئی۔ اس نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول، یہ (میری بیوی) بھی میرے ساتھ اسلام لے آئی ہے۔

آپؐ نے اسے خاوند کے پاس بھیج دیا

ترمذیؒ فرماتے ہیں، یہ حدیث صحیح ہے۔

نیز ترمذی کا قول ہے کہ حارث بن ہشام کی بیٹی ام حکیمؓ فتح مکہ کے روز اسلام لائیں۔ ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے فرار ہو کر یمن چلے گئے۔ چنانچہ ام حکیمؓ نے یمن کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں پہنچ کر انھیں بھی اسلام کی دعوت دی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ اور فتح کے سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، تو آپؐ جوش مسرت و انبساط سے بے قابو ہو کر اٹھے۔ آپؐ کے جسد مبارک پر چادر بھی نہ تھی۔ آپؐ نے عکرمہ سے بیعت لی۔ اور دونوں (میاں بیوی) کو سابقہ نکاح پر باقی رکھا۔

راوی فرماتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں کہ کسی عورت نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کی ہو۔ اور اس کا خاوند دار الحرب میں بہ حالتِ کفر مقیم رہا ہو، اور ہجرت نے ان دونوں کے مابین تفریق نہ کرا دی ہو۔ ہاں عدت ختم ہونے سے قبل ہی اس کا خاوند بھی اگر ہجرت کر کے حاضر ہو جاتے تو الگ بات ہے، جیسا کہ امام مالکؒ نے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔

احکام متضمنہ حدیث یہ حکم اس بات کا متضمن ہے کہ جب دونوں ساتھ ساتھ اسلام لے آئیں تو انھیں سابق نکاح پر باقی رکھا جائے گا۔ اور یہ معلوم نہ کیا جائے گا کہ اسلام سے قبل وقوع نکاح کی کیفیت کیا تھی؟ صحیح ہوا تھا، یا غلط؟ جب تک کہ کوئی باطل کرنے والی کوئی بات موجود نہ ہو۔ مثلاً دونوں مسلمان ہوئے اور (حالتِ کفر) میں یہ نکاح یوں ہوا تھا کہ عورت غیر کی عدت میں تھی، یا مسلمہ طور پر اس کے لیے حرام تھی۔ یا موبدتھی اور نسبی یا رضاعی طور پر اس کے لیے حرام تھی۔ یا ایسی عورت تھی کہ ایسی دو عورتوں کا آپس میں جمع کرنا جائز نہیں۔ مثلاً دو بہنیں یا پانچ بیویاں، یا پانچ سے زائد بیویاں۔ ان تین صورتوں میں احکام مختلف ہوں گے۔ چنانچہ جب دونوں اسلام لے آئیں اور عورت و مرد کے درمیان نسبی۔ رضاعی یا صہری حرمت ہو، یا زوجہ کی بہن ہو۔ یا اس کی پھوپھی یا خالہ ہو یا ایسی ہو کہ جن دونوں کے درمیان جمع کرنا حرام ہو۔ تو دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی۔

لیکن اگر محض دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی حرمت ہو۔ تو اسے اختیار دیا جائے گا ان دونوں میں سے جسے چاہے اپنے لیے اختیار کرے۔

یا یہ عورت بہ سبب زنا اس کی بیٹی ہو تو بھی دونوں کے درمیان جمہور کے نزدیک تفریق کر دی جائے گی۔

اور اگر اسے یقین ہے کہ یہ زنا ہی کی ہے، تو بالاتفاق ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

اور زوجین میں سے ایک نے اسلام قبول کر لیا، لیکن وہ کسی ایسے مسلمان کی عدت میں تھی اور اس کے عقد سے متقدم تھی، تو بھی دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

اور اگر کافر کی عدت میں تھی۔ اب اگر دوام فساد یا اس کے اجماع کا اختیار ہو تو تفریق نہیں کرائی جائے گی۔ کیونکہ کافر کی عدت دوام اختیار نہیں کر سکتی اور ان اصحاب کے نزدیک مانع نکاح ہو سکتی ہے جن کے خیال میں نکاح کفار باطل ہے اور اسے وہ زنا کا حکم دیتے ہیں۔

اور اگر ایک مسلمان ہو گیا۔ اور یہ عورت قبل از عقد زنا سے حاملہ تھی، تو پھر مفسدہ کے خطرے یا اجماع کی صورت میں دو قول ہیں۔

اگر دونوں اسلام لے آئے اور انھوں نے (حالتِ کفر) میں بغیر کسی ولی یا گواہوں کے، یا عدت کے اندر نکاح کیا تھا۔ اور اب عدت گزر چکی ہے۔ یا بہن پر نکاح کیا تھا۔ اور اب وہ بہن مر چکی ہے۔ یا پانچویں عورت تھی (اور اب ایک مر چکی ہے) تو پھر یہ نکاح قائم رکھا جائے گا۔

اسی طرح کسی حربی نے کسی حربیہ عورت پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے بعد دونوں نے نکاح کر لیا۔ پھر دونوں مسلمان ہو گئے، تو ان کا نکاح باقی رہے گا۔

اسی طرح اگر زوجین میں سے ایک پہلے مسلمان ہو جائے۔ تو نکاح فسخ نہ ہو گا، اگرچہ ہجرت نے دونوں کے درمیان تفریق کی ہو، یا نہ کی ہو، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے زوجین کے نکاح کی تجدید کی ہو جن میں سے ایک پہلے مسلمان ہو گیا ہو، بلکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نکاح موقوف ہے۔ اگر عدت پوری ہونے سے قبل ہی مرد اسلام لے آیا۔ تو وہ اسی کی زوجہ ہے۔ اور اگر عدت ختم ہو گئی تو اسے اختیار ہے جہاں چاہے نکاح کرے۔ اور اگر عورت پسند کرے تو (خاوند)

تجدید نکاح قبولِ اسلام کے بعد ضروری نہیں

اسلام لانے کا انتظار کرے۔ پھر اگر وہ کسی وقت اسلام لے آئے، تو وہ بغیر تجدید نکاح کے اس کی بیوی ہوگی۔ اور ہم نہیں جانتے کہ آپؐ نے کسی کے نکاح کی تجدید کی ہو۔ بلکہ دو ہی کام ہوتے یا دونوں میں افتراق ہوگیا اور دوسرے سے نکاح ہوا۔ اور یا پھر نکاح سابق قائم رہا۔ چاہے مرد کا اسلام متاخر ہو یا عورت کا اسلام متاخر ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

اور حضرت حماد بن سلمہ کی سند سے ثابت ہے۔ انھوں نے ایوبؓ اور قتادہؓ سے روایت کیا۔ انھوں نے ابن سیرینؒ سے، انھوں نے حضرت عبداللہؓ بن یزید خطمی سے، کہ ایک نصرانی کی بیوی مسلمان ہوگئی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے اختیار دیا، کہ چاہو، تو اس نصرانی سے جدا ہو جاؤ۔ اور چاہو تو اسی پر قائم رہو۔ اور یہ تو واضح طور پر معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے اسے اس بات کا اختیار دیا کہ چاہو تو نصرانی سے اسلام قبول کرلینے کا انتظار کرو، تو تم پہلے کی طرح اس کی زوجہ ہوگی۔ اور یا جدا ہو جاؤ۔

حضرت عمرؓ کا ایک اور فیصلہ

اسی طرح صحیح طور پر حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک نصرانی کی عورت مسلمان ہوگئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر وہ مرد بھی مسلمان ہوگیا تو یہ اس کی بیوی ہے۔ اور اگر اسلام نہ لایا تو دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے۔ آخر وہ مسلمان نہ ہوا، تو دونوں کے درمیان تفریق کردی گئی۔

اسی طرح عبادۃ بن نعمان تغلبی کے متعلق فرمایا: جب ان کی بیوی مسلمان ہوگئی، کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ، یا اس عورت کو جدا کردیا جائے گا۔ انھوں نے انکار کردیا۔ چنانچہ وہ جدا کردی گئی[1]

---

[1] بہرحال یہ ثابت ہے کہ میاں بیوی ساتھ ساتھ یا تقدیم و تاخیر کے ساتھ لیکن زمانۂ عدت ہی مسلمان ہوں، تو سابقہ عقد، کیا زمانۂ کفر کا نکاح قائم رہتا ہے۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

عزل کا مسئلہ

تقلیل اولاد کا ایک وسیلہ عہد رسالت میں

سوال و جواب صحیحین میں حضرت ابی سعیدؓ سے ثابت ہے، انھوں نے بتایا کہ ہمیں لونڈیاں ملیں ہم ان سے عزل[1] کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپؐ نے فرمایا، بے شک تم ایسا کرتے ہو۔ یہ کلمہ تین مرتبہ دہرایا پھر فرمایا، یاد رکھو، قیامت تک جو جان آنے والی ہے وہ آکر رہے گی۔

آپؐ نے عزل سے منع نہیں کیا اور صحیح مسلم میں ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپؐ نے ممانعت نہیں فرمائی۔

نیز صحیح مسلم میں مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ میرے پاس لونڈی ہے۔ اور میں اس سے عزل کرتا ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس سے اللہ تعالےٰ کے ارادہ میں رکاوٹ نہیں ہو سکتی"۔ راوی بتاتے ہیں کہ پھر وہ آدمی حاضر ہوا۔ اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول جس لونڈی کا میں نے آپؐ کی خدمت میں تذکرہ کیا تھا۔ وہ حاملہ ہو گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

نیز صحیح مسلم میں حضرت اسامہؓ بن زید سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] عزل یعنی بیوی سے جماع کرنا، لیکن انزال نہ کرنا، تاکہ اولاد نہ ہو

کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا،

اے اللہ کے رسولؐ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تم یہ کیوں کرتے ہو؟

اس آدمی نے عرض کیا، میں اس کے بچے پر شفقت کے باعث ایسا کرتا ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ مضر ہوتا تو اہل فارس اور اہل روم کو بھی ضرر دیتا۔

آزاد عورت کی اجازت کے بغیر عزل نہیں

مسند احمدؒ اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرہ (آزاد عورت) کی اجازت کے بغیر اس سے عزل کرنے سے منع فرمایا۔ اور ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ کو سنا، کہ انھوں نے ابن لہیعہ کی حدیث بیان فرمائی، انھوں نے جعفر بن ربیعہ سے انھوں نے زہری سے انھوں نے محرر بن ابی ہریرہؓ سے انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حرہ سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کیا جائے۔

عزل کی تائید احادیث سے

یہ احادیث عزل کے جواز میں صراحت سے منقول ہیں، نیز دس صحابہؓ سے اس کے متعلق رخصت (اجازت) مروی ہے، جو یہ ہیں:

علی۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابی ایوب۔ زید بن ثابت۔ جابر۔ ابن عباس۔ حسین بن علی، خباب بن ارت۔ ابی سعید خدری اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور یہی صحیح ہے۔

بعض لوگ عزل کو حرام قرار دیتے ہیں

اور ایک جماعت نے اسے حرام قرار دیا ہے، جس میں سے ابومحمد بن حزمؒ وغیرہ شامل ہیں۔

اور ایک جماعت نے تفریق کی ہے کہ اگر حرہ کی اجازت سے ہو تو مباح ہے اور اگر اجازت کے بغیر ہو تو حرام ہے۔ اور اگر بیوی لونڈی ہو تو آقا کی اجازت سے مباح ہے۔ اور آقا کی

اجازت کے بغیر مباح نہیں۔ اور یہی امام احمدؒ سے منصوص ہے۔ اصحاب احمدؒ میں سے بعض فرماتے ہیں کہ یہ کسی صورت میں مباح نہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ہر حالت میں مباح ہے۔

بیوی کے اذن سے عزل مباح ہے

اور بعض کا خیال ہے کہ بیوی کے اذن سے مباح ہے چاہے وہ حرہ ہو یا لونڈی۔ جس نے اسے مباح مطلق قرار دیا۔ اس نے مذکورہ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور یہ کہ بیوی کا حق صرف حظ حاصل کرنے کا ہے۔ انزال کا نہیں[1]

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت

اور جس نے اسے حرام کہا ہے۔ اس نے صحیح مسلم کی اس روایت سے استدلال کیا ہے۔ جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ جو حضرت جذامہ کی بہن حضرت عکاشہؓ نے بیان کی۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف فرما تھے، اور میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے عزل کے متعلق دریافت کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ مخفی طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔ اور اللہ کا اس فرمان کا یہی مطلب ہے واذا الموؤدۃ سئلت[2]۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے اباحت کا حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ وہ اصل سے ناقل ہے۔ اور احادیث اباحت کی روایات کے موافق ہیں۔ اور احکام شرع برامت اصلیہ سے نقل ہونے والے ہوتے ہیں۔

حضرت جابرؓ کی روایت صریحہ تائید عزل میں

حضرت جابرؓ کا قول ہے۔ قرآن نازل ہو رہا تھا اور ہم عزل کرتے تھے اس لیے اگر یہ ممنوع بات ہوتی تو قرآن اس سے منع کر دیتا، تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے، کہ جس نبیؐ پر قرآن نازل ہوا اس نے اپنے قول سے اس کی ممانعت فرما دی کہ یہ زندہ درگور کرنا ہے۔

حسن بصریؒ کا مسلک

اور حضرت حسن بصریؒ نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے

---

[1] یہ ذاتی رائے ہے، کتاب وسنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اولاد کا پیدا کرنا یا نہ کرنے کا جذبہ بیوی میں بھی ہوتا ہے۔ اور وہ انسانی نقطۂ نظر سے قطعاً قابل احترام ہے۔ لہٰذا یہی مسلک درست ہے کہ عزل بیوی کی اجازت سے کیا جا سکتا ہے۔

[2] یہ قیاس مع الفارق ہے۔

ممانعت ہی کا مفہوم لیا ہے۔ جب کہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "اگر تم یہ نہ کرو، تو بھی تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ یہ تو مقدر کی بات ہے۔"

ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسنؒ کے سامنے یہ بات عرض کی، تو وہ واللہ یہ زجر ہے، (اور اس کی توجیہہ) میں بتاتے ہیں کہ اس میں نکاح کے باعث جو نسل مطلوب تھی۔ اس کا انقطاع پایا جاتا ہے۔ نیز سوءِ معاشرت اور طبیعت کی چاہت کے وقت لذت کا انقطاع بھی ہے۔

اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عزل نہ کرتے اور فرماتے، کہ اگر مجھے علم ہو جائے کہ میرا کوئی بیٹا عزل کرتا ہے تو میں اسے سزا دوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ عزل کو مکروہ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ شعبہ نے عاصم سے روایت کیا ہے۔

ابن مسعودؓ کی روایت

اور حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح روایت میں ہے کہ انھوں نے اس کو ایک طرح کا زندہ درگور کرنا قرار دیا ہے۔

اور حضرت ابی امامہؓ سے ثابت ہے کہ ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا: میں نے کسی مسلمان کو اس کا مرتکب نہیں پایا۔

حضرت نافعؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی بیٹے کو عزل کرنے پر مارا۔

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ انصاری نے حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما عزل سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ احکامات ان احادیث کے متعارض ہیں۔ جن میں یہ بات صراحت سے مباح ہے۔

جواز عزل میں حضرت جابرؓ کے مرویات

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت جابرؓ کی احادیث جواز عزل میں صراحت سے آتی ہیں اور صحیح ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اور کئی اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ انھوں نے اس کی اجازت دی ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں خیال کیا۔

بیہقی فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت سعد بن ابی وقاص۔ ابی ایوبؓ انصاری زیدؓ بن ثابت اور ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی روایت ملی ہے۔ نیز امام مالکؒ اور شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اہل کوفہ اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔

حضرت جذامہ کی حدیث

اور حضرت جذامہ کی حدیث کہ یہ حکم تنزیہ کے لیے ہے۔ ایک جماعت نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق یہود کی تکذیب کریں۔ پھر اس کے بعد اس کی خبر بھی دے دیں۔ یہ واضح طور پر محال ہے۔

اور دوسرے گروہ نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیثِ تکذیب میں اضطراب ہے اور حدیث جذامہ صحیح ہے۔

کچھ یہود کے بارے میں

دوسرے گروہ نے ان دونوں احادیث کو جمع کیا ہے اور کہا ہے، یہود کہا کرتے تھے کہ عزل کرنے سے حمل نہیں ہوتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تکذیب فرمائی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی اس پر شاہد ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے کسی چیز کا ارادہ کر لیا، تو تم اس کو روک نہیں سکتے۔ اور آپؐ کا فرمان یہ وادِ خفی (مخفی زندہ درگور کرنا) اگرچہ قطعی طور پر حمل میں مانع نہیں لیکن اس کی تقلیل اس سے ممکن ہے جیسے بیوی سے جماع نہ کرنا۔

ایک گروہ کا خیال ہے۔ کہ دونوں احادیث صحیح ہیں۔ البتہ حدیث تحریم ناسخ ہے۔ اور یہ ابو محمد بن حزمؒ کا طریق ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ اصل سے ناقل ہے اور حرمت سے قبل احکامات صرف اباحت کے ہوا کرتے تھے۔ ان کا یہ دعویٰ واضح تاریخ کے تعین کا محتاج ہے کہ ایک حدیث دوسری کے بعد اور کب فرمائی گئی۔

باندی سے بغیر اجازت عزل کیا جا سکتا ہے

اور ایک روایت میں صالح، ابن منصور حنبل۔ ابن الحرث۔ فضل بن زیاد اور مروذی فرماتے ہیں کہ حرہ سے اس کے اذن کے ساتھ اور لونڈی سے بغیر اجازت عزل جائز ہے اور ابن ہانی کا قول ہے، جو عزل کرے گا اس پر بچہ لازم ہو گیا کیونکہ گاہے گاہے عزل کے باوجود بھی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے میرا ہر بچہ عزل ہی سے ہوا۔[۱]

---

[۱] عزل کے بارے میں، یہ دلائل اور مخالف حدیثیں آدمی کو اضطراب فکر میں مبتلا کر دیتی ہیں (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) لیکن صحیح مسلک از روئے حدیث اور از روئے فقہ اسلامی یہی ہے کہ عزل جائز ہے، بشرطیکہ بیوی بھی اس پر رضامند ہو۔ اگر وہ رضامند نہ ہو تو عزل نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ شادی کا اصل مقصد، اور مرد و عورت کی تخلیق کا رمز صرف توالد و تناسل ہے، تاکہ اللہ کے بندوں میں اضافہ ہو، لیکن اگر حالات و مصالح کے ماتحت کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بچے پیدا ہوں، تو بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ رضامندی طرفین ہی سے ہوسکتا ہے۔ بیوی اگر چاہتی ہے کہ اس کے بچے ہوں تو شوہر اس کی اس آرزو کو ٹھکرا نہیں سکتا۔

مرضعہ سے جماع کا مسئلہ

صحیح مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، میں نے ارادہ کی
کہ غیلہ سے روک دوں۔ آخر میرے سامنے روم و فارس کا تذکرہ کیا گیا کہ انھیں اس سے کچھ
ضرر نہیں ہوتا۔ نہ ان کی اولاد کو کچھ نقصان پہنچتا ہے۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت اسماء بنت یزید کی حدیث سے آپؐ سے منقول ہے۔ ا
اولاد کو مخفی طور پر (قتل) نہ کرو۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے
اگر یہ ایک شہ سوار کو پکڑ لے تو اُسے بھی گرا دے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ اس سے آپؐ کا کیا مطلب تھا؟
انھوں نے فرمایا، آپؐ کا مطلب غیلہ سے تھا کہ ایک آدمی حالتِ رضاعت میں بیوی کے
پاس آئے۔ اور حالتِ رضاعت میں وطی نہ کرنے سے ابتلاءِ عام ہوجاتا ہے۔ اور انسان کے
لیے بہت ہی دشوار ہے کہ مدتِ رضاعت کے اندر عورت سے رکا رہے۔ اور اگر اس وقت وطی
کرنا حرام ہوتا تو بہرحال یہ دین کا ایک مسئلہ تھا، اور ضرور تھا کہ اس کی وضاحت کی جاتی۔ اور
امت اور اصحاب خیر القرون اسے کبھی بھی خارج از بحث نہ خیال کرتے۔ نہ کسی نے اس کی
حرمت بیان کی ہے۔ پس معلوم ہوا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث بچہ کے لیے محض برنبائے
ارشاد و احتیاط ہے۔ عربوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی اولاد کو ماؤں کے علاوہ، دوسری عورتوں
سے دودھ پلوایا کرتے تھے اور اس سے منع کرنا محض ایسے اسباب کو بند کرنے کے مترادف ہے
کہ جن سے بچے کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اور سدِ ذرائع کا فائدہ جب کسی مصلحتِ راجح سے
ٹکراتا ہو، تو اس وقت اس کو مقدم سمجھتے ہیں۔

کئی بیویوں میں باری کی تقسیم

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: یہ سنت ہے کہ جب ایک آدمی ثیبہ کے بعد کنواری لڑکی سے شادی کرے۔ تو اس کے پاس سات روز رہے۔ اور پھر (ایام کو) تقسیم کر دے، اور جب ثیبہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین روز رہے پھر اس کے بعد تقسیم کر دے۔

ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم چاہو۔ تو کہو۔ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور یہ ہے وہ بات، جو ابو قلابہ رحمہ اللہ نے فرمائی اور جس کی صراحت حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کر دی۔ جیسا کہ مسند بزار رحمہ اللہ میں حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ اور انھوں نے ابو قلابہ رحمہ اللہ سے انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری کے لیے سات دن اور ثیبہ کے لیے تین دن مقرر فرمائے۔

اور سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری کے لیے سات دن اور ثیبہ کے لیے تین دن مقرر فرمائے۔

اور سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے اور عدل کرتے اور کہتے: اے اللہ یہ میری تقسیم ہے۔ جس کا میں مالک ہوں، اس کے لیے جس کا تو مالک ہے۔ اور میں اس کا مالک نہیں۔ یعنی "دل" اس کے متعلق مجھے ملامت نہ کرنا۔

سفر کی صورت میں قرعہ اندازی

اور صحیحین میں مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے

درمیان قرعہ ڈالتے۔ چنانچہ جس کا نام نکلتا۔ اسی کو ہمراہ لے جاتے۔

اور صحیحین میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ دونوں کا دن (حضرت عائشہؓ) کے لیے تقسیم فرماتے۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس قیام کے معاملہ میں ہمیں ایک دوسرے پر فضیلت نہ دیتے۔ اور شاذ ہی کوئی ایسا دن ہوتا۔ کہ آپؐ ہم سب کے پاس تشریف نہ لاتے۔ حتیٰ کہ باری والی بیوی کے پاس تشریف لے جاتے اور وہاں شب گزارتے۔

اور صحیح مسلمؒ میں ہے۔ کہ ازواج مطہراتؓ ہر رات وہاں جمع ہو جاتیں۔ جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شب گزارنی ہوتی۔

اپنے حق سے دست برداری صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے متعلق مروی ہے۔

وان امراۃ خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلاجناح علیهما ان یصلحا

یہ آیت ایک خاتون کے متعلق اتری۔ آپؐ اسے طلاق دینے کا ارادہ کر رہے تھے۔ تو وہ کہنے لگی مجھے طلاق نہ دیجئے۔ اور میرے اخراجات کے لیے آپؐ کو اختیار ہے۔ نیز میری باری بھی آپؐ (دوسری ازواج) میں تقسیم کر سکتے ہیں[1] تو یہی وہ معاملہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہوا۔ فلاجناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحاً والصلح خیر یعنی ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ کہ آپس میں صلح کر لیں صلح بہتر ہے۔

حضرت علی کا مسئلہ آپؐ کے خلیفہ راشد ابن عم علی بن ابی طالبؓ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ جب لونڈی کے بعد آزاد عورت سے نکاح کیا جائے تو لونڈی کے

---

[1] آیت کی یہ شان نزول ایک مختلف فیہ مسئلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

لیے ایک شب اور آزاد کے لیے دو راتوں کی تقسیم ہوگی۔ اور آپؐ کے خلفاءؓ کی قضا اگرچہ مرتبہ کے لحاظ سے آپؐ کے فیصلوں کے مساوی نہیں، لیکن بہرحال امت پر ان کا اتباع واجب ضرور ہے۔

امام احمد کا استدلال

امام احمدؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے استدلال بھی کیا ہے۔

نیز محبت کے لحاظ سے عورتوں میں مساوات قائم رکھنا واجب نہیں۔ کیونکہ یہ اختیاری چیز نہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی تمام ازواج مطہرات سے زیادہ محبوب تھیں۔ اسی سے یہ لیا گیا۔ کہ خلوت میں بھی عورتوں کے درمیان مساوات ضروری نہیں۔ کیونکہ۔ یہ چیز بھی محبت اور میلان طبعی پر موقوف ہے۔ اور یہ چیز مقلب القلوب ذات کے ہاتھ میں ہے۔

نیز جب سفر کا ارادہ کرے۔ تو بغیر قرعہ کے کسی ایک کو ساتھ لے جانے کی اجازت ہوگی۔ جبکہ دوسری عورتیں ہمراہ نہ ہوں۔ نیز جب واپس آئے تو باقی دونوں کے لیے فیصلہ کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ نہ فرماتے۔

اس مسئلہ میں تین مذاہب ہیں۔

ایک یہ کہ قرعہ کے ساتھ یا بغیر قرعہ کے فیصلہ نہ کرے۔ ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کا یہی قول ہے۔

دوسرے یہ کہ باقیوں کے لیے فیصلہ کرے۔ خواہ قرعہ سے یا بغیر قرعہ کے، یہ اہل ظاہر کا مذہب ہے۔

اور تیسرے یہ کہ اگر قرعہ ڈالا۔ تو فیصلہ نہ کرے، اور اگر قرعہ نہ ڈالا تو فیصلہ کرے یہ احمدؒ اور شافعیؒ کا قول ہے۔

نیز عورت کو حق حاصل ہے کہ اپنی باری دوسری سوکن کو دے دے۔ اس صورت میں شوہر موہوبہ کے علاوہ کسی اور کو یہ دن نہیں دے سکتا،

اور اگر وہ یہ باری خاوند کو ہبہ کر دے۔ تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ جسے چاہے دے

دے۔

نیز مرد کو حق حاصل ہے۔ کہ ایک ہی دن میں باقی دوسری بیویوں سے ملے جلے۔ لیکن جس کی باری ہے اس کے علاوہ خلوت نہ کرے۔

تمام بیویاں ایک بیوی کے ہاں جمع ہو سکتی ہیں

نیز باری والی عورت کے ہاں سب بیویوں کو جمع ہونے کی اجازت ہے اور یہ کہ وہ اس کے ساتھ سونے کے وقت تک بات چیت کریں، پھر ہر ایک اپنے گھر چلی جائے۔

نیز جب ایک مرد ایک عورت سے خلوت کرے۔ اور پھر وہ اس سے بیزار ہو جائے یا وہ اس کے ادائے حقوق سے عاجز آجائے۔ تو وہ اسے طلاق دینے کا مجاز ہے۔ اور اسے یہ بھی حق حاصل ہے۔ کہ اُسے اختیار دے دے۔ کہ چاہے تو اُس کے ٹھہری رہے۔ اور تقسیم خلوت اور نفقہ میں اس کا کچھ حصّہ نہ ہو۔ یا حسب مصالحت ان میں بعض سے محروم رہے جب رضامندی ہو گئی تو اب یہ واجب ہے۔

اور رضامندی کے بعد عورت کو مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔

یہ سنت کا موجب اور مقتضی ہے۔ اور یہی صائب ہے۔

نیز شادی شدہ باندی آزاد عورت سے نصف حق رکھتی ہے۔ جیسا کہ امیرالمومنین، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ اور صحابہ رضؓ میں اس کے متعلق اختلاف بھی نہیں۔ اور جمہور کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک کا مسلک

ہاں مالک رحؒ کی ایک روایت مروی ہے کہ یہ دونوں صورتیں مساوی ہیں۔ اور اہل ظاہر نے بھی یہی کہا ہے۔

اور جمہور کا قول عقل کا مقتضی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آزاد اور غلام میں مساوات نہیں بنائی۔ نہ طلاق میں نہ عدت میں، نہ حد میں نہ ملک و میراث میں نہ حج میں۔ نہ خاوند کے پاس دن رات رہنے میں۔ اور نہ اصل نکاح میں۔ بلکہ اس کا نکاح

ضرورت کے درجہ پر رکھا۔ اور تعداد منکوحات میں۔ کیونکہ غلام دو سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتا۔[1]

---

[1] اس جگہ ایک نازک فرق ہے اسے ملحوظ رکھنا چاہیے۔

بے شک نکاح، طلاق، میراث، عدّت، اور ملک و میراث میں آزاد اور غلام یکساں نہیں ہیں، لیکن اس عدم یکسانیت کو عدم مساوات قرار دینا بھی درست اور روا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عدم مساوات نہیں، بلکہ غلام کے مخصوص حالات اور مصالح، اور عذرات کی بنا پر ذمہ داریوں کفالت اور انجام دہی میں رعایت ہے، اس رعایت کو عدم مساوات کہنا غلط فہمیوں کا دروازہ کھولنا ہے۔

کنیز کی آزادی

کیا اس کا مہر قرار پا سکتی ہے؟

آں حضرتؐ اور حضرت صفیہ کا نکاح! از روئے روایت صحیحہ آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو مہر قرار دیا۔

حضرت انسؓ سے دریافت کیا گیا۔ کہ ان کا مہر کیا تھا؟

انھوں نے فرمایا: ان کی حریت وجود!

علیؓ بن ابی طالب بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اور انسؓ بن مالک نے اس پر عمل بھی کیا۔ تابعین میں سب سے بڑے عالم اور سردار حضرت سعید بن مسیبؒ۔ ابی سلمۃ بن عبدالرحمانؒ۔ حسن بصریؒ۔ زہریؒ۔ احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے کہ کنیز کی آزادی اس کا مہر اس وقت تک قرار نہیں پا سکتی، جب تک اس سے اذن لے کر یہ کام اتمام کو نہ پہنچے، اور اگر وہ باندی آزادی کو قبول کرنے سے انکار کردے۔ تو اس پر اس کی قیمت واجب ہو گی۔

صحتِ نکاح موقوف بر اجازت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضایا

لڑکی کو ردو قبول کا اختیار سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ ایک کنواری لڑکی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔

میرے والد نے میرا نکاح جبراً کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا۔ جی چاہے اس نکاح کو قائم رکھے جی چاہے رد کر دے۔

امام احمد سے جو نص مروی ہے، وہ اس حدیث کے مقتضا کے مطابق ہے، چنانچہ حسب روایت صالح انہوں نے اپنے چچا کے چھوٹے لڑکے کے بارے میں جس کی شادی بحالت نابالغی ان کے چچا نے کر دی تھی فرمایا ہے۔ کہ اگر کسی وقت بھی وہ (بعد بلوغ) راضی ہو گیا۔ تو جائز ہو گیا۔ اور اگر راضی نہ ہوا۔ تو نکاح فسخ ہو گیا۔

یتیمہ کو بعد بلوغ حق اختیار ہے نیز ان کے بیٹے عبداللہ نے ان سے نقل کیا ہے کہ یتیم عورت کا جب نکاح کیا جائے۔ تو جب وہ بالغ ہوگی تو اسے اختیار ہوگا کہ قبول کرلے یا رد کر دے، اسی طرح ابن منصورؒ نے ان سے نقل کیا ہے۔ ان کے سامنے سفیان کا قول پیش کیا گیا۔ کہ یتیم بچی کا نکاح ہو جائے۔ اور خاوند اس سے خلوت بھی کرلے اس کے بعد سے خاوند کے پاس حائضہ ہو جائے تو کہتے ہیں اسے اختیار دیا جائے گا، اگر اس نے اپنے تئیں اختیار کر لیا تو تزویج واقعہ نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرنے کی کسی دوسرے کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہے۔ اور اگر وہ کہے کہ میں نے اپنے خاوند کو اختیار کر لیا

تو ان دونوں کے نکاح پر دو گواہیاں ہونی چاہئیں۔ احمد کے نزدیک یہی درست ہے۔

آقا غلام کا نکاح فسخ کر سکتا ہے

غلام کے بارے میں حنبل کی ایک روایت ہے کہ فرمایا۔

اگر آقا کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح کر دیا جائے۔ پھر آقا کو اس کا علم ہو۔ تو آقا کو حق ہے، کہ طلاق واقع کر دے، کیونکہ طلاق درحقیقت آقا کا حق ہے، البتہ اگر آقا خود غلام کو نکاح کی اجازت دے دے۔ تو پھر طلاق غلام کے ہاتھ میں ہوگی۔

آقا کے حق طلاق واقع کرنے سے مراد یہ ہے کہ عقد باطل ہو جائے گا اور اس کی تنفیذ و اجازت رک جائے گی۔ قاضی نے اس کی تاویل اس طرح کی ہے جو بظاہر نص کے خلاف ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور مالکؒ کا مذہب یہی ہے۔ اور از روئے قیاس صحیح ہے۔

کفو کا مسئلہ

فقہا اور علماء کے اقوال اور اختلافی مباحث

قرآن و سنت کا مقتضاء اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یا یہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

یعنی اے لوگو، ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے۔ اور رکھا تمہیں ذاتیں اور قبیلے میں تاکہ متعارف ہو سکو، بلا شبہ عزت اللہ ہی کے ہاں اسی کو حاصل ہے جو زیادہ متقی ہو۔

نیز فرمایا، انما المؤمنون اخوۃ، یعنی بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

نیز فرمایا: والمؤمنون والمومنات بعضہم اولیاء بعض یعنی اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

اور فرمایا، فاستجاب لہم ربہم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ بعضکم من بعض، یعنی پس قبول کر لیا ان کے رب نے اُن کے لیے کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل مرد یا عورت کا ضائع نہ کروں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل ہے۔ نہ کسی سفید کو سیاہ پر، اور نہ سیاہ کو سفید پر، ہاں مگر تقوے سے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آل بن فلاں میرے دوست نہیں۔ میرے دوست تو

متقی لوگ ہیں۔ خواہ وہ کوئی ہوں۔ اور کہیں بھی ہوں۔

نکاح کی تائید

اور ترمذیؒ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ جب تمہارے پاس ایسا آدمی آئے جس کا دین اور اخلاق تمہیں پسند ہو، تو اس کا نکاح کر دو۔ اگر تم نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہو جائے گا۔

عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ۔ اور اگر اس میں یہ بات ہو؟

آپؐ نے فرمایا، جب تمہارے پاس وہ آدمی آئے جس کا دین واخلاق تمہیں پسند ہو۔ تو اس کا نکاح کر دو۔ یہ آپؐ نے تین بار فرمایا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی بیاضہ سے فرمایا: ابو ہند کا نکاح کر دو۔ اور یہ ابو ہند حجام (سنگیاں لگانے والے) تھے۔

عالی خاندان عرب عورتوں کی شادی کم نسب لوگوں سے

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش قریشیہ کا زید بن حارثہ اپنے غلام کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اور فاطمہؓ بنت قیس فہریہ کا اسامہؓ بن زید سے نکاح کر دیا۔ اور بلالؓ بن رباح کی شادی عبدالرحمانؓ بن عوف کی ہمشیرہ سے کر دی،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات، یعنی پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔

نیز فرمایا: فانکحوا ما طاب لکم من النساء　پس نکاح کرو جو عورتیں تمہیں خوش (اچھی) لگیں

کفو میں اصل اعتبار دین کا ہے

نکاح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتضائے احکام کے مطابق کفو میں بنیادی طور پر دین کا اعتبار ہے، چنانچہ مسلمہ کا نکاح کافر سے نہیں ہو سکتا، نہ کسی عفیفہ کا کسی فاجر شخص سے عقد ہو سکتا ہے۔ قرآن وسنت نے اس سے زیادہ کفو سے متعلق کوئی اور بات نہیں فرمائی۔ چنانچہ اس نے مسلمہ کی شادی ایک بدکار اور زانی شخص سے روا نہیں رکھی ہے، اور اس کے نسب اور پیشے کا اعتبار نہیں کیا ہے، نہ دولت و ثروت کا اعتبار رکھا ہے۔ چنانچہ کنگال غلام کا ایک اعلیٰ نسب والی دولت مند آزاد عورت سے

نکاح بالکل جائز ہے ۔ بشرطیکہ پاکباز مسلمان ہو ۔ اور غیر قریشی مرد، قریشی عورتوں سے نکاح کر سکتا ہیں ۔ اور غیر ہاشمی مرد کو ہاشمی عورتوں سے نکاح میں کوئی قباحت نہیں، نیز فقراء کو اجازت ہے کہ وہ دولت مند خواتین سے نکاح کر لیں، فقہاء نے کفو کے اوصاف میں اختلاف کیا ہے ۔

مالکؒ نے ظاہر مذہب میں فرمایا ہے (کفو) صرف دین میں ہے ۔ ایک روایت ان سے یہ بھی ہے کہ کفو تین باتوں میں ہے ۔

۱ ۔ دین ۔

۲ ۔ آزادی ۔

۳ ۔ اور عیوب سے سلامتی،

ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں ۔ کہ یہ نسب اور دین (دونوں) میں ہے ۔

امام احمدؒ سے ایک روایت میں ہے، کہ کفو دین میں اور خاص کر نسب میں ہے ۔

کفو کے امور معتبرہ خمسہ

انہی سے ایک دوسری روایت مروی ہے ۔ کہ کفو پانچ باتوں میں ہے ۔

۱ ۔ دین ۔

۲ ۔ نسب ۔

۳ ۔ حریت

۴ ۔ صنعت

۵ ۔ مال

اور جب نسب میں کفو کا اعتبار کیا جائے ۔ تو اس میں دو روایتیں ہیں ۔

ایک یہ کہ عرب ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں ۔ دوسرے یہ کہ قریشی صرف قریش کا، اور بنو ہاشم صرف بنو ہاشم کے لیے کفو ہوں گے ۔

اصحاب شافعی کا مسلک

اور اصحاب الشافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں دین، نسب، حریت صنعت اور نفرت انگیز عیوب سے سلامتی کا اعتبار کیا جائے گا ۔ اور ان کے نزدیک تین اور وجوہ ہیں ۔ اس کا اعتبار کرنا ۔ اسے کفو کر دینا اور بادیہ

کی بجائے مدن میں اس کا اعتبار کرتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک عجمی، عربی کا کفو نہ ہوگا۔ اور اور نہ غیر قرشی قرشی کا، اور نہ غیر ہاشمی ہاشمی کا کفو ہو سکتا ہے۔ نہ علماء و صلحا سے نسب رکھنے والوں کا کفو علماء و صلحا سے نسب نہ رکھنے والا ہو سکتا ہے، نہ غلام آزاد عورت کا کفو ہوگا، نہ نو آزاد پیدائشی حرہ کا کفو بن سکتا ہے۔ اور وہ آدمی کہ جس کے باپ دادا میں سے کوئی غلام رہا ہو۔ وہ اس کا کفو نہ ہوگا جس کی کوئی نسل غلام نہ رہی ہو۔

ماں کی طرف غلامی کی نسبت میں دو وجوہ ہیں۔

عدم کفو کے قابل فسخ اسباب

نیز ایسا آدمی جس میں کوئی قابل فسخ والا عیب ہو۔ ایسی عورت کا کفو قرار پا سکتا ہے، جو ان عیوب سے بری ہو۔

اور اگر قابل فسخ نہ ہو، مگر قابل نفرت ہو، جیسے اندھا پن عضو کا کٹا ہونا۔

اور پیدائش خرابی میں دو وجوہ ہیں۔ رویانی رح نے فرمایا ہے۔ کہ ایسا شخص کفو نہیں ہو سکتا۔ نیز حجام۔ جولاہا اور پہرے دار ایک تاجر، درزی وغیرہ کی بیٹی کا کفو نہیں بن سکتا۔ اور صاحب حرفت ایک عالم کی بیٹی کا اور فاسق ایک شریفہ عورت کا کفو نہیں بن سکتا۔ اور ایک بدعتی ایک اہل سنت عورت کا کفو نہیں بن سکتا۔ جمہور کے نزدیک کفاءت عورت اور اس کے ولی کا حق ہے۔

فسخ کا اختیار عورت کے ولی کو ہے

اختلاف کفو میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اصحاب شافعی رحمہ اللہ کے کفو کے سلسلہ میں فسخ نکاح کا اختیار عورت کے ولی کو ہے،

امام احمد کے نزدیک یہ حق جمیع اولیا کو حاصل ہے، خواہ وہ قریب کے ہوں یا بعید کے ان میں سے اگر ایک ولی بھی نا رضا مند ہو تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔

امام احمدؒ سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ کفو اللہ کا حق ہے، لہٰذا اس کے الفاظ پر ان کی رضا کا کوئی اثر مترتب نہیں ہوگا، لیکن اس روایت پر حریت کا اعتبار نہیں ہوگا،

ائمہ سے منسوب غلط باتیں

یہ قول نہ امام احمد کا ہے نہ علماء میں سے کسی اور کا کہ غریب آدمی کا دولت مند عورت سے نکاح باطل ہے، اگرچہ عورت

رضامند کیوں نہ ہو، احمدؒ نے یا کسی اور عالم نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ نکاح ہاشمیہ غیر ہاشمی سے، اور نکاح قرشیہ غیر قرشی سے باطل ہے۔

یہ بات ہم نے اس لیے واضح کردی کہ ہمارے اصحاب میں سے اکثر اس باب میں مختلف الآرا ہیں کہ کفارہ (کفو) آیا خدا کا حق ہے یا آدمی کا ؟[1]

---

[1] کفاءت یعنی کفو ہونے کے بارے میں آئمہ فقہ کے جو اقوال سطور بالا میں پیش کیے گئے ہیں۔ وہ صرف بحث کے اور نفس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے ہیں تاکہ ہر پہلو نظر کے سامنے آجائے، اور کوئی گوشہ فکر و نظر، اور نطق و کلام تشنہ نہ رہ جائے۔

ورنہ فقہ اسلامی کا مسلمہ مسلک یہ ہے کہ اگر بالغہ عورت اپنی مرضی اور پسند سے کسی مسلمان سے شادی کرلے تو وہ جائز ہے، لیکن اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرے، جو خاندانی اعتبار سے باعث ننگ ہو تو صرف باپ قاضی کے ہاں جاکر ایسا نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ فسخ نہ کرائے تو نکاح نافذ رہے گا۔ اور باپ کے سوا کسی دوسرے کو اس سلسلہ میں قاضی کے ہاں جاکر فسخ نکاح کی درخواست کرنے کا حق نہیں ہے

شادی شدہ غلام اور باندی

باندی اگر آزاد ہو جائے تو نکاح قائم رہیگا یا ختم ہو جائے گا

شوہر کی آزادی کا انتظار کیا جا سکتا ہے صحیحین اور سنن میں مروی ہے۔ کہ بریرہؓ نے اپنے آقا سے مکاتبت کر لی، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدد کی درخواست کے لیئے حاضر ہوئیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ اگر تیرا آقا اس پر رضا مند ہو کہ تیرا حق ولا مجھے حاصل ہو گا۔ تو میں مدد کے لیے تیار ہوں، وہ واپس اپنے آقا کے پاس آئیں، اس نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ولایت ہمیں حاصل رہے گی۔

ولا آزاد کرنے والے کا حق ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا۔ اسے خرید لو۔ اور ولا ان کے آقاؤں کے لیئے رہنے دو۔ کیونکہ ولا کا حق آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔

خلاف کتاب اللہ کوئی شرط قابل قبول نہیں پھر آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا:

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ ایسی شرائط لگاتے ہیں، جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ یاد رکھو جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، وہ شرط باطل ہے۔ اگرچہ سو شرائط ہوں اللہ کا فیصلہ زیادہ اتباع کے قابل ہے۔ اور اللہ کی شرط زیادہ پختہ اور محکم ہے۔ ولا صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

عورت شادی پر مجبور نہیں کی جا سکتی پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ، کو اختیار دیا۔ چاہیں تو اپنے

خاوند سے نکاح قائم رکھیں۔ مرضی ہو تو فسخ کر دیں۔ انھوں نے اپنے تئیں اختیار کر لیا، یعنی نکاح فسخ کر دیا۔

آپؐ نے فرمایا: وہ تمہارا خاوند ہے۔ اور تمہارے بچے کا باپ ہے۔

بریرہ نے کہا،

اے اللہ کے رسول کیا یہ آپؐ کا حکم ہے؟

آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ میں محض سفارش کر رہا ہوں۔

بریرہ نے کہا۔ مجھے اس کی سفارش کی ضرورت نہیں۔

آپؐ نے بریرہ کو حق خیار دیتے ہوئے فرمایا۔

" اگر اس نے تم سے مقاربت کر لی۔ تو پھر تمہارا حق خیار قائم نہیں رہے گا۔

بعد ازاں آپؐ نے بریرہ کو عدت گزارنے کا حکم دیا۔ اور بریرہ کو گوشت کا صدقہ دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔ اور فرمایا: یہ اس کے لیے صدقہ ہے ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

مسائل فقہیہ کا استنباط

فقہی طور پر حضرت بریرہؓ کے واقعہ میں،

۱۔ عورت کے لیے مکاتبت کر لینے کا جواز نکلتا ہے۔

۲۔ نیز یہ کہ مکاتب کی بیع جائز ہے۔ اگرچہ اس کا آقا عاجز نہ ہو۔ یہ امام احمدؒ کا مشہور مذہب ہے۔ اور ان کے اکثر نصوص اس پر دال ہیں۔

۳۔ اور ابی طالب سے مروی ہے کہ مکاتبہ عورت سے اس کا آقا مجامعت نہ کرے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اب وہ اسے فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ ابو حنیفہؒ۔ مالکؒ اور شافعیؒ نے یہی فرمایا ہے۔

۴۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی خریداور بریرہ کے آقا کی فروخت کو درست قرار دیا۔ اور یہ دریافت فرمایا۔ کہ آیا وہ عاجز ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان کا مدد کی درخواست کے لیے حاضر ہونا۔ اس بات کی دلیل نہیں۔ کہ وہ عاجز ہو گئی تھیں۔

۵۔ نیز اس واقعہ میں سکوں میں گنتی کے لحاظ سے معاملہ کرنا بھی جائز ہے۔ اگر اس کی مقدار

مختلف نہ ہو۔

۶۔ نیز اس میں یہ بھی ذکر ہوا۔ عقد کرنے والوں میں سے کسی کے لیئے جائز نہیں۔ کہ وہ دوسرے پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کوئی شرط عاید کر دے۔

۷۔ اور آپؐ کے اس فرمان کہ کتاب اللہ میں نہیں کا مطلب یہی ہے۔ کہ اللہ کے احکامات میں اس کا جواز نہیں۔ کہ قرآن میں اس کا ذکر اور اباحت نہیں۔

۸۔ اور آپؐ کا فرمان کہ کتاب اللہ زیادہ مستحق ہے اللہ کی شرط زیادہ اوثق ہے۔" اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

۹۔ اور جس نے ایسے عقد کو درست قرار دیا ہے، جس میں شرط فاسد بھی ہو، اس نے اسی سے استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ نزاعی ہے، اور وضاحت سے صائب پہلو ظاہر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس قول میں لوگوں کے لیے اشکال ہو گیا ہے، کہ "ان کے لیے ولا کی شرط لگا دو، کیونکہ ولا اسی کی ہوتی ہے۔ جو آزاد کرے۔" چنانچہ آپؐ نے (حضرت عائشہؓ) کو اس شرط (فاسد) کی اجازت دی۔ اور خبر دی۔ کہ یہ اس (آقا) کے لیے فائدہ مند نہ ہو گی۔

امام شافعیؒ کا مسلک

شافعیؒ نے اس لفظ میں طعن کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ عروۃ بن ہشام اس میں منفرد ہے، اور دوسرے نے اس کے خلاف کہا ہے۔

چنانچہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے رد کیا ہے۔ لیکن اصحاب صحیحین وغیرہ نے اس کی تخریج کی ہے۔ اور اس میں کوئی طعن نہیں کیا اور ہمارے علم کے مطابق شافعیؒ کے سوا کسی نے اسے معلول بھی نہیں قرار دیا۔

پھر اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا۔ کہ لام "علیٰ" کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے: ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلھا میں مطلب "فعلیھا" ہے جیسا اللہ تعالےٰ نے فرمایا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا اور ایک گروہ نے سیاق واقعہ اور موضوع کے باعث اس اعتذار کو رد کر دیا ہے۔

ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ لام اپنے معنی ہی میں ہے۔ لیکن حذف تقدیر کے ساتھ یعنی "اشترطی ام لا تشترطی" (شرط لگاؤ یا نہ لگاؤ) کیونکہ اشتراط سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ شرط

کتاب اللہ کے خلاف ہے۔

دوسروں نے اس عذر کو بھی رد کیا ہے کیونکہ بے دلیل انحصار لازم آتا ہے۔

آں حضرتؐ کا فرمان کہ ولا آزاد کرنے والے کے لیئے ہے

یہ عموم یہیں سے ہے۔ جس کے ثبوت کی ضرورت ہے۔ جو سائبہ کو آزاد کرے یا زکوٰۃ یا کفارہ یا عتق واجب میں کسی کو آزاد کرے۔ یہ شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے، دوسری روایت میں ان کا قول یہ ہے کہ اسے حق ولا نہیں۔ اور تیسری روایت یہ ہے کہ اس کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ مسلمان جب کسی ذمی غلام کو آزاد کرے، پھر وہ نو آزاد مر جائے۔ تو ولا کے باعث یہ وارث ہوگا۔ یہ عموم اس قول سے خاص ہے۔ کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ چنانچہ یا اس کی تخصیص کرتا ہے، یا تقلید کرتا ہے، شافعی و مالک اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ ولا کے باعث صرف اسی صورت میں وارث ہوگا۔ جس صورت میں کہ نو آزاد مسلمان ہو کر مرے۔ گویا ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آزاد کرنے والے کو حق ولا اس صورت میں ملے گا کہ نو آزاد مسلمان ہو چکا ہو، ورنہ نہیں۔

چند اور مسائل فقہی کا استنباط

اس واقعہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ ۱۔ منکوحہ لونڈی جب آزاد ہو جائے۔ اور اس کا خاوند غلام ہو۔ تو اسے حق خیار حاصل ہے۔ البتہ بریرہؓ کے خاوند میں اختلاف ہے، کہ وہ غلام تھا یا آزاد؟

قاسمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ غلام تھا۔ اور اگر وہ آزاد ہوتا، تو آپؐ بریرہ کو اختیار نہ دیتے۔

عروہؓ نے نقل کیا ہے کہ وہ آزاد تھا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ وہ حبشی غلام تھا۔ اسے مغیث کہا کرتے تھے۔ اور یہ بن فلاں کا غلام تھا۔ گویا میں اُسے ابھی دیکھ رہا ہوں۔ کہ مدینہ کی گلیوں میں وہ بریرہ کے پیچھے پھرا کرتا تھا۔

یہ تمام روایات صحیح میں ہیں۔

اور سنن ابی داؤد میں مروی ہے کہ وہ آلِ احمد کا غلام تھا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بریرہؓ) کو اختیار دیا اور فرمایا:

اگر وہ تیرے نزدیک گیا (قربت کی) تو پھر تجھے اختیار نہ ہوگا۔

اور مسند احمدؒ میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے۔ کہ بریرہؓ ایک غلام کی زوجیت میں تھیں۔ جب انہیں آزادی ملی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تجھے اختیار ہے۔ اگر چاہے تو اس غلام کی زوجیت میں رہ، اور اگر مرضی ہو تو اس سے الگ ہو جا۔

آزادی کے بعد باندی کو حق خیار حاصل ہے

فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب باندی کو آزادی ملے۔ اور اس کا خاوند غلام ہو۔ تو اسے حق خیار حاصل ہے۔

لیکن جب (خاوند) آزاد ہو۔ تو اس میں اختلاف ہے شافعیؒ اور مالکؒ۔ امام احمدؒ ایک روایت میں فرماتے ہیں۔ کہ اسے کوئی اختیار نہیں، امام احمدؒ نے ایک روایت میں فرمایا ہے، کہ اسے اختیار ہے۔ اور یہ دونوں روایات اس بات پر مبنی نہیں ہیں۔ کہ اس کا خاوند غلام یا آزاد ہو، بلکہ اسے اختیار حاصل ہو جانے کی تحقیق میں ہے۔

اور فقہاء کے اس باب میں تین ماخذ ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اس طرح کفو زائل ہو جاتی ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ عتق کے باعث خاوند کو تیسری طلاق کا حق حاصل ہو گیا۔ جو عقد کے وقت نہ تھا۔ اور یہ ابو حنیفہ رحؒ کے اصحابؒ کا ماخذ ہے، اور اسی اصل پر انہوں نے کہا ہے کہ طلاق کا اعتبار عورتوں کے ساتھ ہے، مردوں کی (حالت) کے ساتھ نہیں۔

۳۔ تیسرے اس کی ملکیت اپنے نفس پر!

اور ہم اس کے متعلق مزید وضاحت کریں گے، پہلا ماخذ ہے ناقص کے تحت کامل کا ہونا، تو یہ دوامی طور پر کفو کے اعتبار کرنے کی طرف راجع ہے، جیسے ابتداء میں تھا۔ اب اگر یہ زائل ہو جائے، تو عورت کو حق خیار حاصل ہے، بالکل اسی طرح جیسے مرد کی عدم کفو ظاہر ہونے کے بعد

عورت کو اختیار حاصل ہے۔ لیکن یہ قول دو وجوہ سے ضعیف ہے۔

ایک یہ کہ شرائط کفو دوامی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اور نہ انھیں مستمر سمجھا جا سکتا ہے۔ اور عقد میں ان کے توابع کو بھی دوام نہیں بخشا جا سکتا۔

دوسرے خاوند کی فسق و فجور کے باعث اگر دورانِ نکاح میں کفو زائل ہو جائے، یا موجب فسخ عیب آ جائے، تو بھی ظاہر مذہب کے مطابق عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا۔ اور فقہا کا، نیز مالک رح کا یہی اختیار و مذہب ہے۔

اور قاضی نے نئے عیب پر اختیار ثابت کیا ہے۔ اور خاوند کے فسق کے حدوث پر اس کا ثبات مستلزم ہے۔

شافعی رح فرماتے ہیں، اگر خاوند میں یہ نیا پیدا ہوا ہے تو اختیار ثابت ہو گیا، اور اگر زوجہ میں ہے۔ تو اس کے بارے میں دو قول ہیں۔

رہا دوسرا ماخذ کہ عورت کے عتق نے خاوند کو تیسری طلاق کا مالک بنا دیا۔ تو یہ ازحد ضعیف ماخذ ہے، تیسری طلاق کے ثبوت اور عورت کے اختیار کے ثبوت میں کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟

باقی تیسرا ماخذ یعنی یہ کہ اب وہ عورت اپنے نفس کی مالک ہے، یہ سب سے زیادہ قابل ترجیح ماخذ ہے اور اصولِ شرع کے سب سے زیادہ قریب اور تناقض سے بعید تر ہے۔ اور اس ماخذ کی لم یہ ہے کہ آقا جب اس کا ہر اعتبار سے مالک تھا۔ اس نے حکم ملک کے ذریعہ اس کا عقد کیا تھا۔ اور عتق اس بات کا متقاضی ہے کہ تملیک رقبہ و منافع آزاد کنندہ کے لیے ہو۔ اور عتق سے مقصود اور حکمت یہی ہے۔ اب جب وہ اپنے آپ کی مالک ہو گئی، تو اپنی ہر حیثیت اور منافع کی بھی مالک قرار پائے گی اور منافع "بضع" (حق تمتع) بھی اس میں شامل ہے۔ تو (خاوند) محض اس کے اختیار سے ہی ان چیزوں کا مالک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شارع علیہ السلام نے عورت کو اختیار دیا۔ چاہے تو اپنے خاوند کے ساتھ رہے۔ اور چاہے تو نکاح فسخ کر دے۔ کیونکہ وہ اپنی بضع (تمتع کرانے) کے اختیار کی مالک بن چکی ہے۔

فسخ کے بعد مجامعت سے حق خیار ساقط ہو جاتا ہے

اور بعض طرق میں حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا کے متعلق آیا ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

تو اب اپنی خود مالک ہوگئی۔ اس لیئے جو چاہے اختیار کرلے۔ (تجھے اختیار ہے بقائے نکاح یا فسخ نکاح کا)

امام احمدؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کہ جب باندی کو آزاد کردیا جائے۔ تو اسے حق خیار حاصل ہے، بشرطیکہ اُس سے جماع نہ کیا جائے، وہ چاہے تو جدا ہو جائے، لیکن اگر (عتق کے بعد شوہر نے) مجامعت کرلی۔ تو اب اُسے کوئی اختیار باقی نہیں رہا۔ اور نہ وہ جدا ہوسکتی ہے؛

اور اس سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ جب وہ جماع بہ رضامندی نہ کرالے، تب تک اسے اختیار رہتا ہے، اور یہ مالکؒ۔ ابو حنیفہؒ، احمدؒ کا مذہب ہے۔

امام شافعی کے تین اقوال

امام شافعیؒ سے تین اقوال مروی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ دوسرا یہ کہ فوراً ہی فیصلہ کرلے۔ تیسرا یہ کہ اسے تین روز تک اختیار حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ جماع کرنے کی شوہر کو اجازت دے گی، تو اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا۔ اور یہ جب ہوگا، کہ اُسے آزاد ہو جانے اور اختیار کا حق ثابت ہو جانے کا علم ہو چکا ہو، اور اگر وہ دونوں سے ناواقف ہے تو محض جماع کرانے سے حق خیار ساقط نہ ہوگا۔

اور امام احمدؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ملک فسخ ہوتے ہوئے اس کا جہل دشوار ہے بلکہ جب اسے عتق کا علم ہوگیا اور پھر اس نے جماع کرانے کا موقع دیا۔ تو اس کا اختیار ساقط ہوگیا۔ اگرچہ اسے اس مسئلہ کا علم نہ ہو کہ اُسے فسخ کا حق حاصل ہے۔

پہلی روایت اصح ہے، کیونکہ عتق زوج اختیار سے قبل کی بات ہوتی ہے۔

آزاد شوہر کی بیوی آزاد ہونے کے بعد حق خیار نہیں رکھتی

اور ہم کہتے ہیں کہ آزاد کی زوجیت میں آزاد ہونے والی کا اختیار باطل ہوگیا، کیونکہ اسے خاوند کے ساتھ مساوات اور فسخ سے قبل کفو میں

برابری حاصل ہے اور مدت طلاق میں اس کا اختیار صحیح ہے، کیونکہ اس زمانہ میں اس کا اختیار ایک محال تفریق کی جانب راجع ہے، چنانچہ جب رجوع ہوگا، تو اسی وقت حق ہے کہ وہ اسے اختیار کرے اور اس کے ہمراہ رہائش رکھے، کیونکہ وہ اب اس کی بیوی بن چکی ہے، اختیار کا عمل اس کا ذاتی عمل ہے، اور اس کا اثر مرتب ہو چکا۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب خلوت کے بعد لونڈی کا خاوند مرتد ہو جائے، پھر اس کے زمانہ ارتداد میں اسے آزادی مل جائے، تو پہلے قول کے مطابق (لونڈی) کو اس کے مسلمان ہونے سے قبل اختیار حاصل ہے۔ اب اگر اس نے اُسے اختیار کیا۔ پھر وہ اسلام لے آیا۔ تو اس کی ملکیت فسخ (اختیار) ساقط ہو گئی۔

اور امام شافعی کے قول کے مطابق اس کے اسلام لانے سے قبل اس کا حق خیار درست نہیں۔ کیونکہ عقد باطل کی طرف راجع ہے۔ جب وہ اسلام لے آیا۔ تب اس کا اختیار صحیح ہوا۔

بریرہ کے سوال اور آپؐ کے جواب سے احکام مستنبط

بریرہ کا یہ سوال کہ آیا یہ آپؐ کا حکم ہے؟ اور آپؐ کا جواب کہ نہیں میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں، پھر بریرہ کا کہنا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، اس سے یہ احکام ملتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ آپؐ کا حکم وجوب کے لیے ہے، اسی وجہ سے آپؐ نے امر اور شفاعت میں فرق فرمایا۔ اور کوئی شبہ نہیں۔ کہ آپؐ کی شفاعت قبول کرنا بھی تمام مستحبات سے بڑا استحباب ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ کے انکار پر برا نہیں منایا اور نہ ہی آپؐ برہم ہوئے جب انھوں نے آپؐ کی شفاعت قبول نہیں۔ کیونکہ شفاعت میں مشفوع کا حق ساقط کیا جاتا ہے۔ اور یہ اس کی مرضی ہے، چاہے اس سے دستبردار ہو جائے، اور چاہے تو اسے باقی رکھے۔ یہی وجہ ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نہ ماننا حرام نہیں۔ البتہ آپؐ کے حکم کا نہ ماننا حرام ہے۔

اپنا صدقہ، نہ خریدا جا سکتا ہے نہ ہدیہ لیا جا سکتا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بریرہؓ کو صدقہ میں آئے گئے

گوشت کا تناول فرمانا اور ارشاد کرنا کہ یہ اس کے لیے صدقہ، ہمارے لیے ہدیہ، اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص بے نیاز اور غنی ہو، یا بنو ہاشم میں سے ہو وہ ایسے صدقہ کو ہدیہ کے طور پر کھا سکتا ہے۔

اور ہر وہ آدمی جس پر صدقہ کھانا حرام ہے، اگر فقیر اپنا صدقہ ہدیہ کے طور پر پیش کرے تو اختلاف جہت ماکول کے باعث کہ وہ اپنے صحیح محل پر پہنچ چکا ہے، وہ اسے خرید بھی سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خود اس کا اپنا صدقہ نہ ہو، اور اگر اپنا صدقہ ہو تو اسے خریدنا، یا ہبہ لینا یا اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا صدقہ خریدنے کی ممانعت فرمائی تھی، اسے مت خریدو اگرچہ وہ تمہیں ایک ہی درہم میں دے دے!

مہر اور اس کی قلت و کثرت

ہر دو صورتوں میں نکاح جائز اور نافذ رہے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ تھا، لیکن پھر پانچ سو اوقیہ تک پہنچ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

میں نہیں جانتا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی بارہ اوقیہ سے زیادہ پہ نکاح کیا ہو، یا کسی بیٹی کا نکاح (اس سے زیادہ) مہر پر کیا ہو۔

ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

ایک معمولی انگشتری بھی مہر بن سکتی ہے

صحیح بخاریؒ میں حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا۔

نکاح کر لو۔ چاہے ایک لوہے کی انگوٹھی (مہر) پر ہی کیوں نہ کرو۔

اور سنن ابی داودؒ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے مہر میں مٹھی بھر ستو یا کھجوریں (مہر میں) دیں۔ اس نے حلال کام کیا۔

ترمذیؒ میں ہے۔ بنی فزارۃ کی ایک عورت نے ایک جوڑا جوتوں پر نکاح کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا! کیا تو اس پر رضامند ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی، ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مسند امام احمدؒ میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے: کہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں دشواریوں کو آسان بنایا گیا ہو۔

قرآن سکھانا بھی مہر بن سکتا ہے

صحیحین میں ہے۔ کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول۔ میں اپنے تئیں آپؐ کو ہبہ کرتی ہوں! پھر وہ طویل قامت عورت کھڑی ہوگئی۔

ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اگر آپؐ کو اس کی حاجت نہ ہو، تو اس کا مجھ سے نکاح کر دیجئے۔

آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے جو تم مہر میں دے سکو؟

اس نے عرض کیا میرے پاس صرف یہ میرا تہ بند ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اسے تہ بند دے دو گے۔ تو اس کے بغیر رہو گے۔ اس لیے کسی اور چیز کی جستجو کرو۔

اس نے عرض کیا میرے پاس اس تہ بند کے سوا اور کچھ نہیں۔

آپ نے فرمایا: تلاش کرو اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی کیوں نہ ہو۔ اس نے کوشش کی لیکن کچھ نہ ملا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟

اس نے عرض کیا، فلاں فلاں سورت مجھے حفظ ہے پھر اس نے سورتوں کا نام لیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے پاس جو حصہ قرآن ہے۔ اسی میں تیرا اس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہوں۔

قبول اسلام کی شرط بھی مہر بن سکتی ہے۔

اور نسائی رحمہ میں ہے، کہ ابوطلحہؓ نے ام سلیمؓ کو پیغام نکاح بھیجا، انہوں نے جواب دیا، اے ابوطلحہؓ تم جیسے شخص کو مسترد نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ تم کافر ہو اور میں مسلمان عورت ہوں۔ میرا تم سے نکاح حلال نہیں۔ اگر مسلمان ہو جاؤ تو یہی میرا مہر ہے میں اس کے سوا تم سے اور کچھ طلب نہ کروں گی۔ وہ اسلام لے آئے۔ اور یہی ان کا مہر

قرار پایا۔

حضرت ثابتؓ فرماتے ہیں، ہم نے کوئی ایسی عورت ایسی نہیں سنی۔ کہ جس کا اس قدر اعلیٰ اور قیمتی مہر ہو، جیسا ام سلیمؓ کا تھا۔ چنانچہ وہ ان کی زوجیت میں آئیں، اور ان کے ہاں بچے ہوئے۔

حدیث سے احکام و مسائل مستنبط

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ مہر کے قلیل ہونے کی کوئی معین مقدار نہیں۔ اگرچہ ستو کی ایک مٹھی، لوہے کی ایک انگوٹھی اور ایک جوڑ جوتے ہی ہوں۔ ان سب کو مہر قرار دینا جائز ہے، اور زوجہ اس سے حلال ہو جاتی ہے۔

۲۔ نیز یہ حدیث اس کی متضمن ہے کہ نکاح میں ازحد زیادتی مہر مکروہ ہے، اور اس سے برکت کم ہو جاتی ہے۔

۳۔ نیز یہ کہ عورت جب خاوند کے علم اور حفظ قرآن سے واقف ہو جائے۔ یا اس کے بعض حصّہ کا۔ تو اسے مہر قرار دینا جائز ہے، اور یہ تمام مہروں سے زیادہ افضل۔ اعلےٰ اور نافع ہے۔

۴۔ بعض کا اس میں اختلاف ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ مہر صرف مال ہی کی صورت میں ہونا چاہیئے۔ اور دوسرے منافع و علوم اور تعلیم کو مہر قرار دینا درست نہیں، ابو حنیفہؒ اور احمدؒ کا یہی قول ہے۔

۵۔ بعض کا کہنا یہ ہے، کہ مہر تین درہم سے کم نہ ہونا چاہیئے، امام مالکؒ کا خیال یہی ہے۔ اور دس درہم بھی ہے جو ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اور اس میں دیگر شاذ اقوال بھی مروی ہیں، لیکن ان پر کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے کوئی دلیل نہیں۔

اور جس نے ان احادیث کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے تخصیص کا دعوے کیا ہے۔ یا انہیں منسوخ مانا ہے، یا عمل اہل مدینہ کو ان کے خلاف بتایا ہے۔ یہ دعویٰ قطعاً اور یکسر بلا دلیل ہے۔

۶۔ اہل مدینہ کے سردار حضرت سعیدؒ بن مسیّب (تابعی) نے اپنی بیٹی کا دو درہم مہر پر

نکاح کیا، اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی، بلکہ اسے ان کے فضائل و مناقب کا ایک حصّہ سمجھا۔ اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے پانچ درہم پر نکاح کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی منظوری دی۔ اور مقدار کے ثبوت کے لیے صاحب شریعت کی جانب سے کوئی دلیل ضروری ہے۔

زوجین میں سے کسی کا جذامی، مبروص اور مجنوں ہونا

فسخ نکاح کا موجب بہ شرائط بن سکتا ہے

[redacted]امرد کے نکاح کا مسئلہ مسند احمدؒ میں یزید بن کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی غفار کی ایک عورت سے نکاح کیا۔ لیکن اس کی بغل میں برص کا اثر دیکھ کر، اس سے علیحدگی اختیار کر لی، لیکن جو کچھ اس نے اسے دیا تھا، واپس نہیں لیا۔

موطا امام مالکؒ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: جس عورت کو کسی مجنون، جذامی، یا مبروص کی بیوی از راہ فریب بنا دیا جائے، تو وہ مہر کی حقدار ہے، (پھر جدائی کرا دی جائے گی) اور مرد کا مہر اس پر ہوتا ہے جو دھوکہ دے۔ اس روایت کے دوسرے لفظ یہ ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مبروص، جذامی اور مجنون عورت کے متعلق فرمایا: ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے، اور اس کے مس کرنے کے باعث مہر واجب ہوگا۔ اور وہ اس عورت کے ولی پر لازم ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اور سعید بن منصورؒ نے نقل کیا ہے، کہ ہمیں ہیثم نے بتایا۔ انہیں عبداللہ بن عون نے ابن سیرینؒ سے روایت کی، کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کسی جگہ بھیجا، وہاں اس نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ [redacted] نامرد تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے اسے بتایا تھا کہ میں نامرد ہوں۔ اس نے عرض کیا [redacted] نہیں۔

راوی بتلاتے ہیں کہ وہ چلا اور جاکر اس (عورت) کو خبر کر دی، پھر اُسے اختیار دیا، اور مجنون کو ایک سال کی مہلت ہے، اگر اسے آفاقہ ہو جائے، تو ٹھیک ورنہ اس کے اور عورت کے درمیان جدائی کردی جائے گی۔

فقہا کے اقوال مختلفہ

لیکن فقہا کا اس میں اختلاف ہے۔ داؤدؒ ابن حزم اور ان کے موافقین نے فرمایا ہے۔ کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ نہ ہوگا۔

ابو حنیفہ رح کا قول ہے کہ نکاح نامردی کے باعث فسخ ہوگا۔

امام شافعیؒ اور مالکؒ نے فرمایا ہے: جنون۔ برص۔ جذام۔ شرمگاہ اور منہ کی بدبو۔ پیشاب گاہ کے انخراق۔ شرمگاہ میں سیلان اور قروح عیالہ (بہنے والے زخم) بواسیر۔ ناسور، استحاضہ۔ سلسل بول۔ خصی یعنی خصیتین کے مقطوع ہونے اور سل کی امراض میں نکاح فسخ ہو جائے گا۔ یا درج کی حالت یعنی ایسی حالت میں جبکہ مرد عورت کا تعین اگر نامشکل ہو یعنی خنثیٰ مشکل ہو، یا ان ساتوں عیوب میں سے کوئی عیب ہو۔

عیوب منفرہ کی صورت میں حق خیار حاصل ہے

اور عقد کے بعد اگر کوئی عیب پیدا ہو جائے، تو اس کے متعلق دو وجوہ ہیں۔

اور مطلق طور پر نکاح کر لینے کا مطلب سلامتی کا ہوتا ہے۔ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ اور وہ بچے پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو چاہیئے کہ عورت کو بتا دے میں نامرد ہوں۔ اور اسے اختیار دے (کہ چاہے تو جدا ہو جائے

قیاس یہی کہتا ہے کہ ہر وہ عیب جس کی وجہ سے فریق ثانی متنفر ہو جائے۔ اور مودت و محبت یعنی نکاح کا مقصود حاصل نہ ہو۔ تو اس صورت میں اختیار دینا واجب ہے۔ اور یہ اختیار بیع سے زیادہ اولیٰ ہے، جیسے نکاح کے وقت کی طے شدہ شرائط ایفاء شرائط بیع سے زیادہ واجب ہے۔ اور اللہ و اس کے رسول نے کبھی بھی دھوکہ دہی کو واجب قرار نہیں دیا۔ اور جو شخص مقاصد شریعت اور ان کے علل و حکمت کا مطالعہ کرے گا، اور ان

مشتمل مصالح پر غور کرے گا۔ اس پر اس قول کی ترجیح اور قرب الی الشریعت مخفی نہ رہے گا۔

یحیٰی بنؒ سعید انصاری نے حضرت ابن مسیبؒ سے روایت کیا: کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا! جو عورت نکاح کرے اور اُسے جنون یا جذام یا برص ہو، اور مرد نے خلوت کرلی، پھر اُسے اس کی خبر ہوئی، تو عورت کو جماع کے باعث مہر لینے کا حق ہے۔ اور ولی پر واجب ہے کہ وہ اُسے مہر ادا کرے۔ کیونکہ وہ فریب کار ہے، لیکن بعض اسے اس بنا پر رد کرتے ہیں کہ ابن مسیبؒ نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی، لیکن یہ تمام محدثین کے اجماع کے خلاف ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں، کہ اگر سعید مسیب کی روایت حضرت عمرؓ سے قبول نہ کریں گے، تو کس کی روایت قبول کی جائے گی؟ حالانکہ جمہور ائمہ اسلام حضرت سعید مسیب کی روایت جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قبول کرتے ہیں، تو حضرت عمرؓ سے کیوں قبول نہ کریں گے۔؟

اور صورت حال یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسا شخص حضرت سعید کے پاس پیغام بھیج کر حضرت عمرؓ کے فیصلوں کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا، اور اس پر فتویٰ دیتا تھا، اور اہل عصر اور ان کے بعد کسی نے بھی ان پر طعن نہیں کیا۔

حضرت علی کا فیصلہ

حضرت شعبیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ جو عورت نکاح کرے، اور اُسے برص یا جنون یا جذام ہو۔ تو اس کے خاوند کو اختیار ہے، جب تک مَس نہ کرے۔ چاہے تو روک لے اور چاہے تو طلاق دیدے۔ اور اگر اس نے مس کر لیا (مجامعت کرلی) تو خلوت کر چکنے کے باعث اُسے مہر کا حق حاصل ہوگا۔

اور وکیعؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ سے انھوں نے حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے، انھوں نے سعیدؒ بن مسیب سے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب مبروص یا اندھی عورت سے کوئی نکاح کرے۔ اور اس سے خلوت بھی کرلے۔ تو اسے مہر کا حق حاصل ہے۔ اور دھوکہ دینے والے سے مہر وصول کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان گذشتہ عیوب کو تخصیص و حصر کی بنا پر ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح قاضی اسلام شریح کا فیصلہ ہے۔ جن کے علم دین کی مثال پیش کی جاتی

ہے۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں۔ (کہ ہمیں) معمرؒ سے انہیں ایوب سے، انہیں ابن سیرین سے روایت ملی، کہ ایک آدمی مقدمہ لے کر قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں گیا اور عرض کیا۔ کہ ان لوگوں نے مجھ سے کہا۔ کہ ہم تیرا حسین ترین عورت کے ساتھ نکاح کر دیتے ہیں، چنانچہ ایک نابینا عورت کو لے کر آئے تو قاضی شریحؒ نے فرمایا؛ اگر تیرے ساتھ کسی عیب کے باعث فریب ہوا ہے تو یہ جائز نہیں۔

اس فیصلہ پر غور کیجیے، ان کا قول اگر تیرے ساتھ کسی عیب کے باعث فریب ہوا، کس طرح اس بات کا متقاضی ہے۔ کہ عورت جس عیب میں تدلیس کرے۔ تو خاوند کو رد کرنے کا حق حاصل ہے۔

اور زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہر مرض نامرغوب کے باعث نکاح رد ہو جائے گا۔ اور جو بھی صحابہؓ اور سلفؒ کے فتاویٰ پر غور کرے گا۔ وہ سمجھ لے گا۔ کہ انھوں نے کسی خاص عیب کو رد کے لیے مخصوص نہیں کیا تھا۔

حضرت ابن عباس کا مسلک

اور حضرت ابن عباسؓ سے سند متصل کے ساتھ مروی ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت ہو گا جب خاوند نے مطلق طور پر نکاح کیا ہو، یا جب اس نے سلامتی یا حسن کی شرط لگائی ہو، اور اس کی بد صورتی ظاہر ہو جائے، یا نوجوان اور کم سن ہونے کی شرط لگائی ہو، لیکن وہ بڑھیا نکلے۔ یا سفید فام ہونے کی شرط لگائی۔ اور کالی نکلی، یا کنواری ہونے کی شرط لگائی اور ثیبہ نکلی، تو ان تمام صورتوں میں مرد کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ اگر یہ معاملہ خلوت سے قبل ہوا۔ تو کوئی مہر نہ ہو گا۔ اور اگر خلوت کے بعد ظاہر ہوا۔ تو عورت کو مہر کا حق حاصل ہو گا۔ اور یہ تاوان ولی پر ڈالا جائے گا۔ اگر اس نے دھوکہ دیا ہے۔ اور اگر خود عورت نے دھوکہ دیا ہے، تو مہر ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر اس کا مہر پر قبضہ ہو چکا ہے تو مرد اس سے واپس لے گا۔

آنے والے شوہر کے عیوب کا افشا کیا جا سکتا ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا۔ جب

انھوں نے امیر معاویہ یا ابی جہم سے نکاح کرنے کا مشورہ کیا تھا کہ معاویہؓ کنگال ہے اس کے پاس کچھ نہیں اور ابو جہمؓ کاندھوں سے لاٹھی نہیں اتارتا۔ اس سے معلوم ہوا، کہ نکاح میں عیب کا ظاہر کردینا اولیٰ اور واجب ہے، پھر اس کو پوشیدہ رکھنا اور تدلیس کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ اور غش (دھوکہ) توحرام ہے۔ اور علی کو شدت تنفر کے باعث دھوکہ دینے والے کے گردن پر لازم بتایا۔ خصوصاً جب سلامتی کی شرط موجود ہو۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوا۔ کہ شریعت کے قواعد و احکام اس کے خلاف ہیں۔

سلامتی عیوب کی شرط کے بعد عیب پایا جائے تو نکاح باطل ہے

ابو محمد بن حزم رح اس طرف گئے ہیں

کہ جب خاوند عیوب سے سلامت ہونے کی شرط لگا دے۔ اور پھر کوئی سا بھی عیب دیکھ لے تو نکاح بالکل ہی باطل ہے۔ عقد ہی نہیں ہوا، اور نہ اس کا اس میں اختیار یا اجازت یا نفقہ یا میراث ہوگا۔

بیوی پر شوہر کا حق

بیوی سے کون کون سی خدمتیں لی جا سکتی ہیں؟

اہم مباحث فقہیہ

ابن حبیب نے "ابو لضحہ" میں فرمایا ہے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ رسالت مآب کی خدمت میں شکایت کناں حاضر ہوئے جو خدمت باہمی کے بارے میں تھی۔ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا امور خانہ داری کی خدمت بجا لائیں۔ اور حضرت علی جو بیرون خانہ سے متعلق ہوں انھیں انجام دیا کریں۔

ابن حبیب کہتے ہیں خدمت باطنہ یعنی امور خانہ داری سے مراد ہے، آٹا گوندھنا۔ کھانا پکانا، بستر بچھانا، گھر صاف کرنا، پانی بھرنا، غرض گھر کے جملہ کام۔

حضرت فاطمہ اور حضرت علی کا معاملہ

اور صحیحین میں ہے کہ فاطمہ رض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور چکی چلانے کے باعث تکلیف کی شکایت کرتے ہوئے خادم کی درخواست کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر انھوں نے یہ بات حضرت عائشہ رض سے کہی، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے آپ کو اس بات کی خبر دی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم بستر میں گھس چکے تھے۔ آپ کو دیکھ کر ہم اٹھنے لگے۔

آپ نے فرمایا۔ اپنی جگہ رہو۔ چنانچہ آپ تشریف لائے، اور ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔ حتی کہ میں نے اپنے پیٹ پر آپ کے قدم مبارک کی برودت محسوس کی۔ آپ نے فرمایا کیا میں تمھیں

بات بتاؤں جو اُس سے بہتر ہے۔ جیسے تم نے طلب کیا ہے ؟ جب تم بستر پر چلے جاؤ تو ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھو۔ اور ۳۳ بار الحمد للہ پڑھو اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھو۔ یہ بات تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے اب تک اسے ترک نہیں کیا۔ حتیٰ کہ شب جنگ صفین میں بھی نہیں، !

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا واقعہ

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

میں حضرت زبیرؓ کے گھر تمام خدمات سرانجام دیتی تھی۔ ان کا گھوڑا تھا، جس کی مالش اور دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس کے لیے تمام انتظامات کرتی، اور اس کا خیال رکھتی تھی، نیز ان سے صحیح روایت میں مروی ہے کہ اسماء ان کے گھوڑے کو چارہ دیتیں، پانی پلاتیں۔ ڈول کھینچتیں۔ آٹا گوندھتیں۔ اور تین فرسخ کی مسافت سے گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں۔

خاوند کی خدمت مستحسن ہے واجب نہیں،

فقہاء کو اس مسئلے میں مختلف رائیں ہیں۔ چنانچہ سلف اور خلف کے ایک گروہ نے اس کام کو بھی مصالح خانہ میں واجب قرار دیا ہے۔

ابو ثورؒ فرماتے ہیں۔ کہ بیوی پر ہر بات میں خاوند کی خدمت ہے۔ مگر دوسرے گروہ نے اس معاملہ میں خاوند کی خدمت کے وجوب کا انکار کیا ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ اور ابو حنیفہ اسی طرف گئے ہیں۔ اہل ظاہر کا کہنا یہ ہے، کہ عقد نکاح استمتاع کا متقاضی ہے استخدام اور بذل منافع کا نہیں، اور ان کا قول یہ ہے کہ احادیث مذکورہ کا مطلب صرف اخلاق حسنہ اور تطوع ہے ان سے شوہر کی خدمت کا وجوب نہیں ثابت ہوتا۔

اور جو لوگ بیوی پر شوہر کی خدمت واجب مانتے ہیں، ان کی بنائے استدلال یہ ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام مبین میں انہیں مخاطب فرمایا ہے، اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے اعتبار سے عورت کے لیے خاوند کی خدمت، گھر کی صفائی، آٹا پیسنا، چکی چلانا (کپڑے)، دھونا بستر بچھانا اور گھر کی جملہ خدمات مکمل کرنا شامل ہے۔ کیا اس کا انکار کیا جا سکتا ہے ؟ وہ بھی

اس صورت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف یعنی عورتوں پر اس قدر (خدمت) واجب ہے جو بہ طریق معروف ہو۔

نیز فرمایا۔ الرجال قوامون علی النساء ترجمہ: مرد عورتوں کے سردھرے ہیں۔

پس جب عورت مرد کی خدمت نہ کرے گی۔ بلکہ (مرد) خادم ہوگا۔ تو عورت مرد پر حکمران اور قوام بن جائے گی۔ نیز مہر کی رقم کا مقصد بضع سے (تمتع) ہے،

عقود مطلق عرف عام پر مرفوع پذیر ہوتے ہیں

چنانچہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے اپنی حاجت روائی کرتا ہے، اسی لیے اللہ تعالےٰ نے (مرد) پر (عورت) کا نفقہ، لباس اور جائے رہائش، استمتاع اور خدمت کے عوض واجب کیا ہے، جو حسب عرف، و رواج معمول میں داخل ہو۔ کیونکہ عقود مطلقہ عرف عام کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور عرف میں عورت کا خدمت کرنا اور گھر کے تمام اندرونی مصالح سرانجام دینا داخل ہے۔

اور یہ قول کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماءؓ محض احسان اور تبرع (رضاکارانہ) کے طور پر کام کر دیا کرتی تھیں، اسے یہ روایت رد کرتی ہے، کہ حضرت فاطمہؓ خدمت کے متعلق فریاد لے کر جاتی ہیں۔ تو آپؐ حضرت علیؓ سے یہ نہیں فرماتے، فاطمہ پر شوہر کی خدمت واجب نہیں، تم ان کی خدمت کرو۔

اسی طرح جب آپؐ نے حضرت اسماءؓ کو چارے کا گٹھڑ سر پر اٹھائے دیکھا۔ اور حضرت زبیرؓ ان کے ہمراہ تھے۔ تو یہ نہیں فرمایا، کہ اسماء پر خدمت کرنا واجب نہیں۔ اور یہ ظلم ہے، بلکہ انہیں خدمت پر قائم رہنے دیا اور تمام صحابہؓ کی ازواج کو ان کی خدمت کرنے پر قائم رکھا حالانکہ ان میں سے بعض اس کام سے راضی تھیں اور بعض کو ناپسند بھی تھا۔ یہ بات شک و شبہہ سے بالا ہے کہ معاملہ خدمت میں شریف، رذیل، فقیر اور امیر عورت کے مابین کوئی امتیاز نہیں، چنانچہ یہ اشرف نساء العالمین فاطمۃ الزہرا بھی جا اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوتی ہیں، لیکن شکایت قبول نہیں ہوتی۔

عورت کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے۔ کہ عورت تمہارے بس میں ہے، پھر فرمایا، عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ وہ تمہارے بس میں ہیں، اور جو جس کے بس میں ہو وہی اس کی خدمت کرتا ہے۔

اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ کہ نکاح ایک قسم کی چاکری ہے، جیسا کہ بعض سلف نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ چاکری ہے۔ پس تم پر لازم یہ ہے۔ کہ دیکھو۔ کہ جس کے پاس چاکر ہو، بااخلاق ہو، انصاف پسند طبائع کے لیے دونوں مسئلوں میں سے اقوی اور راجح دلیل کا سمجھ لینا مستبعد نہیں۔

تفرقۂ زوجین

احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت حبیبہؓ بنت سہل ثابت بن شماس کی زوجیت میں تھیں۔ ثابت نے انہیں مارا، جس سے ان کے اعضائے جسم میں سے کوئی عضو ٹوٹ گیا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز صبح کے بعد حاضر ہوئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضؓ کو بلایا اور فرمایا:

اس سے (اپنے دئے ہوئے مال میں سے) کچھ لے لو، اور اسے چھوڑ دو[1]!

انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا اس پر بات طے ہو جائے گی۔؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں!

انھوں نے عرض کیا: میں نے دو باغیچے اس کے مہر میں دئے تھے۔ وہ اس کے قبضہ میں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو لے لو۔ اور انہیں چھوڑ دو۔

انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اختلاف زوجین کے معاملات وحالات

اور اللہ تعالیٰ نے اختلاف زوجین کے موقع پر فرمایا ہے۔

[1] یعنی خلع دے دو۔

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیراً

یعنی تم کو ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک مرد کے اہل سے حکم لاؤ۔ اور ایک حکم لاؤ عورت کے اہل سے، وہ ان دونوں میں ارادہ کریں اصلاح کا۔ اللہ توفیق دے گا۔ ان کو بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

حکمین کی حیثیت کیا ہے؟ سلفؒ اور خلفؒ نے حکمین میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ دونوں حاکم ہوں گے؟ اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں وکیل ہوں گے۔ یہ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا قول ہے، اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے دوسری روایت میں ان کا قول یہ ہے کہ وہ دونوں حاکم ہوں گے، اہل مدینہ، مالکؒ اور دوسری روایت کے مطابق امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

حکمین حاکم ہیں وکیل نہیں اور یہ از حد تعجب انگیز امر ہے کہ بعض لوگ حکمین کو حاکم کے بجائے وکیل قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان دونوں کو حکم قرار دیا ہے اور ان کو غیر زوجین کی طرف نصب کیا ہے۔ اگر یہ وکیل ہوتے تو اللہ تعالیٰ فرماتا،

فلیبعث وکیلاً من اھلہ ولتبعث وکیلاً من اھلھا

نیز اگر وکیل ہوتے تو ان کے لیے اہل میں سے ہونے کی تخصیص نہ ہوتی۔ نیز حکم کا ایما میاں بیوی کی طرف ہے، فرمایا ہے کہ،

ان یریداً اصلاحاً یوفق اللہ بینھما .... یعنی اگر یہ دونوں ارادہ کریں صلح کا اللہ توفیق بخشے گا، اور وکیلوں کا ذاتی ارادہ کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض موکل کے ارادہ پر تصرف کرتے اور اس کے ترجمان ہوتے ہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے، اور وکیل کو حکم کہنا نہ از روئے لغت درست ہے، نہ از روئے عرف عام نہ از روئے عرف خاصہ، علاوہ ازیں لسان شارع پر بھی یہ لفظ اس مفہوم اور معنی میں نہیں آیا ہے۔

حضرت عثمان کا فیصلہ حضرت عثمان بن عفان نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ

کو عقیل بن ابی طالب اور ان کی بیوی فاطمہ رضؓ بنت عتبہ بن ربیعہ کے درمیان حکم بنا کر بھیجا، اور ان سے کہا، اگر مناسب سمجھو، کہ تفریق ہو جائے۔ تو ان دونوں میں تفریق کرا دو۔

اور صحیح روایت میں حضرت علی رضؓ سے مروی ہے۔ کہ انھوں نے زوجین کے درمیان حکم بننے والوں سے فرمایا:

اگر تفریق مناسب سمجھو۔ تو تفریق کرا دو۔ اور اگر زوجین کو اکٹھا رکھنا مناسب سمجھو۔ تو انہیں جمع کر دو،

پس حضرت عثمانؓ، علیؓ، ابن عباسؓ اور معاویہؓ نے اس سے حکم ہی مراد لیا ہے۔ اور صحابہؓ کا اس میں اختلاف بھی نہیں ہے، ہاں بعد میں تابعینؒ کے اندر اختلاف ہوا، یا تبع تابعین میں،!

خلع کا مسئلہ

عورت کن حالات میں خلع حاصل کر سکتی ہے

صرف ناپسندیدگی بھی وجہ خلع بن سکتی ہے

صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس کی بیوی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا اے اللہ کے رسول، ثابت بن قیس کے اخلاق و دین میں مجھے کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔[1]

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تو اس کا باغ (جو مہر میں ملا تھا) اُسے واپس کردے گی؟

---

[1] "ثابت کے اخلاق و دین میں مجھے کوئی عیب نظر نہیں آتا" " اور میں اسلام میں کفر ناپسند کرتی ہوں"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ثابت (شوہر) کے اخلاق اور دین میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے لیکن میرا دل ان سے نہیں ملتا، میں خلوص اور دیانت کے ساتھ حق وفا ادا نہیں کر سکتی۔ اگر میں ان کی بیوی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ میرا دین اس طرز عمل کے باعث خطرے میں پڑ جائے گا۔

آں حضرت نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اور خلع کرا دی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی کا اگر شوہر سے دل نہ ملتا ہو، تو اس بنیاد پر بھی وہ قاضی / عدالت میں جا کر خلع حاصل کر سکتی ہے۔

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں!

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ سے فرمایا۔

باغ قبول کرلو، اور اسے ایک طلاق دے دو۔

سنن نسائی کی ایک روایت

سنن نسائی میں حضرت ربیعؓ بنت معوذ سے مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس نے اپنی زوجہ کو مارا۔ اور ان کا ہاتھ توڑ دیا۔ بیوی کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی تھا۔ وہ اپنے بھائی کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کرنے حاضر ہوئیں، آپؐ نے (ثابت) کو بلا بھیجا۔ اور فرمایا: جو کچھ تمہارا اس کے اوپر ہے لے لو، اس کی راہ چھوڑ دو، (طلاق دے دو)

ثابت نے عرض کیا: بہت اچھا!

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے کہا، ایک حیض تک انتظار کرو۔ اور پھر اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس کی زوجہ نے اپنے خاوند سے خلع کرایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔

اور سنن دارمی میں یہ واقعہ یوں ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے فرمایا۔

کیا تم وہ باغ اسے واپس کردو گی، جو اس نے تمہیں دیا تھا؟

جمیلہ نے عرض کیا: جی ہاں! بلکہ زیادہ بھی دینے کو تیار ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا: نہیں زیادہ نہیں! بلکہ صرف اس کا باغ۔

انھوں نے عرض کیا: ہاں! (تیار ہوں)

آپؐ نے مال لیا اور اسے طلاق دیدی[۱]۔ حضرت ثابتؓ بن قیس کو اس کی خبر ہوئی۔ تو انھوں نے

---

[۱] اس سے ثابت ہوا کہ حاکم خود بھی اگر عورت کا مقدمہ مضبوط دیکھے تو شوہر کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے، اور وہ نافذ ہوگی۔

نے کہا ۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ قبول کیا دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

فیصلۂ نبوی سے احکام متضمنہ

یہ فیصلۂ نبوی کئی احکام کا متضمن ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ خلع جائز ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے بھی اس کی صراحت کر دی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئاً الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللہ فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ

یعنی تمہارے لیے روا نہیں ہے کہ کچھ تم عورت کو دے چکے ہو واپس لے لو کچھ بھی، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکو گے تو دونوں کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ عورت فدیہ دے کر الگ ہو جائے۔

۲۔ صرف ایک قلیل شاذ گروہ نے خلع کی مخالفت کی ہے لیکن درحقیقت وہ نص اور اجماع کے خلاف کیا ہے۔ کیونکہ آیت میں اذن حاکم کے ساتھ جواز خلع کی دلیل مطلق ہے۔ ایک گروہ نے حاکم کی اجازت کے بغیر اس سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ ائمہ اربعہ اور جمہور اس کے خلاف ہیں۔

۳۔ اور آیت میں جدائی حاصل کر سکنے پر دلیل بھی موجود ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے فدیہ کا نام دیا ہے، اور اگر رجعی طلاق ہوتی جیسا بعض لوگوں نے کہا ہے۔ کہ تو عورت اپنے پاس سے کچھ دینے دلانے کے باوجود شوہر سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکتی۔

ارشاد خداوندی

۴۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے فدیہ کی قلت وکثرت کے جواز پر بھی دلیل نکلتی ہے فرمایا!

فلا جناح علیھما فی ما افتدت بہ

نیز مرد کے لیے جائز ہے، کہ جس قدر اس نے بیوی کو دے رکھا ہے، اس سے زیادہ بھی لے سکتا ہے۔

....

اور عبدالرزاق رح نے معمر سے انھوں نے عبداللہ بن عقیل

خلع حاصل کرنے کے لیے عورت جو چاہے دے دے

سے روایت کی ہے۔ کہ ربیعؓ بنت معوذ بن عفرا نے بتایا۔ کہ انھوں نے اپنے خاوند سے ہر چیز، جس کی وہ مالک تھیں سب کے عوض خلع کرایا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مقدمہ پہنچا۔ تو انھوں نے اجازت دی۔ اور حکم دیا۔ کہ اس کے سر کی اوڑھنی تک لے لو۔

نیز ابن جریج نے ابو موسیٰ سے، انھوں نے عقبہ سے، انھوں نے نافعؒ سے روایت کی۔ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی بیوی کی باندی حاضر ہوئی، جس نے اپنی ہر چیز کے بدلے میں اپنے شوہر سے خلع حاصل کیا تھا۔ ہر پارچہ تک کے عوض جو اس کے پاس تھا۔ حتیٰ کہ اپنے نقاب تک کے بدلے میں۔

زہری رح فرماتے ہیں

مرد حق خلع کے طور پر اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ بھی لے سکتا ہے

کہ مرد کے لیے جائز ہے۔ کہ اس سے زیادہ لے لے جس قدر اس نے دیا ہے۔

اور میمونؒ بن مہران نے فرمایا۔ کہ اگر اس نے عطا کردہ سے زیادہ لیا۔ تو اس نے احسان نہ کیا۔

اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ قضاۃ اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔ کہ اس سے کوئی بھی ایسی چیز لی جائے۔ ہاں جو اسے پہلے سے دے رکھی ہو۔

اور جنھوں نے اسے جائز قرار دیا ہے انھوں نے ظاہر قرآن اور آثار صحابہ رض

ظاہر قرآن و آثار صحابہؓ سے استدلال

سے استدلال کیا ہے۔ اور جنھوں نے اسے روکا ہے۔ انھوں نے حضرت ابی زبیر رض کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ثابت رض بن قیس بن شماس کی زوجہ نے جب خلع کرانا چاہا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ تم اس باغ واپس کرنا چاہتی ہو؟ انھوں نے عرض کیا، ہاں! بلکہ زیادہ بھی!! حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں

زیادہ نہیں۔

دارقطنیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اسے ابو زبیرؓ نے ایک سے زیادہ سے سنا۔ اور اس کے اسناد صحیح ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ آثار صحابہؓ میں اختلاف ہے۔ بعض نے زیادتی کو حرام کہا ہے اور بعض نے مباح کہا ہے۔ اور بعض سے کراہت منقول ہے ۔

خلع کیا ہے؟ مسائلِ ضروریہ

خلع میں حاکم بھی تفریق کر سکتا ہے اور باہمی رضامندی سے بھی ممکن ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلع کو فدیہ کا نام دینا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اس میں معاوفت (بدلہ دینے لینے) کے معانی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں زوجین کی رضامندی معتبر ہے۔ سو جب خلع میں تقابل ہوگا۔ اور جو اس سے لیا ہوا سے رد کرے گا۔ اور دوران عدت میں رجوع کرلے گا۔ تو کیا یہ ان دونوں کے لیے جائز ہے؟

خلع سے عورت بائن ہو جاتی ہے

ائمہ اربعہؒ وغیرہ نے اس کی ممانعت کی ہے۔ اور کہا ہے کہ نفس خلع سے وہ بائن (جدا) ہو گئی۔

عبدالرزاقؒ نے معمرؒ سے انھوں نے قتادہؒ سے، انھوں نے سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا ہے، انھوں نے خلع کرانے والی کے متعلق فرمایا، اگر مرد چاہے، تو خلع سے رجوع کر سکتا ہے[1] اس صورت میں اسے عدت کے اندر اندر (عورت) سے حاصل کردہ مال واپس کرنا ہوگا۔ اور رجعت پر گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ معمرؒ فرماتے ہیں۔ کہ زہریؒ کا مسلک بھی یہی تھا۔

قتادہؒ فرماتے ہیں: کہ حضرت حسنؒ کا قول ہے، کہ باقاعدہ پیام کے بغیر رجوع نہ کرے۔

---

[1] لیکن فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ نہیں کر سکتا، خلع طلاق بائن کی حیثیت رکھتی ہے جس میں شوہر رجعت کا حق نہیں رکھتا۔

عورت چاہے تو بعد از خلع نکاح کر سکتی ہے

نیز سعیدؒ بن مسیب اور زہریؒ کا قول لطیف الماخذ دقیق فقہی مسئلہ پر مشتمل ہے جو قواعد و اصولِ فقہ کے مطابق ہے۔ اس میں کوئی نکیر نہیں، ہاں البتہ عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ عورت جب تک عدت کے اندر رہوگی، تو وہ مرد کی گرفت میں ہوگی، اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک طلاق کا مل لاحق ہوگی۔ کیونکہ وہ محض اجنبی عورت بن چکی ہے، پیام دیگر اب رضامندی طرفین سے نکاح ممکن ہے، اور یہ قواعد شرع کے خلاف نہیں کیونکہ اسے حق حاصل ہے کہ غیر کی بجائے عدت کے اندر اندر شوہر سے نکاح کرلے۔

فرمان نبوی کہ خلع کرنے والی ایک حیض عدت گزارے

یہ فرمان دو حکموں کی دلیل ہے ایک یہ کہ خلع والی عورت پر تین حیض واجب نہیں، بلکہ ایک ہی حیض عدت کے لیے کافی ہے۔ اور یہ گویا صریح سنت ہے۔ یہی مذہب امیرالمومنین حضرت عثمانؓ بن عفان۔ عمرؓ بن خطاب۔ ربیعؓ بنت معوذ اور ان کے چچا کا ہے۔ کبار صحابہؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔ صحابہؓ میں سے یہ چار ایسے ہیں کہ ان کا کوئی مخالف معروف نہیں۔ جیسے کہ لیث بن سعد نے نافعؒ مولیٰ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ربیعؓ بنت معوذ سے سنا، وہ عبداللہ بن عمرؓ کو بتا رہی تھیں، کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کے عہد میں اپنے خاوند سے خلع کرایا۔ چنانچہ (ربیعؓ) کا چچا حضرت عثمانؓ بن عفان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا، معوذ کی بیٹی نے آج خلع کرایا ہے۔ کیا وہ گھر چھوڑ سکتی ہے؟

خلع کے بعد عورت شوہر کا گھر چھوڑ سکتی ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں جہاں چاہے منتقل ہوجائے اور اب دونوں کے درمیان میراث کے احکام نہیں نافذ ہوں گے۔ اور اس پہ کوئی عدت نہیں ہاں مگر ایک حیض سے پہلے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، اس اندیشہ سے کہ کہیں حاملہ نہ ہو، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ عالم اور بہتر ہیں۔

اسی طرف اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بن راہویہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی گئے ہیں۔

شیخ الاسلام ابنؒ تیمیہ نے یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ جو بھی اس قول پر غور کرے گا اسے تقاضائے شریعت کے مطابق پائے گا۔ کیونکہ عدت کو زمانہ رجعت کو طویل کرنے کے لیے تین حیض طویل کیا ہے۔ تاکہ خاوند زمانہ عدت میں رجعت پر قادر ہو سکے۔ اگر (زمانہ عدت میں بھی) رجعت نہ ہوئی۔ تو مقصود رحم کو (حمل) سے خالی ثابت کرنا ہے۔ اور اس کے لیے استبراء کی طرح ایک حیض بھی کافی ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تین طلاق والی میں یہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ باب طلاق میں حکم عدت ایک ہی ہے، چاہے وہ بائنہ ہو یا رجعیہ

خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں

ان کا کہنا ہے۔ کہ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ خلع فسخ نکاح ہوتا ہے۔ طلاق نہیں ہوتا یہی ابن عباسؓ۔ عثمانؓ۔ ابن عمرؓ ربیعؓ اور ان کے چچاؓ کا مذہب ہے۔

اور کسی صحابیؓ سے اسے طلاق کہنا ثابت نہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ نے یحییٰ بن سعید سے انھوں نے سفیانؒ سے، انھوں نے عمروؒ سے، انھوں نے طاؤسؒ سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: خلع (خاوند بیوی کے درمیان) تفریق ہے، یہ طلاق نہیں۔

دو طلاقوں کے بعد بھی خلع جائز ہے

عبدالرزاقؒ نے سفیانؒ سے نقل کیا ہے انہیں عمروؒ سے انہیں طاؤس سے روایت ملی۔ کہ ابراہیم بن سعد نے ایک آدمی کے متعلق سوال کیا۔ جس نے کہ اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی تھیں۔ پھر اس نے اس سے خلع کرا لیا۔ لیکن اب [illegible] اس سے نکاح کر سکتا ہے؟

ابن عباسؓ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے آیت کے شروع اور آخر میں طلاق کا ذکر فرمایا ہے۔ اور درمیان میں خلع کا ذکر فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ طلاق نہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے خلوت کے بعد طلاق پر جو تین احکام مرتب فرمائے ہیں، سب کے سب خلع سے منتفی ہیں۔

۱- ایک یہ کہ خاوند کو رجعت کا حق حاصل ہے۔

۲- دوسرے یہ تین طلاقیں شمار کی جائیں گی، اس لیے تکمیل عدت کے بعد صرف نئے خاوند سے نکاح اور اس سے ہمبستری کے بعد ہی نکاح جائز ہے۔

۳- تیسرے یہ کہ عدت کی مدت تین حیض ہوگی۔ اور اجماع و نص سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ خلع میں رجعت نہیں ہو سکتی، نیز سنت اور اقوال صحابہؓ سے ثابت ہے، کہ اس میں عدت ایک حیض ہے، اور نص سے یہ بھی ثابت ہے کہ دو طلاقوں کے بعد بھی خلع جائز ہے۔ اور تیسری کے بعد یہ واقع ہو جاتا ہے، اور اس سے ثابت ہے کہ یہ طلاق نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا:

اَلطَّلَاقُ مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان ولا يحل لكم ان تاخذوا مما آتيتموهن شيئاً الا ان يخافا ان لا يقيما حدود الله فان خفتم ان لا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به

یعنی طلاق رجعی ہے دوبار تک۔ اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور تم کو روا نہیں۔ کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے، مگر جبکہ خاوند عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے حد احکام البتہ اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے حکم کو تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس بات میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جاوے۔

اس میں اگرچہ دو طلاقوں کی تخصیص ذکر نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ہر طرح پر حاوی ہے۔ اور غیر مذکور کی طرف ضمیر کو راجع کرنا جائز ہے۔ کہ مذکور اس سے خالی ہو۔ بلکہ یا تو سابق سے مختص ہوگا یا غیر پر حاوی ہوگا، پھر فرمایا:

فان طلقها فلا تحل له من بعد یعنی پس اگر وہ اسے طلاق ■ دے (تیسری بار) یہ اس پر متضمن ہے، جسے فدیہ اور دو طلاق کے بعد طلاق دی جائے۔ کیونکہ یہی مذکور ہے۔ اسی لیے اس کا لفظ میں داخل ہونا ضروری ہے۔

■ ترجمان القرآن کا نام ہے۔ جس کے لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اسے تاویل قرآن کا علم عطا فرما اور آپ کی دعا یقیناً قبول ہوئی۔

خلع الگ جنس ہے طلاق الگ

اور جب احکام فدیہ احکام طلاق سے مختلف ہیں۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ الگ جنس ہے، یہی نص و قیاس اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقتضا ہے۔

عمرو طاؤس سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، کہ خلع تفریق ہے طلاق نہیں۔

ابن جریج طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد فدیہ (خلع) کو طلاق نہیں مانتے تھے۔

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میرے والد (امام احمد) قول ابن عباس پر فتویٰ دیتے تھے۔

مسائل و معاملات و انواع طلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام و قضایا، اور اقوال

طلاق غیر معتبر

کن لوگوں کی طلاق شرعی طور پر نا قابل قبول ہے؟

حضرت علیؓ کی روایت بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت علیؓ کی روایت درج کی ہے کہ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

" کیا آپ نہیں جانتے تین آدمی مرفوع القلم ہیں[1]۔

- مجنوں جب تک تندرست نہ ہو جائے۔
- لڑکا جب تک صاحب فہم و ادراک نہ ہو جائے۔
- محو خواب، جب تک بیدار نہ ہو جائے۔

نیز صحیح بخاری میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں کو معاف کر دیا ہے جو دل میں گزریں، لیکن زبان پر یا عمل میں نہ آئیں۔

لزوم نیت پر نہیں عمل پر ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلاق عتاق یمین، اور نذر وغیرہ کے معاملات میں جب تک زبان سے کچھ نہ کہے محض نیت اور قصد سے کوئی بات لازم نہ ہوگی۔ جمہور کا قول یہی ہے۔

اس مسئلہ میں دو قول اور ہیں:

ایک ہے توقف۔ چنانچہ عبدالرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں کہ ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ جو شخص دل میں طلاق دے۔ وہ نافذ ہوگی یا نہیں؟

---

[1] مرفوع القلم، اس شخص کو کہتے ہیں جس سے کوئی مواخذہ نہ کیا جائے۔

ابن سیرین نے جواب دیا :

" تمہارے دل میں جو کچھ ہے خدا کو اس کا علم ہے کہ نہیں ؟"

سائل نے جواب دیا " ضرور ہے "

ابن سیرین نے فرمایا: " اب مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے "

دوسرا قول یہ ہے کہ اگر آدمی دل میں قطعی فیصلہ کرے تو وہ واقع ہو جائے گا ۔ یہ امام مالک سے اشہب کی روایت ہے ۔ نیز زہری سے بھی یہی مروی ہے ۔

اس قول کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔

الاعمال بالنیات ، یعنی اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے ۔

لہٰذا جو شخص دل میں کفر کرتا ہے وہ کافر ہے ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ ، یعنی اپنے دل کی بات چاہے ظاہر کرو ، چاہے چھپائے رکھو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محاسبہ ہوگا ۔"

اور معصیت پر اصرار کرنے والا فاسق ہے ، اگرچہ ارتکاب معصیت نہ کرے پھر بھی قابل مواخذہ ہے ۔ کیونکہ اعمال قلوب پر بھی ثواب وعتاب اسی طرح مرتب ہوتا ہے جس طرح اعمال جوارح پر لہٰذا حب ، البغض ۔ دوستی ، دشمنی ، اگر اللہ کے لیے دل میں رکھے گا ثواب پائے گا ۔ اسی طرح توکل رضا ، عزم اور طاقت پر بھی ثواب ملے گا لیکن کبر حسد ، غرور ، شک ریا ۔ سوء ظن اکابر اور صالح لوگوں کے ساتھ ، یہ وہ چیزیں ہیں جن پر عتاب ہوگا ۔

نیت اور قصد بے معنی ہے اصل چیز اقدام و عمل ہے

لیکن ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو اس بات کی دلیل ہو کہ صرف نیت اور قصد سے طلاق واقع ہو جاتی ہے ۔ یا غلام آزاد ہو جاتا ہے ۔ یہ اس وقت ہوگا ۔ جب آدمی صاف الفاظ میں یہ بات کہے

رہی الاعمال بالنیات والی حدیث سو یہ تو ان حضرات کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ نیت کے ساتھ اگر عمل تو اس کا اعتبار کیا جائے گا ، نہ کہ محض نیت کا ۔

اور دل میں جو شخص کفر پر اعتقاد رکھتا ہو، یا شک ریب میں مبتلا ہو تو وہ زوال ایمان کے باعث بے شک کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے۔ اور اگر قلب ایمان سے خالی ہے تو پھر اس کی ضد (یعنی کفر) موجود ہے اس کی مثال علم وجہل کی طرح ہے۔ اگر علم نہ ہوگا تو جہل ضرور پایا جائے گا۔ یہی حال تمام نقیضین کا ہے۔ ایک کا زوال دوسرے کے وجود کا ثبوت ہے۔

اسی طرح آیۂ احتساب کا معاملہ ہے۔

انسان کے دل میں جو کچھ ہے اور اسے وہ چھپاتا ہے، تو احکام شرع کے لحاظ سے اسے کوئی سزا نہیں ملے گی۔ سزا کا فیصلہ صرف ان باتوں پر ہوگا جنھیں وہ ظاہر کرتا ہے۔

اب جن باتوں کو ظاہر کرتا ہے، یا جنھیں صرف دل میں رکھتا ہے۔ ان پر بخشش دیا جائے یا سزا پائے۔ لیکن اس سے بہر حال یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قصد اور نیت کے باعث طلاق واقع ہو جائے گی۔

ثواب و عقاب کا تعلق اعمال سے ہے

باقی رہا معصیت پر اصرار کرنے والا، تو بے شک وہ فاسق ہے۔ اور قابل مواخذہ ہے، کیونکہ نیت کے ساتھ عمل معصیت بھی موجود ہے، اور اسی پر وہ اصرار کر رہا ہے تو سزا سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ لیکن اگر مقصد و نیت کے ساتھ عمل نہیں ہے تو یا تو اس کی معصیت پسندی زیر تحریر نہیں آئے گی، یا آئے گی اور اس کے حسنات لکھ لیے جائیں گے۔ اگر وہ اس قصد و نیت سے خدا کے لیے باز آگیا۔

بہر حال ثواب و عقاب کا تعلق اعمال قلوب سے ہے۔ قرآن و سنت میں یہ بات بار بار اور بکثرت آئی ہے، لیکن صرف نیت سے وقوع طلاق و عتاق، جب کہ لفظ استعمال نہ کیے گئے ہوں، خارج از ثواب و عتاب ہیں۔ اور ان دونوں امروں میں کسی طرح کا تلازم نہیں ہے۔

اور کبر، غرور، ریا، سوء ظن، یہ آفات قلب ہیں، ان کا شمار امور اختیاری میں ہے، ان سے اجتناب ممکن ہے۔ لہٰذا ان کا ارتکاب مستحق عقوبت ہے لیکن عتاق طلاق ایسے مسمّیٰ کا اسم ہیں جو وجود الفاظ کا محتاج ہے۔

طلاق ہازل و مکرہ

کیا مذاق میں دی ہوئی طلاق اور جبر سے دلائی ہوئی طلاق جائز ہے

ہازل کی طلاق واقع ہوجائے گی

تصریحات بالا اس بات کو متضمن ہیں کہ مکلف[1] اگر طلاق، نکاح، رجعت میں دل لگی، اور مسخرے پن سے کام لیتا ہے تو یہ چیزیں اس پر لازم ہو جائیں گی لیکن اگر اس نے طلاق دی ہے واقع ہو جائے گی۔ نکاح کیا ہے نافذ ہو جائے گا۔ رجعت کی ہے تسلیم کرلی جائے گی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسخرے شخص کی مزاحیہ باتوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ البتہ جو شخص سوتے میں کچھ کہہ گزرے، یا کمزور حافظہ کا شخص جو کہہ کر بھول جاتا ہو، یا فاتر العقل شخص یا مکرہ[2] ان لوگوں کی کہی ہوئی بات کا اعتبار شرعی طور پر نہیں کیا جائے گا۔

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہازل نے منہ سے جو الفاظ نکالے ہیں قصداً اور ارادہ سے نکالے ہیں گو ان کے نفاذ حکم کا اس نے ارادہ نہ کیا ہو، لیکن اعتبار اس کا کیا جائے گا کہ ان الفاظ کو اس نے اس وقت استعمال کیا جب اس کے ہوش و حواس درست تھے، اور اچھی طرح مکلف تھا، پس جب اس نے اپنے الفاظ کے ذریعہ ایک قصد کیا، تو شارع نے اس قصد کا حکم اس پر مرتب کر دیا، خواہ

[1] مکلف شرع کی اصطلاح میں وہ عاقل و بالغ شخص ہے جو مرفوع القلم نہیں ہے۔ ذمہ داریاں قبول کرسکتا ہے، اور ان کی بجاآوری پر مجبور ہے۔

[2] مکرہ سے مراد شرعاً وہ شخص ہے، جو اپنے ارادے اور نیت کے خلاف کسی کام پر مجبور کیا جائے اور بے بس ہو کر اسے کر گزرے۔

اس نے یہ بات سنجیدگی سے کی ہو یا ازراہ مذاق، بخلاف، نائم، مجنوں اور فاترالعقل وغیرہ کے ان کا قصد، قصد صحیح نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ یہ ازروئے شرع مکلف نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے الفاظ لغو ہیں، جیسے ایک طفل نادان کے الفاظ ہوتے ہیں جو اپنے الفاظ کے مفہوم اور مقصد سے آشنا نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ کا رمز وہ فرق ہے جس کی رو سے ایک آدمی وہ ہے کہ جو کچھ کہتا ہے اس کے مفہوم، مطلب اور نتائج سے خبردار نہیں ہوتا۔

جو شخص مجبور کیا جائے اس کی طلاق لغو ہے

چنانچہ اس بنیاد پر، مکرہ کا کلام لغو تصور کیا جائے گا، اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، چنانچہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے، تو وہ کافر نہیں ہوگا، اسی طرح جو قبول اسلام پر مجبور کیا جائے وہ مسلمان تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

سنت سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مکرہ کی ان باتوں پر مواخذہ نہیں کرے گا جو اس نے مجبور اور بے بس ہو کر کی ہوں۔

اباحت مکرہ کے دو پہلو

لیکن مکرہ کے قول وفعل میں اباحت کے دو پہلو ہیں۔ جہاں تک قول کا تعلق ہے، اس سے بالکل درگزر کیا جائے گا، اور جہاں تک افعال کا تعلق ہے، تو اس کی تفصیل موجود ہے کہ حالت اکراہ میں کیا مباح ہے اور کیا نہیں؟ مثلاً رمضان کے مہینے میں دن کے کھانے پر مجبور کیا جائے، یا نماز کے دوران میں کام پر مجبور کیا جائے یا حالت احرام میں سلا ہوا لباس پہننے پر مجبور کیا جائے یا اسی طرح کے دوسرے کاموں پر مجبور کیا جائے تو وہ قابل معافی ہے۔

لیکن جو باتیں بہ حالت اکراہ مباح نہیں ہیں، ان میں کسی معصوم کا قتل کرنا، یا کسی کے مال کا تلف کرنا شامل ہے۔

زنا اور چوری پر جو مجبور کیا جائے وہ قابل مواخذہ ہے

لیکن بعض چیزیں مختلف فیہ بھی ہیں، جیسے شراب پینے، زنا کرنے اور چوری کرنے پر کسی کو مجبور کیا جانا، آیا اس صورت میں مکرہ پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟

اس بارے میں احمد کے دو قول ہیں۔ ایک قول کے ماتحت مکرہ پر حد جاری ہوگی۔ دوسرے کے مطابق نہیں، کیونکہ مکرہ کے قول و فعل میں فرق ہے۔

افعال جب واقع ہوجائیں تو ان کا مفسدہ مرتفع نہیں ہوتا بلکہ صدور افعال کے ساتھ ہی واقع ہوجاتا ہے۔ بخلاف اقوال کے کہ ان کا الغا اور ازالہ ممکن ہے۔ اور انھیں بمنزلہ اقوال مجنون قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا مفسدہ فعل و عمل بالاکراہ بھی مباح نہیں ہے۔

امام مالک عدم وقوع طلاق مکرہ کے قائل ہیں

امام مالک اور ان کے اصحاب عدم وقوع طلاق مکرہ کے قائل ہیں۔ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

"آدمی کو اگر اذیت دی جائے، یا اسے مارا پیٹا جائے یا اسے شکنجہ میں کس دیا جائے تو وہ اپنے آپ کا مالک نہیں رہتا۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے شہد حاصل کرنے کے لیے رسّی (درخت پر چڑھنے کے لیے) لٹکائی (اور چڑھا) اتنے میں اس کی بیوی آئی اور کہنے لگی:

"یا تو مجھے طلاق دو، ورنہ میں رسّی کاٹے دیتی ہوں، مرد نے اسے خدا کا واسطہ دیا لیکن وہ نہ مانی۔ آخر اس نے طلاق دے دی۔ وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور یہ ماجرا بیان کیا۔ انھوں نے ارشاد فرمایا، اپنی بیوی کے پاس واپس جا، یہ طلاق نہیں ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بھی طلاق مکرہ کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

ثابت الاعرج کہتے ہیں:

"میں نے ابن عمر اور ابن زبیر سے طلاق مکرہ کے بارے میں سوال کیا، دونوں نے بالاتفاق جواب دیا، یہ کچھ نہیں ہے!"

مدہوش کے سوا ہر طلاق جائز ہے

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ عمرو بن اعصم کی اس روایت کے جواب میں کیا کہو گے جو انھوں نے ایک صحابی سے بیان کی ہے کہ ایک آدمی کے سینہ پر اس کی بیوی بیٹھ گئی۔ اور چھری لے کر حلق پر رکھ دی اور کہا مجھے

طلاق دو۔ ورنہ میں تمہیں ذبح کردوں گی۔ اس نے خدا کا واسطہ دیا، لیکن وہ نہ مانی۔ آخر اس نے تین طلاقیں دے دیں۔ اس شخص نے اس واقعہ کا آپؐ سے ذکر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"طلاق میں قیل و قال نہیں ہے!" [1]

اسی طرح عطا ابن عجلان سے، وہ عکرمہ سے، وہ ابن عباس سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ہر طلاق جائز ہے سوا مغلوب العقل اور مدہوش کے۔"

اسی طرح سعید بن منصور فرج بن فضالہ سے، اور وہ عمرو بن شراحیل المعافری سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

"ایک عورت نے تلوار سونت لی اور اسے اپنے شوہر کے پیٹ پر رکھ دیا اور کہا: خدا کی قسم میں یہ تیرے پیٹ میں بھونک دوں گی ورنہ مجھے طلاق دے۔ اس شخص نے تین طلاقیں دے دیں، پھر یہ معاملہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے یہ طلاق نافذ کردی۔"

اسی طرح حضرت علیؓ کا قول ہے کہ مدہوش کے سوا ہر طلاق جائز ہے۔

ایرادات اور ان کا جواب

تو ان ایرادات کے جواب میں کہا جائے گا کہ جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے، اس میں تین علل ہیں۔

ایک یہ کہ صفوان بن عمر ضعیف راوی ہے۔

دوسرے اس روایت کا ایک اور راوی بقیہ بن جبلہ ہے۔ یہ بھی ایسا ہی ہے۔

تیسرے، باقی رواۃ اس روایت کے مرسل ہیں۔

اور ظاہر ہے اس طرح کی روایت نہیں قبول کی جاسکتی۔

محمد بن حزم کہتے ہیں۔

"یہ خبر (روایت) حد درجہ ساقط ہے۔"

رہی ابن عباس والی حدیث کہ ہر طلاق جائز ہے۔

تو اس روایت کے سلسلۂ اسناد میں ایک راوی عطاء بن عجلان ہیں۔ اور ان کا ضعیف ہونا مشہور

رجال کے نزدیک مشہور و معلوم ہے۔ ان پر دروغ گوئی کا الزام ہے۔

ابو محمد بن حزم اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ پہلی حدیث سے بھی زیادہ ساقط الاعتبار اور ناقابل قبول ہے"۔

حضرت عمرؓ کا اثر غلط ہے

اب رہ جاتا ہے حضرت عمر بن الخطاب کا اثر، سو وہ بھی غلط، اور یکسر ناقابل قبول ہے۔ اور اس کے ناقابل قبول ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ معافری، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معاصرت ثابت نہیں ہے۔ اس کے دوسرے راوی فرج بن فضالہ ہیں۔ لیکن یہ بھی ضعیف ہیں۔

البتہ حضرت علیؓ کا اثر جسے کافی لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے طلاق مکرہ درست نہیں ہے، بالکل صحیح ہے اور اس کا تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

طلاق سکران

شرابی کی طلاق جائز ہے یا نہیں؟

اللہ تعالےٰ کا ارشاد طلاق سکران (شرابی) کے بارے میں اللہ تبارک و تعالےٰ فرماتا ہے:۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون

یعنی اے ایمان والو نماز کے قریب حالت سکر (نشہ) میں نہ جاؤ، جب تک جان لو تم کیا کہہ رہے ہو!

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قول سکران غیر معتبر ہے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کیا کہہ رہا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے کہ انھوں نے ارشاد فرمایا،

"مجنوں اور سکران کی طلاق، طلاق نہیں"!

ابن ابی شیبہ وکیع سے، وہ ابی ذئب سے، وہ زہری سے، وہ ابان بن عثمان سے۔ وہ عثمان سے بھی یہی روایت کرتے ہیں،

عطاء کہتے ہیں طلاق سکران جائز نہیں،

ابن طاؤس کا قول ہے کہ طلاق سکران ناجائز ہے،

قاسم بن محمد فرماتے ہیں، کہ سکران کی طلاق جائز نہیں ہے۔

شرابی پر حد جاری ہوگی طلاق نہیں مانی جائے گی حضرت عمر بن عبد العزیز رضی سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک

شرابی پر جس نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ حد جاری کی، اور طلاق تسلیم نہیں کی، یحییٰ بن سعید الانصاری، حمید ابن عبدالرحمان ربیعہ اور لیث بن سعد اور عبداللہ بن الحسن اور اسحاق بن راہویہ، ابوثور اور شافعی (ایک قول کے مطابق) کا مسلک بھی یہی ہے۔

ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے،

حنفات طلاق سکران جائز سمجھتے ہیں!

یہ مذہب جو اوپر ذکر ہوا حضرات اہل ظاہر کا تھا، لیکن حنفیہ میں سے ابوجعفر طحاوی، اور ابوالحسن الکرخی، وغیرہ سکران کی طلاق کو جائز سمجھتے اور نافذ قرار دیتے ہیں۔

ان حضرات کے مذہب کی بنیاد سات ماخذ پر ہے، جو یہ ہیں!

۱- یہ کہ سکران مکلف ہے، لہٰذا جرائم اور جنایات پر ماخوذ ہوگا، اور سزا پائے گا،

۲- ایقاع طلاق اس کے کیے کی سزا ہے،

۳- طلاق دیتے ہی طلاق کا واقع ہونا اپنے اسباب کے لحاظ سے منجملہ ابواب ربط کلام ہے، لہٰذا سکر اور نشہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ واقع ہو جائے گی۔

۴- صحابۂ کرام نے اسے اندوسرکلام اسے مقام صاحی میں رکھا ہے۔ ان کا قول ہے جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اسے نشہ ہو جاتا ہے جب نشہ میں آتا ہے تو ہذیان کہنے لگتا ہے، اور جب زیادہ گوئی (ہذیان) پر اتر آتا ہے، تو افترا پردازی کرنے لگتا ہے، اور یہی حد تہمت کوڑے ہے۔

۵- آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طلاق میں قیل وقال نہیں ہے، یعنی وہ نافذ ہو جائے گی، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔

۶- مدہوش کے سوا، ہر ایک کی دی ہوئی طلاق جائز ہے، اس کا ذکر بھی گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

۷- صحابۂ کرام سکران (شرابی) کی طلاق واقع کر دیتے تھے۔

۱!

حضرت عمرؓ تفریق کرادیتے تھے

چنانچہ ابو علید نے عمرو اور معاویہ سے اسی طرح کی روایت کی ہے، اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے،

ابو عبید کہتے ہیں ہم سے یزید بن ہارون نے، انھوں نے جریر بن حازم سے، انھوں نے زبیر بن حارث سے، انھوں نے ابو لبید سے روایت کی کہ ایک آدمی نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی، معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا، چار عورتوں نے گواہی دی، حضرت عمرؓ نے دونوں کے مابین تفریق کرادی۔

جواز طلاق سکران کی کوئی دلیل نہیں

بہرحال یہ ہیں وہ دلائل جن سے وہ لوگ جو طلاق سکران کے قائل ہیں۔ دلائل لاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی دلیل بھی دلیل نہیں ہے،

سکران مکلّف نہیں ہے

۱۔ ان حضرات کا پہلا ماخذ یہ ہے کہ سکران مکلّف ہے، لیکن یہ سراسر باطل ہے، کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ شرط تکلیف یعنی مکلّف ہونے کی شرط عقل ہے، اور جو عقل سے باہر ہو وہ مکلّف نہیں مانا جائے گا۔

اجرائے حد کافی ہے

۲۔ دوسرا ماخذ یہ ہے کہ ایقاع طلاق بطور عقوبت ہوگی لیکن یہ نہایت بودی بات ہے، کیونکہ عقوبت کے لیے حد (سزائے تازیانہ) کافی ہے، اور از روئے شریعت ہم اس پر مامور نہیں ہیں، کہ سزائے تازیانہ کے علاوہ اس کی طلاق واقع کرکے زوجین کے مابین تفریق کرادیں۔

ربط احکام کی دلیل بودی ہے

۳۔ تیسرا ماخذ یہ ہے ایقاع طلاق از رو۔ اسباب منجملہ ربط احکام ہے۔ لیکن یہ دعویٰ غایت فساد و سقوط کا مظہر ہے، کیونکہ اس طرح تو اس شخص کی طلاق بھی واقع ہوجائے گی جو شراب پینے پر مجبور کیا جائے، یا جسے شراب پلادی جائے، اور وہ جانتا نہ ہو کہ شراب ہے، بلکہ مجنوں اور نائم تک اس زد سے نہیں بچ سکیں گے۔

صحابہ سے مروی آثار غلط ہیں

۴- چوتھا ماخذ کہ صحابہ نے سکران (شرابی) کو صاحی کے درجہ میں رکھا ہے، کہ شراب پئے گا تو مخمور ہوگا تو اول فول بکے گا - یہ ایسی روایت ہے جو قطعاً صحیح نہیں ہے -

ابو محمد بن حزم کہتے ہیں یہ خبر مکذوب ہے۔

علاوہ ازیں اس میں تناقض بھی ہے - اور یہی اس کے بطلان کی دلیل ہے، کیونکہ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو اول فول بکنے والے پر حد لازم ہوگی، حالانکہ ہاذی پر، (اول فول بکنے والے پر) حد نہیں ہے -

ایک غلط حدیث سے استدلال

۵- پانچواں ماخذ وہ حدیث ہے کہ طلاق میں قیل وقال نہیں (وہ جائز ہے) لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور اگر صحیح ہے، تو اس کا حمل مکلف کی طلاق پر کیا جائے گا، جو ہوش میں ہوتا ہے، نہ کہ اس پر جو ہوش میں نہیں ہوتا، لہٰذا اس میں مبرسم (سرسام میں مبتلا) مجنوں، اور نابالغ کی داخل نہیں ہے -

سکرانی کی عقل زائل ہو چکی ہوتی ہے

چھٹا ماخذ یہ روایت ہے کہ:

"مدہوش کے سوا ہر ایک کی طلاق جائز ہے ——— !"

یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے، اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو بھی تو اس کا اطلاق مکلف پر ہی ہوگا۔

علاوہ ازیں سکران (شرابی) عقل کھو چکا ہوتا ہے، پس وہ بھی مدہوش ہی ہوتا ہے۔ یا کم از کم اسی کے ذیل میں آتا ہے، چنانچہ ایک تو اسے معتوہ (مدہوش) ہی قرار دیتا ہے۔

لغت میں "معتوہ" اس شخص کو کہتے ہیں - جس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ اور وہ یہ نہ سمجھتا ہو کہ اس کے منہ سے جو بول نکل رہے ہیں، وہ کیا ہیں ———

———

۷۔ ساتواں ماخذ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے سکران کی طلاق واقع کی ہے۔

ابن عباس کا اثر غیر صحیح ہے :-

لیکن اس باب میں خود صحابہ باہم مختلف الرائے ہیں، حضرت عثمان سے منسوب روایت ہم بیان کر چکے ہیں، اور یہ صحیح ہے، ابن عباس رض کا اثر صحت سے خالی ہے۔

(3)

طلاق اغلاق

غصہ میں دی ہوئی طلاق نافذ ہوگی یا نہیں؟

طلاق اغلاق کے بارے میں امام احمد، حنبلؒ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اغلاق یعنی حالت غضب میں طلاق و عتاق کا وقوع نہیں ہوتا۔"

یہ احمدؒ کی نص ہے جس کی روایت خلال اور ابوبکر نے "الشافی" میں کی ہے اور اس میں مسافر کا لفظ زیادہ ہے۔

"اغلاق" سے مراد کیا ہے؟ ابوداؤد نے بھی اغلاق سے غضب مراد لیا ہے۔ اور باب اطلاق میں اس لفظ کی غضب سے تعبیر کی ہے۔ ابوعبیدؒ وغیرہ اس سے اکراہ مراد لیتے ہیں۔ یعنی دوسرے لوگوں نے اس کی تفسیر "جنون" سے کی ہے۔

ہمارے شیخ کا قول ہے کہ اغلاق سے مراد یہ ہے کہ آدمی کے دل پر جیسے تالا پڑ جائے۔ اس کے منہ سے جو کلام نکلے وہ بے مقصد ہو، یا وہ اس کی حیثیت سے ناآشنا ہو، گویا اس کے مقصد اور ارادے پر تالا پڑ گیا۔

ابوالعباس المبردؒ کا قول ہے کہ "غلق" کے معنی ہیں، ضیق صدر، اور قلت صبر جس سے کوئی خلاصی نہ حاصل کر سکے۔

اغلاق بہت سے مفاہیم کا جامع ہے ہمارے شیخ کا ارشاد ہے کہ اس لفظ (اغلاق) میں طلاق مکرہ، طلاق مجنون، طلاق سکران

طلاق غضب، ہر ایسی طلاق داخل ہے جس کا ارادہ درحقیقت نہ ہو، اور آدمی جو کچھ کہہ رہا ہو اس کی معرفت سے محروم ہو چکا ہو۔

غضب کی تین قسمیں

غضب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عقل زائل ہو جائے۔ اور آدمی کو احساس نہ رہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس صورت میں بلانزاع طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۲۔ غصہ زیادہ شدید نہ ہو، اور آدمی اپنے کہے کو سمجھ رہا ہو یعنی اس کے قصد و قول میں غصہ مانع نہ ہو۔ اس صورت میں بلانزاع طلاق واقع ہو جائے گی۔

۳۔ غصہ شدید ہو، لیکن بالکلیہ عقل زائل نہ ہوتی ہو اور اپنی زیادتی پر اسے ندامت کا احساس ہو جب غصہ اتر جائے۔

یہ صورت محل نظر ہے، لیکن اس حالت میں عدم وقوع طلاق زیادہ قوی ہے۔

(۸)

طلاق قبل نکاح

آیا یہ واقع ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

سنن میں عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"ابن آدم کی نذر نہیں ہے مگر اس میں جس کا وہ مالک ہو، عتق نہیں ہے مگر اس میں جس کا وہ مالک ہو، طلاق نہیں ہے مگر اس میں جس کا وہ مالک ہو!"

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے،

نکاح سے قبل طلاق بے معنی ہے

ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ بیع اس چیز کی ہو سکتی ہے جو ملکیت میں ہو، وفاء نذر اس وقت لازم ہے جب وہ ملکیت میں ہو۔

سنن ابن ماجہ میں مسعود بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"نکاح سے قبل طلاق نہیں، ملک سے قبل عتق نہیں"

وکیع ابن ابی ذئب سے، وہ محمد بن المنکدر سے عطاء بن ابی رباح سے، اور یہ دونوں جابر بن عبداللہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ

نکاح سے قبل طلاق نہیں ہوتی"!

عبدالرزاق ابن جریج سے اور وہ عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے۔

"طلاق نکاح کے بعد ہی ہو سکتی ہے"!

ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن عباس کو اطلاع ملی کہ ابن جریج طلاق قبل از نکاح کو جائز سمجھتے ہیں، ابن عباس نے فرمایا،

"انھوں نے غلطی کی اس مسئلہ میں، کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، :- اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ اذا طلقتم المؤمنات ثم نکحتموھن

حضرت علی کا قول: نکاح کے بعد ہی طلاق ہو سکتی ہے

ابو عبید علی بن ابی طالبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کہتا ہے اگر میں نے فلاں عورت سے شادی کی تو اسے طلاق ہے۔ علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا، ملکیت سے پہلے طلاق واقع نہیں ہو سکتی،

نیز حضرت علی سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا "نکاح کے بعد ہی طلاق ہو سکتی ہے، اگرچہ کوئی شخص اسے کیوں نہ دے"!

امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک

حضرت عائشہ رضؓ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی، احمدؒ اسحاق، اور ان کے اصحاب، داؤد اور ان کے اصحاب، اور جمہور اہل حدیث اسی طرف گئے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے شادی کی تو اسے طلاق ہے، تو گویا وہ ایک غیر اور اجنبی عورت کو طلاق دیتا ہے، اور یہ امر محال ہے ■

(۵)

طلاق محرم

تحریم طلاق حائض، و نفسا، و تحریم طلاق ثلاثہ

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ صحیحین میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں طلاق دیدی۔

حضرت عمرؓ نے اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپؐ نے فرمایا،

" اسے حکم دو کہ رجعت کرلے، پھر اسے روکے رکھے، جب تک وہ حالت طہر میں نہ آجائے پھر حائضہ ہو، پھر طہر سے ہو، اس کے بعد اگر چاہے تو روک لے، چاہے طلاق دیدے، بغیر اس سے خلوت کئے ہوئے، یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے طلاق نساء کے سلسلہ میں حکم دیا ہے،"

مسلم کی روایت میں "حاملہ" کا لفظ زیادہ ہے، بخاری کی روایت میں "قبل عدت" کے الفاظ ہیں۔

طلاق کے وجوہ اربعہ اس حکم سے ثابت ہوا کہ طلاق وجوہ اربعہ پر مبنی ہے، ان میں سے دو حلال ہیں، دو حرام ہیں۔

حلال صورت یہ ہے کہ

۱۔ آدمی بغیر جماع کئے ہوئے حالت طہر میں عورت کو طلاق دے۔

۲۔ یا اس حالت میں طلاق دے کہ اس کا حمل ظاہر ہو۔

اور حرام صورت یہ ہے کہ،

۱۔ آدمی حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دیدے۔

۲۔ یا جس طہر میں جماع کیا ہو اس میں طلاق دیدے،

لیکن یہ صورت اس عورت کے ساتھ ہے جس سے خلوت ہو چکی ہو، لیکن جس سے خلوت نہ ہوئی ہو، خواہ حائضہ ہو یا طاہرہ، اسے طلاق دی جا سکتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، !

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ

نیز اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، !

یا ایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا

غرض طلاق نساء کے لیے یہ عدت ہے جس کا اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے،

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب

سنن نسائی وغیرہ میں محمود بن لبید وغیرہ کی حدیث ہے کہ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا،

" میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اور وہ کتاب اللہ سے کھیلتا ہے ــــ ؟ ــــ !

اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اس نے عرض کیا۔

" کیا میں اس کی گردن اڑا دوں ؟ "

مطلقہ عورت کے اقسام

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ،

۱ - مطلقہ کی دو قسمیں ہیں، ایک مدخول بہا[1]۔ دوسری غیر مدخول بہا۔ اور ان دونوں کو ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں ہے۔

۲ - جہاں تک غیر مدخول بہا کا تعلق ہے، اسے حائضہ اور طاہرہ، ہر حالت میں طلاق

---

[1] " مدخول بہا " فقہ کی اصطلاح میں وہ عورت ہے۔ جس سے شوہر جماع کر چکا ہو۔

دی جا سکتی ہے۔

۳- لیکن مدخولی بہا کو اگر وہ حیض سے ہے، یا نفاس سے ہے، طلاق دینا حرام ہے، اگرچہ وہ طہر کی حالت میں کیوں نہ ہو۔

۴- ہاں اگر وہ حمل سے ہو تو اسے طلاق دینا جائز ہے۔ خواہ جماع سے پہلے دی جائے یا بعد میں۔

۵- اور اگر وہ حاملہ نہ ہو تو بہ حالت طہر اسے جماع کے بعد طلاق نہیں دی جا سکتی۔

یہ ہے طلاق کے بارے میں اصول جو رسولؐ کی زبان پر اللہ نے جاری کیا ہے، اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وہی طلاق واقع ہوتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے مباح کیا، اور جس کا اذن دیا ہے، جیسا کہ طلاق دینے والا مختار، مکلف، مدلول لفظ کا عالم، اور اس کا قصداً ارادہ کرنے والا ہو۔

وقوع محرم میں اختلاف فکر و رائے

البتہ وقوع محرم کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اس میں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ اس طلاق کا ہے جو بحالت حیض میں دی جائے یا طہر میں جماع کے بعد دی جائے۔ اور دوسرا مسئلہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کا ہے۔

اب ہم فریقین کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں،

اجماع کا دعویٰ کرنے والا کاذب ہے

پہلا مسئلہ یعنی وقوع طلاق محرم چنانچہ اس کے بارے میں سلف اور خلف کے مابین ہمیشہ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں جو اس کے اجماع کا مدعی ہے وہ کاذب ہے اور ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف معلوم الثبوت ہو، متقدمین اور متاخرین کے نزدیک۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تھی فرمایا، اس کی عدت نہیں ہے، ابو محمد بن حزم نے محلی میں بھی یہ روایت اسناد کے ساتھ درج کی ہے۔

عبدالرزاق اپنی "مصنف" میں ابن جریج سے، انھوں نے ابن طاؤس سے، انھوں نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ وہ اس طلاق کو تسلیم نہیں کرتے تھے جو وجہ طلاق کے خلاف ہو یا وجہ عدت سے

خلاف ہو، اور وجہ طلاق یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو بغیر جماع حالت طہر میں طلاق دے، یا جب وہ حاملہ ہو،

زید بن ثابت اور ابو محمد کی رائے

زید بن ثابت سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا جو شخص اپنی بیوی کو اس حالت میں طلاق دی کہ وہ حائضہ ہو، اس پر طلاق لازم کردی جائے گی، اور عورت تین حیض کی عدت گزارے گی۔

ابو محمد کہتے ہیں کہ اہل علم میں اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے، حتیٰ کہ ہمارے مخالفین بھی اسے مانتے ہیں کہ جو طلاق حیض میں دی جائے، یا طہر میں جماع کرکے دی جائے، وہ بدعت ہے۔

مانعین وقوع طلاق کے افکار:-

جو لوگ وقوع طلاق محرم کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ ادلہ متکاثرہ سے اس کا عدم وقوع ثابت ہے، یہ وہ طلاق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا ہے، نہ اس کی اجازت دی ہے لہٰذا یہ شرع کے ماتحت نہیں آسکتی، پھر اس کے نفوذ اور صحت کے بارے میں کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے؟

اذن شارع اور اذن مخلوق:-

اگر کوئی شخص وکیل بنا کر کسی کو بیوی کے پاس بھیجے اور اس کے ذریعہ سے طلاق دے، تو یہ جائز ہے، لیکن اگر اس نے طلاق حرام[1] دی تو وہ واقع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ غیر ماذون[2] ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ صحت ایقاع طلاق میں اذن شارع کے مقابلہ میں اذن مخلوق مان لیا جائے؟

علاوہ ازیں شارع نے شوہر کو حالت حیض میں یا بہ حالت طہر بعد از جماع کی ممانعت کی ہے، پس اگر یہ طلاق صحیح مان لی جائے تو شارع کی ممانعت بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم جمعہ کی اذان کے وقت بیع کو باطل قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس وقت کی بیع شارع نے ممنوع قرار دی ہے، لہٰذا اس کی تنفیذ و تصحیح جائز نہیں،

---

[1] طلاق حرام، یا طلاق محرم وہ ہے، جو حالت حیض یا حالت طہر میں بعد جماع دی جائے۔

[2] غیر ماذون، یعنی جس کی اجازت نہیں ہے۔

نیز طلاق محرم، منہی عنہ ہے[1] پس اگر اس طلاق کو ہم صحیح قرار دیں تو پھر طلاق منہی عنہ اور ماذون[2] میں فرق کیا جائے گا صحت فساد کے اعتبار سے؟

اس کے علاوہ طلاق حرام کی شارع نے ممانعت کی ہے، اسے مبغوض قرار دیا ہے، اس کے وقوع کو غیر پسندیدہ بنایا ہے، بلکہ مکروہ اور حرام کیا ہے، لیکن اس کی تصحیح اور تنفیذ کے معنی یہ ہوتے کہ مقصود شارع کے بالکل خلاف عمل کیا گیا۔

پھر ایک بات اور بھی ہے۔

جب نکاح منہی عنہ صحیح نہیں ہے اور اس کی عدم صحت کی بنیاد نہی ہے، پھر اس میں اور طلاق منہی عنہ میں کیا فرق ہے؟ پھر تم کس طرح نکاح منہی عنہ کو باطل قرار دیتے ہو، اور طلاق منہی عنہ کو جائز قرار دیتے ہو؟ حالانکہ نہی کا مقتضا بطلان ہے اور دونوں جگہ موجود ہے،

پھر یہ بھی ہے حضرت عائشہ رض کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو بات ہمارے حکم کے خلاف ہو وہ قابل رد ہے"۔

یہ بالکل صریح بات ہے کہ طلاق محرم کا آپ نے حکم نہیں دیا ہے، لہذا وہ مردود اور باطل ہے، اسے صحیح کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اور لازم و ماخذ کیونکر مانا جا سکتا ہے؟

علاوہ ازیں یہ طلاق محرم اللہ تعالےٰ نے کبھی مشروع نہیں فرمائی، پس یہ اسی طرح باطل ہے جیسے کسی اجنبی عورت کو طلاق دینا، اور تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اجنبیہ محل طلاق نہیں ہے، زوجہ بھی طلاق محرم کی محل کب ہے؟

نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ طلاق کی دو ہی صورتیں ہیں، یا امساک بمعروف یا تسریح باحسان، اور تسریح محرم مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت ہے، لہذا اس کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ ہم طلاق محرم کے جواز کا فتویٰ دینے کی طاقت نہیں رکھتے،

---

[1] منہی عنہ یعنی ممنوع۔ [2] ماذون، جس کی اجازت ہو۔

قائلین وقوع طلاق محرم کے دلائل

جو لوگ طلاق محرم کے وقوع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں، اے لوگو جو طلاق محرم کے قائل نہیں ہو، تم نے جس سیڑھی پر قدم رکھا ہے، اس پر چڑھنا بہت مشکل ہے، تمہارے دعوے کی تصدیق، نہ جمہور سے ہوتی ہے، نہ فتاوائے صحابہ سے، نہ قرآن وسنت سے،

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ یعنی طلاق کے بعد پہلے شوہر کے لیے بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے

اور یہ ارشاد ہر طلاق کو عام ہے،

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء ...... یعنی طلاق شدہ عورتیں تین قرو (حیض) تک رکی رہیں۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے،

الطلاق مرتان یا فرماتا ہے والمطلقات متاع

پس طلاق محرم والی عورت بھی اس عموم میں داخل ہے، اس کے خلاف نص یا اجماع کے بغیر تخصیص جائز نہیں۔

چنانچہ حماد بن زید عبد العزیز بن صہیب سے، وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو طلاق بدعی دے گا ہم اس پر اس کی بدعت کو لازم کردیں گے"!!

نیز عبد الباقی بن قانع اسماعیل بن امیة الدراع سے اور وہ حماد سے یہی روایت کرتے ہیں، علاوہ ازیں عثمانؓ بن عفان، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بھی طلاق محرم کے وقوع کا فتویٰ دے چکے ہیں۔

نیز، یہ[1] طلاق بے شک حرام ہے، لیکن اس کی تحریم اس کے ترتیب اثر کو روک نہیں سکتی، اس کی

---

[1] مراد وہی طلاق ہے، جو حیض کی حالت میں یا حالت طہر میں بعد جماع دی جائے۔

حکم ظہار کی طرح ہے جو قول منکر ہے، اور دروغ ہے، اور محرم ہے، لیکن باایں ہمہ ترتیب اثر تحریم زوجہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب تک وہ انکار نہ کردے، اسی طرح طلاق بدعی محرم ہے، اور اس کا اثر اس پر ضرور مرتب ہوگا، جب تک رجعت نہ کرلے، لہٰذا ظہار و طلاق محرم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح قذف (تہمت) حرام ہے، لیکن اس کا اثر حد اور رد شہادت کی صورت میں مرتب ہوتا ہے۔

اسی طرح طلاق ہازل کو لیجیے، وہ بھی حرام ہے کیونکہ آیات اللہ کے ساتھ ہزل و مزاح حلال نہیں ہے، پھر اگر طلاق ہازل باوجود تحریم واقع ہو سکتی ہے، تو یہ ثبات ہوش و حواس تو اور اولیٰ ہے کہ باوجود تحریم واقع ہو۔

علاوہ ازیں عہد نکاح میں تشدید و تاکید ہے، ایجاب و قبول ضروری ہے، ولی کا اور دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، زوجہ کی رضامندی (بلا جبر) ضروری ہے لیکن دائرہ نکاح سے نکل جانا بہت آسان ہے، اس خروج کے لیے مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہیں ہے۔

نیز طلاق کی دو قسمیں ہیں،

۱۔ طلاق سنت۔

۲۔ طلاق بدعت

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں طلاق کی چار قسمیں ہیں۔ دو حلال۔ دو حرام، پس یہ طلاق و تقسیم دلیل ہے اس امر کی کہ طلاق بدعی بھی طلاق ہی ہے، اس کے لیے بھی طلاق کا لفظ اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس طرح طلاق حلال کے لیے، اگر یہ لفظ لغو ہوتا تو اس کا وجود عدم کی طرح ہوتا، اور اس فعل کو طلاق کے لفظ سے یاد نہ کیا جاتا، نہ اقسام طلاق میں شامل کیا جاتا،

قائلین عدم وقوع طلاق محرم کے دلائل

وقوع طلاق محرم سے تمسک کرنے والوں کے یہ تھے دلائل، لیکن عدم وقوع طلاق محرم کے قائل ان کا توڑ یوں کرتے ہیں۔

— تمہارا دعوائے اجماع یکسر غلط ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں البتہ انتفاء معلوم ہے،

— : کسی بات پر جمہور کا فتویٰ دے دینا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہے،

— : طلاق محرم شارع کے مرتب کیے ہوئے نصوص طلاق میں شامل نہیں ہے،

— : تمہارا یہ دعویٰ کہ طلاق محرم نصوص طلاق کے ماتحت ہے اور وہ طلاق کی دو قسموں میں سے ایک ہے، تو پھر "بیع محرم" اور "نکاح محرم" بھی تو نصوص بیع و نکاح کے ماتحت ہیں، بلکہ جملہ عقود و معہ الفاظ عقود شرعیہ کے تحت بیان کی جاتی ہیں، تو کیا انہیں صحیح مان لیا جائے گا؛

— : اور تم نے جو حدیث انسؓ کی پیش کی ہے کہ جس نے طلاق بدعت دی اس پر ہم اس کی بدعت لازم کر دیں گے؛

تو یہ حدیث باطل ہے حماد بن زید کے اصحاب ثقات میں سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا ہے، یہ اسماعیل بن امیہ الدراع کی حدیث ہے اور وہ کذاب ہے، اس کا ایک اور راوی عبدالباقی بن قانع ہے، برقانی نے اس کی تضعیف کی ہے، دارقطنی کہتے ہیں یہ بہت غلطی کرتا ہے اگر کسی حدیث میں یہ منفرد ہو، تو اس کی حدیث ہرگز حجت نہیں ہو سکتی۔

— : تم نے عثمان بن عفان، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے فتوے کا ذکر کیا ہے کہ یہ وقوع طلاق محرم کے قائل تھے، لیکن یہ قطعاً صحیح نہیں ہے،

— : تم نے کہا ہے کہ تحریم ظہار کی طرح ترتب اثر کو مانع نہیں ہے، لیکن ظہار کی دو صورتیں نہیں ہیں کہ ایک حلال ہو دوسری حرام ہو، بلکہ وہ سراسر حرام ہے، وہ قول منکر اور دروغ ہے، پس ممکن نہیں کہ اس کی دو قسمیں کی جا سکیں ایک حلال اور جائز، دوسری حرام اور باطل، پس ظہار ان افعال محرمہ کی نظیر ہے جو بہ صورت وقوع اپنے مفاسد سے مقارن ہوتے ہیں، اور ان پر ویسے ہی احکام کا ترتب ہوتا ہے۔

— : رہی طلاق ہازل سو وہ برمحل ہے یعنی حالت طہر میں بغیر جماع دی گئی ہے، لہٰذا اسے نافذ ہونا ہی چاہیے۔

— تم کہتے ہو دائرۂ نکاح میں آدمی عزیمت و احتیاط کے ساتھ داخل ہوتا ہے، اور اس دائرے سے نکلنا بہت آسان ہوتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ خروج اللہ کے مقرر کیے ہوئے قواعد کے ماتحت ہی ممکن ہے۔

ہر دو فریق کے دلائل و افکار

طلاق محرم کے وقوع اور عدم وقوع کے سلسلہ میں یہ تھے، دونوں گروہوں کے دلائل، اور افکار

خیالات، اس معرکہ آرا، اور نہایت نازک اور پیچیدہ مسئلہ سے متعلق۔

میں نے انھیں بسط و تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کر دیا کہ ان معرکہ آرائیوں کی روشنی میں آدمی ان کے ماخذ، دلائل، اور اسلوب فکر کو اچھی طرح پرکھ لے، اور ان سے پوری واقفیت پیدا کر لے۔ [1]

---

[1] بہرحال یہ ایک نہایت اہم اور بے انتہا معرکہ آرا مسئلہ ہے، اور سلف و خلف کے مابین، مایہ اختلاف چلا آرہا ہے، جو مقلد جامد ہے، وہ حدود تقلید سے باہر نہیں جا سکتا، جو صاحب فکر و نظر ہے وہ اس مواد کی روشنی میں خود ایک رائے قائم کر سکتا ہے۔

طلاق قبل از دخول ۱۸۲
بعد
طلاق فدیہ
طلاق رجعی (منسوخ)

(b)

تین طلاقیں ایک دفعہ میں

شریعت کے ساتھ استہزا اور تمسخر کی بدترین مثال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں۔ آپؐ غضبناک ہو کر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اور کتاب اللہ کے ساتھ یوں وہ کھیل رہا ہے؟"

اس حدیث کے اسناد صحیح مسلم کی شرط پر ہیں۔ ابن وہب نے مخرمہ بن بکیر بن اشج سے انھوں نے اشج سے روایت کیا کہ میں نے محمود بن لبید کو اس حدیث کا ذکر کرتے سنا ہے۔

مخرمہ بن بکیر پر جرح و تعدیل

اس سلسلۂ اسناد میں مخرمہ ایک ثقہ شخص ہیں، مسلم نے اپنی صحیح میں ان کی روایت ان کے والد سے قبول کی ہے۔

بعض کا دعویٰ ہے کہ مخرمہ نے بکیر سے خود سماعت نہیں کی ہے بلکہ انھوں نے اپنے والد کی کتاب سے روایت کی ہے۔ ابوطالب کہتے ہیں میں نے احمدؒ بن حنبل سے مخرمہ بن بکیر کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ "وہ ثقہ ہیں۔ انھوں نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ہے بلکہ ان کی کتاب سے روایت کی ہے۔ ابوبکر ابن ابی خثیمہ کہتے ہیں، میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا کہ مخرمہ بن بکیر کے پاس ان کے والد کی کتاب تھی جس سے وہ روایت کرتے تھے۔ اپنے والد سے انھوں نے سماعت نہیں کی ہے۔

کیا مخرمہ نے کتاب سے روایت کی ہے؟

عباس الدوری کی روایت ہے کہ مخرمہ ضعیف ہیں اور ان کی حدیث اپنے والد کی کتاب سے

ماخوذ ہے۔ انھوں نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں مخرمہ نے اپنے والد سے صرف ایک حدیث، حدیث وتر کی سماعت کی ہے اور بس!

سعید بن مریم اپنے ماموں موسیٰ بن مسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں مخرمہ کے پاس گیا۔ میں نے ان سے پوچھا!

"کیا آپ کے والد نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے؟"

مخرمہ نے جواب دیا۔

"میں نے اپنے والد کو نہیں پایا، لیکن یہ ان کی کتابیں ہیں۔"

کیا مخرمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی؟

مخرمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی، ان کی کتاب سے روایت کی ہے اس کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ اپنے والد کی کتاب مخرمہ کے پاس محفوظ تھی، لہٰذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انھوں نے حدیث کی روایت باپ سے سن کر کی ہے یا ان کی کتاب دیکھ کر کی ہے بلکہ کتاب سے اخذ کرنا زیادہ محتاط طریقہ ہے بشرطیکہ راوی کو یقین ہو کہ یہ اس کے شیخ کا نسخہ ہے۔

صحابہ اور سلف کا بھی یہی طریقہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکاتیب ملوک وسلاطین کو بھیجا کرتے تھے اور اسی سے ان پر حجت قائم ہوتی تھی۔ بلاد اسلام میں اپنے فرامین ارسال فرماتے تھے اور عمال ان پر عمل درآمد کرتے تھے، اور ان سے حجت لاتے تھے، سلف وخلف کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تحریر پر اعتماد کرتے تھے کیونکہ حفظ خیانت کر سکتا ہے۔ کتاب خیانت نہیں کر سکتی، متقدمین اہل علم میں سے کسی نے بھی احتجاج بالکتاب سے انکار نہیں کیا ہے۔ نہ یہ کہا ہے کہ میں نے تو کاتب سے بالمشافہ بات نہیں کی ہے، اور اس کی کتاب کو قبول نہیں کرتا بلکہ سب کا قبول کتاب پر اجماع ہے۔

خود مخرمہ کا قول کیا ہے؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ مخرمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ہے۔ اور مخرمہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سماعت کی ہے تو دوسرا قول زیادہ قابل قبول ہے۔

عبدالرحمن بن حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد سے مخرمہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا، وہ صالح الحدیث ہیں۔

ابن ابی ذئب کتاب مالک میں فرماتے ہیں کہ میں نے مخرمہ سے پوچھا کہ آپ کی جو حدیثیں آپ کے والد سے روایت کی گئی ہیں آیا آپ نے وہ اپنے والد سے سنی ہیں؟ مخرمہ نے اب البنیۃ یعنی مسجد کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے اپنے والد سے سماعت کی ہے۔

علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ میں نے معن بن عیسیٰ کو کہتے ہوئے سنا کہ مخرمہ نے اپنے والد سے سماعت کی ہے۔

امام مالک کا مخرمہ سے استفسار اور ویسے اتنا ہی کافی ہے کہ امام مالک نے ان کی کتاب بھی دیکھی اور اس سے اپنی مؤطا میں احتجاج کیا، اور فرمایا کرتے تھے۔

"مجھ سے یہ حدیث مخرمہ نے بیان کی اور وہ ایک صالح شخص تھے۔

ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن ابی اویس سے پوچھا:

"مالک بن انس یہ جو کہا کرتے ہیں کہ حدثنی الثقۃ (مجھ سے ایک ثقہ شخص نے حدیث بیان کی) تو یہ ثقہ کون ہے؟

انھوں نے جواب دیا" مخرمہ ابن بکیر!

کیا ایک دفعہ کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں! (اب ہم اصل مسئلہ پر آتے ہیں) صحیح مسلم میں ابن عمرؓ نے ایک دفعہ تین طلاقیں دینے والے شخص سے کہا۔

اب تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔ جب تک وہ تیرے علاوہ کسی غیر شخص سے نکاح نہ کر لے۔ یہ طلاق دے کر تو نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

یہ ہے ابن عمرؓ کی تفسیر طلاق ماموریہ[1] سے متعلق۔ اور یہ تفسیر ایک (جلیل القدر) صحابی کی ہے جو بہر حال حجت ہے۔ حاکم کا قول ہے کہ ابن عمر کی یہ تفسیر درحقیقت مرفوع حدیث ہے۔

[1] ماموریہ، یعنی جس کا حکم دیا گیا ہے۔

طلاق مشروع کیا ہے؟

جو شخص قرآن کریم پر پوری طرح غور کرے گا اس پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ طلاق مشروع بعد خلوت صحیحہ وہ طلاق ہے جس میں رجعت ممکن ہو۔ اللہ تعالٰی نے ایک ہی دفعہ میں تین طلاقوں کا کہیں بھی حکم نہیں دیا ہے وہ فرماتا ہے:

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء

نیز فرماتا ہے:

وبعولتھن احق بردھن، یعنی شوہروں کو (طلاق دے کر) انہیں واپس لے لینے کا زیادہ حق ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر طلاق بعد جماع میں شوہر کو رجعت کا حق ہے، سوا اس طلاق کے جو ان دو کے بعد ہو یعنی تیسری۔

قرآن میں اقسام طلاق کا ذکر

غرض اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں ..... جملہ اقسام طلاق اور ان کے احکام بیان کر دیئے ہیں چنانچہ قرآن میں طلاق قبل از خلوت کا ذکر ہے جس کے لیے کوئی عدت نہیں تیسری طلاق کا ذکر ہے جس کے بعد بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ جب تک کسی دوسرے شخص سے شادی نہ کرلے۔ طلاق فدیہ یعنی خلع کا ذکر ہے۔ طلاق رجعی کا ذکر ہے۔ اس سے احمدؒ اور شافعیؒ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ شرع میں بعد جماع پہلی طلاق کے بغیر دوسری طلاق (بائنہ) نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے:

"میں نے تجھے طلاق بائنہ دی"

تو یہ بائنہ کے بجائے رجعی قرار دی جائے گی اور اس کا وصف بینونت لغو ہوگا۔ کیونکہ شوہر کو حق ابانت بغیر رجعی طلاق دیئے نہیں حاصل ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاق واقع ہو جائیں گی، کیونکہ رجعت شوہر کا حق ہے اور وہ اپنے اس حق سے چاہے تو فائدہ نہ اٹھائے۔

لیکن اس کے برعکس جمہور فقہا کا کہنا یہ ہے کہ بے شک رجعت شوہر کا حق ہے لیکن مطلقۂ رجعیہ کا نفقہ اور لباس، عورت کا حق ہے۔ شوہر کو اسے ساقط کرنے کا حق کہاں سے ملا؟ یہ اسی وقت ساقط ہو سکتا ہے جب بیوی خود اس سے دستبردار ہونے پر تیار ہو جائے۔

علاوہ ازیں اللہ سبحانہ' و تعالیٰ نے اکمل وجوہ پر مشروع کیا ہے، جو مرد اور عورت دونوں کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش ہیں۔ جاہلیت کے زمانہ میں طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ مرد جب چاہتا طلاق دے دیتا جب چاہتا رجعت کر لیتا۔ اس طرح مرد کے لیے تو آسانی ہی آسانی تھی لیکن عورت کے لیے ضرر ہی ضرر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا تین طلاقوں کی حد مقرر کر دی۔ اور قبل از انقضائے عدت تک رجعت کا حق دیا۔ استیفائے عدت کے بعد عورت کو مرد پر حرام کر دیا، اس طرح مرد کو یہ آسانی ہو گئی کہ ایک طلاق سے عورت حرام نہیں ہوتی، اور عورت کو یہ سہولت ہے کہ تین طلاقیں ختم ہونے کے بعد مرد کا اس پر کوئی زور نہیں رہا، پس یہ اللہ کی کوئی تشریع اور حکمت ہے اور حدود میں جن میں صالح عباد کا خیال رکھا گیا ہے۔ پس اگر ایک ہی دفعہ کی طلاق میں وہ حرام ہو جاتی تو یہ خلاف تشریع و حکمت ہوتا۔ مرد ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا مجاز نہیں ہے، بلکہ ایک ایک کر کے دے سکتا ہے ایک سے زیادہ اگر دیتا ہے تو وہ غیر مباح ہے، پس جس طرح ایک طلاق دے کر شوہر ابانت (بائنہ) کا مالک نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ خلاف تشریع ہے، اسی طرح، ایک ساتھ تین طلاقیں دے کر ابانت کا حق نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ یہ بھی خلاف تشریع ہے۔

مسئلہ زیر بحث کا اصل نکتہ اس مسئلہ میں اصل نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے طلاق بائنہ کی صرف دو موقعوں پر اباحت رکھی ہے

ایک طلاق غیر مدخول بہا —— یعنی جس عورت سے ابھی جماع نہ کیا گیا ہو۔

دوسری تیسری طلاق کے بعد۔

ان دونوں صورتوں کے علاوہ شوہر کے لیے رجعت کا حق رکھا ہے، اور یہ بالکل مقتضائے قرآن ہے اور یہی جمہور کا قول ہے: مثلاً امام احمدؒ، امام شافعیؒ وغیرہ۔

اہل ظاہر کا قول اہل ظاہر کا قول ہے کہ بدون طلاق ثلاث، شوہر ابانت کا مالک نہیں

ہو سکتا سوا خلع کے۔

ابن وہب کا مسلک اصحاب مالک میں، ابن وہب ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو رجعی قرار دیتے ہیں۔ یہی کتاب، سنت اور قیاس کا مقتضا ہے، اور یہی اکثر فقہا کا مسلک ہے۔

اس مسئلہ سے متعلق مذاہب فقہ اور ایک ساتھ تین طلاقوں کے واقع ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اس میں چار مذاہب ہیں۔

۱۔ ایک مذہب یہ ہے کہ ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ یہ ائمہ اربعہ، جمہور تابعین، اور اکثر صحابۂ کرام کا مذہب ہے۔

۲۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی بلکہ رد کردی جائیں گی۔ کیونکہ یہ بدعت محرمہ ہے۔ اور بدعت مردود ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا ہے وہ قابل رد ہے۔"

اس مذہب کی حکایت ابو محمد بن حزم، اور امام احمد کی طرف کی جاتی ہے لیکن وہ اس کے منکر ہیں۔ کا قول بھی یہی ہے۔

۳۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق مانی جائے گی جو رجعی ہوگی۔ یہ مسلک ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی تھا، جس کی ابوداؤد نے ان سے روایت کی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں ابن اسحاق کا مذہب بھی یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں خلاف سنت بات، سنت کی طرف رد کردی جائے گی، طاؤس اور عکرمہ کا قول بھی یہی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

۴۔ اس معاملہ میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق کیا جائے گا۔ چنانچہ مدخول بہا (جس سے جماع کیا جاچکا ہو) پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور غیر مدخول بہا پر ایک واقع ہوگی۔

یہ اصحاب ابن عباس کی ایک جماعت کا قول ہے۔ اسحاق بن راہویہ کا مذہب بھی یہی ہے جس سے محمد بن نصر مروزی نے کتاب اختلاف العلماء میں نقل کیا ہے۔

جو لوگ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں، وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ نص اور قیاس کا تقاضہ یہی ہے۔

ابن عباس سے سوال وجواب

جہاں تک نص کا تعلق ہے، معمر اور ابن جریج ابن طاؤس سے اور وہ طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ ابوالصہبا نے ابن عباس سے کہا۔

" کیا آپ کو نہیں معلوم کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں ؟ اسی طرح حضرت ابوبکر کے پورے عہد خلافت میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ نیز امارت عمر رضی اللہ عنہ، کے عہد میں بھی کافی مدت تک یہی طریقہ جاری رہا۔

ابن عباس نے جواب دیا " ہاں!"

یہ روایت مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔

امام احمدؒ کا ارشاد

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ہم سے سعد بن ابراہیم نے، انھوں نے اپنے والد ابراہیم سے، انھوں نے محمد بن اسحاق سے، انھوں نے داؤد بن حصین سے، انھوں نے عکرمہ مولیٰ ابن عباس سے انھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ

رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں مجلس واحد میں (بیک وقت) دیں۔ پھر بعد میں اپنی اس حرکت پر بہت ملول اور غمگین ہوئے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا،

"تم نے کس طرح طلاق دی تھی ؟"

رکانہ نے جواب دیا۔

میں نے تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں ؟

آپؐ نے پوچھا، "مجلس واحد میں ؟"

رکانہ نے کہا، "جی ہاں، !"

آپؐ نے فرمایا،

" وہ ایک ہے چاہو تو رجعت کرلو،

اکا نہ کہتے ہیں " پھر میں نے رجعت کر لی"۔

ابن عباس کے نزدیک طلاق ہر طہر ہی میں دی جا سکتی ہے۔

قیاس کیا کہتا ہے اب رہا قیاس، سو اس نقطۂ نظر سے بھی جیسا کہ بتایا جا چکا ہے تین طلاقوں کا ایک وقت جمع کرنا حرام ہے، اور بدعت ہے اور ہر بدعت مردود ہے، کیونکہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں ہے۔ غرض بیان تحریم طلاق ثلاثہ سے متعلق جو کچھ بتایا اور کہا جا چکا ہے وہ اس پر دال ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں۔

اپنے خلاف چار شہادتیں بھی تابڑ توڑ نہیں اقرار زنا سے متعلق حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بعض صحابہ نے ماعز سے کہا،

" اگر تو نے چار مرتبہ اقرار (زنا) کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے سنگسار کرا دیں گے"

اور یہ چار مرتبہ تابڑ توڑ کہنا خلاف عقل ہے، ایک ہی واقعہ میں چاروں اقرار نہیں ہو سکتے۔

مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کی تفریق وہ لوگ جو مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق کرتے ہیں، ان کی دو دلیلیں ہیں، ایک تو وہ ہے جو ابو داؤد نے اسناد صحیح کے ساتھ طاؤس سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی جس کا نام ابو الصہبا تھا، ابن عباس سے اکثر سوالات کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ اس سے ابن عباس نے کہا۔

" کیا تم نہیں جانتے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو جماع سے پہلے تین طلاقیں دے دیتا، تو وہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر صدیق اور صدر امارت عمرؓ تک ایک ہی مانی جاتی تھی، پھر جب عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بہ کثرت یہ کام کرنے لگے ہیں تو انھوں نے فرمایا"

" ان لوگوں پر پھر اسے مسلط ہی کر دو"

نقل و قیاس کی تائید یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کو لازم کر دینا حضرت عمرؓ کا فیصلہ تو تھا، لیکن مدخول بہا کیلئے ہے اور حدیث ابو الصہباء غیر مدخول بہا کے لیے ہے۔

مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کی تفریق میں جانبین کے پاس منقول دلائل موجود ہیں، قیاس کی

تائید بھی دونوں کو حاصل ہے، اور بقول ابن حزم ان اقوال میں سے ہر قول کے ساتھ اہل فتویٰ کی جماعت موجود ہے۔

مذہب امامیہ اور اہل بیت کا مسلک

لیکن ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کا قطعاً، کسی صورت میں بھی واقع نہ ہونا امامیہ فرقہ کا مذہب ہے، اہل بیت کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے۔

ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں پر گفتگو

جو لوگ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو درست مانتے ہیں وہ کہتے ہیں، اس مسئلہ پر گفتگو کرو گے تو دو باتیں سامنے آئیں گی، ایک تحریم جمع ثلاث، یعنی ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کی حرمت، دوسرے، ان طلاقوں کا فوری وقوع، حرمت کے باوجود اب ہم اس مسئلہ پر دو طرح گفتگو کریں گے،

پہلی بات یہ کہ شافعی، ابو ثور، احمد بن حنبل (ایک روایت میں) اور اہل ظاہر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جمع ثلاث سنت ہے، اور دلیل قول خدائے تعالےٰ سے یہ ہے کہ

(یعنی اگر کوئی شخص اپنی) بیوی کو طلاق دیدے، تو وہ اس کیلئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی، جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے)

اس ارشاد خداوندی میں اس کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے کہ طلاق ایک ساتھ دی جائے یا الگ الگ کرکے اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جس چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تفریق نہیں کی ہے ہم کرنے لگیں، بالکل اسی طرح جیسے اس چیز میں ہم جمع نہیں کرسکتے جس میں خدا نے تفریق کردی ہو، اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

(یعنی اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے (جماع) سے پہلے طلاق دو) ــــ

اس طلاق میں بھی جمع و تفریق کا کوئی ذکر نہیں ہے، (اسی طرح کئی دوسری آیتیں ہیں جن میں طلاق کا بغیر جمع و تفریق کی تصریح کے ذکر ہے)

فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال

صحیحین میں ابو سلمہ بن عبدالرحمان کی حدیث ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے انھیں خبر دی کہ ان کے شوہر ابو حفص بن مغیرہ مخزومی نے انہیں تین طلاقیں ایک ساتھ دیں، پھر یمن چلے گئے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا،

"ابو حفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، کیا وہ نفقہ کی مستحق ہیں؟"

آپؐ نے فرمایا، "وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے، عدت گزارے"!

صحیح مسلم کی ایک روایت میں اسی قصہ سے متعلق یہ روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا،

"جس عورت کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں، اس کے لیے نہ نفقہ ہے، نہ سکنیٰ!"

عبدالرزاق نے اپنی "مصنف" میں یحییٰ بن علاء سے، انھوں نے عبیداللہ بن ولید سے، انھوں نے ابراہیم بن عبیداللہ بن عبادہ بن صامت سے انھوں نے داؤد سے، انھوں نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا، میرے دادا نے اپنی (ایک) بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہارا جد خدا سے نہیں ڈرا، ان (طلاقوں میں سے) تین تو ہو گئیں باقی، ۹۹۷ ظلم و عدوان کی حیثیت رکھتی ہیں، خدا نے اگر چاہا تو اس حرکت پر عذاب دے گا، چاہے گا تو بخش دے گا"!

بیہقی کہتے ہیں سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار، مالک بن حارث محمد بن ایاس بن بکیر وغیرہ، نیز معاویہ بن ابی عیاش انصاری، یہ سب کے سب ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ انھوں نے ایک وقت میں دی گئی تین طلاقوں کو جائز رکھا۔ اور انھیں نافذ کیا۔

ابن منذر کہتے ہیں یہ بات قطعاً نادرست ہے کہ ابن عباس کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات جانتے ہوں، اور اس کے خلاف فتویٰ دیں۔

حدیث میں تعارض ہو تو عمل صحابہ دیکھا جائے گا

اور اگر احادیث میں کچھ تعارض نظر آئے، تو ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھیں گے، کیونکہ وہ سنت رسول کے زیادہ عالم تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کی ایک ہزار دی ہوئی طلاقوں میں سے تین نافذ کردیں، جب اس نے مذاق کا عذر کیا تو اسے درّے سے مارا بھی،

اسی طرح، وکیع، اعمش سے، اور وہ حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے کہا۔

"میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں"!

حضرت علی نے فرمایا، "وہ تین طلاق سے بائنہ ہوگئی! باقی طلاقیں اپنی دوسری بیویوں پر تقسیم کردے"!

اسی طرح حضرت عثمان کا فیصلہ بھی مروی ہے۔

ابو داؤد نے اپنی سنن میں محمد بن ریاس کی روایت درج کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ و عبداللہ بن عمرو بن العاص، رضی اللہ عنہم سے ایک باکرہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا۔ جس کے شوہر نے اسے تین طلاقیں دیدی تھیں، ان سب نے یہ فتویٰ دیا کہ اب یہ عورت اپنے شوہر پر اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔

— اور ظاہر ہے یہ سب (جلیل القدر) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، انھوں نے ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو جائز ٹھہرایا۔

امر صواب حرام نہیں کیا جاسکتا

غرض اس مسئلہ میں ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں کہ یہ سنت و شرع رسولؐ کے زیادہ عالم تھے، اگر شریعت سے یہ ثابت ہوتا کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں ہوں گی، تو یہ بات ان سے مخفی نہ رہتی، تو یہ ہرگز ایک امر صواب کو حرام نہ قرار دیتے۔

مانعین طلاق ثلاث کا قول — مانعین وقوع طلاق ثلاث کہتے ہیں کہ ہم

اپنی طرف سے تم پر کوئی بات نہیں ٹھونستے، ہم تو جو کچھ کہتے ہیں وہ منصوص من اللہ ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نص ثابت ہے، یا اجماع متیقن ہے جو شک وشبہ سے ماوراء ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (یعنی اگر تم میں کسی مسئلہ پر منازعت ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ) ۔۔۔!

پس یہ مسئلہ خدا اور رسول کے سوا کسی اور طرف لوٹایا نہیں جا سکتا۔

قرآن سے جمع ثلاث ثابت نہیں تمہارا یہ دعویٰ کہ قرآن جواز جمع طلاق ثلاث پر دال ہے یہ سراسر غیر مقبول دعویٰ ہے، بلکہ باطل ہے، تم نے قرآن کے لفظ طلاق کو مطلق طور پر لیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ قرآن ہر طلاق کو جائز نہیں قرار دیتا، اسی نے احکام طلاق کو صاف اور واضح طور پر بیان کر دیا ہے، اور حلال وحرام کی تشریح کر دی ہے۔

روایت کا اخذ، اور فتوے سے اعراض اور تمہارا فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال تو حد درجہ حیرت انگیز ہے تم نے اس چیز کی تو مخالفت کی ہے جو صریح ہے اور جس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے یعنی بائن کے لیے سقوط نفقہ وکسوہ (لباس)، حالانکہ صحت صراحت کے ساتھ ثابت ہے، اور اس کا معارض کوئی اور حدیث بھی نہیں ہے۔ اور تمسک اس چیز سے کیا ہے جو یہ ہے اس حدیث میں "طلقہا ثلاثًا" (فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دیں) یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ تین طلاقیں ایک ساتھ دیں، بلکہ زہری نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے جو روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ ابو حفص نے فاطمہ بنت قیس کو وہ طلاق دی جو [illegible]تی تھی، بلکہ صحیح کے لفظ یہ ہیں کہ ابو حفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقوں کی آخری (تیسری) طلاق دی، یہ سند صحیح متصل ہے اور آفتاب کی طرح روشن ہے، پھر اس سے اپنے مطلب کی دلیل لانا کس طرح روا ہو سکتا ہے؛ جب کہ درحقیقت یہ حجت خود تمہارے خلاف ہے۔

ساقط الاعتبار حدیث ۔۔۔ تم نے عبادہ بن صامت کی حدیث سے بھی استدلال

کیا ہے، جسے عبد الرزاق نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

لیکن یہ حدیث قطعاً ساقط الاعتبار ہے' اس کے سلسلۂ روایت میں یحیٰی بن علاء ہیں، جنہوں نے عبید اللہ بن ولید وصافی سے اور انھوں نے ابراہیم بن عبید اللہ سے روایت کی ہے اور یہ ضعیف ہیں، مجہول ہیں،

اور سب سے بڑھ کر اس حدیث کے کذب و بطلان کی جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن صامت کے والد نے اسلام قبول کیا تھا، پھر وہ اپنے دادا کی طلاق کے بارے میں کس طرح سوال کر سکتے تھے ؟ ۔

حدیث ابو الصہبا پر گفتگو

اور حدیث ابو الصہباء کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو مسالک گوناگوں اختیار کیے ہیں' ان میں سے ایک بھی صحیح اور درست نہیں ہے۔

اس حدیث کے بارے میں یہ اعراض کہ اس کی روایت میں مسلم منفرد ہیں اور بخاری نے اسے قبول کرنے سے اعراض کیا ہے، حدیث کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہے ؟ کیا بخاری نے کبھی بھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے جو حدیث اپنی کتاب میں درج نہیں کی وہ باطل ہے ؟ حجت نہیں ہے ؟ ضعیف ہے ؟

تم نے ابن عباس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی تناقض سے خالی نہیں' ابن عباس نے بریرہ کی حدیث وتخییر کی روایت کی ہے' مگر یہ بیع طلاق نہیں تھی' ابن عباس کی رائے میں باندی کی بیع اس کی طلاق ہے، تم نے ابن عباس کی روایت لے لی، اور رائے چھوڑ دی، تم کو روایت معلوم ہے، اور صحابی کی رائے غیر معلوم ہے، حالانکہ روایت بھی احتمالات عدم مثلاً، نسیان، تاویل، نسخ، تخصیص وغیرہ کی محتمل ہو سکتی ہے، اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ کی حدیث تسبیع ہے، جو دقوعِ قلب سے متعلق ہے، جس کے خلاف انھوں نے فتویٰ دیا ہے تم نے ان کی روایت قبول کر لی اور فتویٰ ترک کر دیا، اگر ہم اس طرح کی مثالیں پیش کرنے پر آئیں کہ تم نے صحابی کی روایت لے لی۔ اور اس کا فتویٰ نظر انداز کر رہے ہو تو فہرست لمبی ہو جائے گی۔

تم نے ابن عباس سے عکرمہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے جو طلاق ثلاث کے بعد نسخ مراجعت (رجعت) پر مشتمل ہے، اسے اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی تمہاری حسب دل خواہ بات اس سے نہیں نکلتی، اس میں یہی تو ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور اس سے جتنی بار چاہے مراجعت کرلے، بے شک یہ بات منسوخ ہے، پھر معاملہ تین طلاقوں پر محدود ہوگیا۔ جس کے بعد رجعت کی اجازت نہیں رہی، لیکن اس سے تین طلاقیں ایک دفعہ میں کب ثابت ہوتی ہیں؟ علاوہ ازیں یہ کیونکر ممکن تھا کہ عہد رسالت مآبؐ، عہد ابوبکر صدیق، اور دور خلافت عمرؓ کے زمانۂ وسطی تک نسخ کے بعد بھی یہ تعامل جاری رہتا؟ کیونکر ممکن تھا کہ امت ایک ایسے مسئلہ سے لاعلم رہتی جس پر کسی عورت کے حلال یا حرام ہونے کا انحصار تھا۔

قضائے عمر رضی اللہ عنہ کی مصلحت

نیز حضرت عمرؓ کی قضا جمع طلاق ثلاث کی تو یہ ایک طرح کی عقوبت تھی، کہ طلاق دینے والا جان لے کہ اگر اس نے بیک مجلس تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائے گی، تو وہ باز رہے گا، اور طلاق مشروع و ماذون کی طرف لوٹ آئے گا، یہ رعیت کے لیے حضرت عمرؓ کی تادیب تھی، کیونکہ لوگوں نے بکثرت یہ کام شروع کردیا تھا۔

تعارض حدیث اور عمل صحابہ

تم کہتے ہو کہ اگر ہمارے سامنے متعارض حدیثیں ہوں تو ہم عمل صحابہ کو دیکھیں گے، یہ ٹھیک ہے لیکن تمہیں یہ کب زیب دیتا ہے، کہ ہمیں تو ایک امر کی دعوت دو، اور خود ہی اس سے روگرداں ہوجاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جب ہوئی، تو کم وبیش ایک لاکھ صحابہ موجود تھے جنھوں نے آپؐ کو دیکھا تھا اور آپؐ سے سنا تھا، کیا تم ان سب سے، یا ان کے دسویں حصہ سے یا دسویں کے دسویں حصہ سے۔ یا دسویں کے دسویں حصہ کے دسویں حصہ سے بیک وقت لزوم طلاق ثلاث ثابت کرسکتے ہو؟ تم پوری کوشش کرڈالو، بیس صحابی بھی جو آپس میں گو مختلف الرائے ہوں، ایسے نہیں ملیں گے جن سے تم اپنا دعویٰ نقل کرسکو، اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ اور ہمارا کہنا سچ ہی ہوگا کہ اس مسئلہ پر قدیم سے اجماع ہے، رسول اللہؐ کے وقت سے لے کر

ابوبکر صدیق کے عہد تک وہ صحابی بھی ایسے نہیں ملیں گے، جنھوں نے عدم وقوع طلاق ثلاث سے انکار کیا ہو، اور یہ عصر اجماع اس وقت تک ختم نہیں ہوا، جب تک اختلاف رونما نہیں ہوا، اور صحابہ کے دو قولوں پر ہونے کے باعث اجماع اوّل مستقر بھی نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ ان کے ▮ بین اختلاف پیدا ہوا، اور یہ مستمر طور پر آج تک موجود ہے۔

حضرت عمر رضہ کی رائے، حدیث نہیں

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ عمر رضہ نے اپنے عہد سے پہلے کے اجماع سے اختلاف نہیں کیا بلکہ وقوع طلاق ثلاث کو عقوبت کے طور پر لازم کیا، تاکہ لوگ جان لیں کہ ایک وقت میں تین طلاقیں دینا حرام ہے، اور کوئی شبہ نہیں کہ امام وقت کے لیے یہ روا ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو تادیب عقوبت کے طور پر قطعی طور پر اللہ کی دی ہوئی رخصت واپس لے لے۔ اور شدت اور سختی کی پالیسی اختیار کر لے، ائمہ نے ایسا کیا ہے، پھر حضرت عمر رضہ جیسا شخص جس کی نگاہ امت اور اس کی تادیب پر بہت زیادہ تھی، اس فعل حرام کے شیوع عام پر ایسا کیوں نہ کرتا؟ عقوبت، اختلاف، اشخاص وازمنہ کے ساتھ مختلف ہوتی رہتی ہے، چنانچہ حضرت عمر رضہ نے اپنے اس فعل کے جواز میں یہ کبھی نہیں کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، یہ صرف ان کی رائے ہے جو امت کی مصلحت عمومی کی بنیاد پر انھوں نے..... قائم کی تھی، جو انہیں ایقاع طلاق ثلاث میں جلد بازی سے روکنے کے لیے کافی تھی، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا۔

"بہتر ہو کہ ہم اسے (تین طلاقیں ایک دفعہ) ان پر عائد کر دیں!"

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کی رائے تھی، حدیث نبوی نہیں تھی؟

(۶)

غلام کی طلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم!

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ایک غلام نے اپنی بیوی کو ــــ جو خود بھی باندی ہے ــــ دو طلاقیں دیں۔ پھر اسے آزاد کر دیا، آیا اب وہ اس کے لیے حلال ہو گئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اہل سنن نے ابوالحسن مولیٰ بنی نوفل کی حدیث روایت کی ہے، کہ انھوں نے ابن عباس سے فتویٰ پوچھا کہ ایک غلام، اپنی بیوی کو جو باندی ہے، دو طلاقیں دے دیتا ہے، اس کے بعد دونوں آزاد ہو جاتے ہیں، تو کیا اب وہ آزاد شدہ غلام اس آزاد شدہ باندی سے شادی کر سکتا ہے؟

ابن عباس نے جواب دیا، "ہاں، ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا ہے"!!

ایک اور روایت میں ہے کہ ابن عباس نے کہا، اور اب اس شخص کے لیے ایک طلاق باقی رہ گئی، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اسی طرح کا ہے"!!

فقہا کے اقوال اربعہ:- فرض کیجئے ہیں، اگر غلام آزاد ہو گیا، اور زوجہ اس کے حبالۂ عقد میں ہے تو اب وہ پوری تین طلاقوں کا مالک بن گیا، اور اس نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں، تو اس بارے میں فقہا کے چار اقوال ہیں:!

۱- ▪ عورت اب اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی۔ جب تک کسی

دوسرے شخص سے شادی نہ کرلے، عام اس سے کہ وہ حرّہ ہو یا باندی، یہ امام شافعی، اور احمد کا قول (ایک روایت کے مطابق) ہے، اس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ طلاق مرد کا حق ہے ؛ اور یہ غلام دو طلاقوں کا حق رکھتا ہے بیوی آزاد ہو یا غلام اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۲- یہ کہ طلاق کے بعد، فوراً پھر اس عورت سے بغیر کسی شرط کے عقد کرلے۔ جیسا کہ عمرو بن معتب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے، امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے ؛ نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے اشوافع کی دو وجہوں میں سے ایک ہے۔

یہ قول فقہ دقیق کا حامل ہے، کیونکہ غلامی کے باعث اسے دو طلاقوں سے زیادہ کا حق نہ تھا، اب اگر وہ آزاد ہوا، اور بیوی عدت میں ہے تو نقص غلامی زائل ہوگیا، اور تین طلاقوں کی ملکیت کا سبب پیدا ہوگیا، چونکہ نکاح کے آثار باقی ہیں، لہٰذا اسے رجعت کا حق حاصل ہے۔

البتہ انقضائے عدت کے بعد اگر وہ آزاد ہوا، تو بیوی بائن ہوگئی، البتہ بغیر دوسری شادی کیے ہوئے بہ حیثیت باندی کے وہ اس کے لیے حلال ہوسکتی ہے۔

۳- دوران عدت میں شوہر کو رجعت کرلینے کا حق حاصل ہے، اور اس کے بعد، بدون زوج اصابہ کے اس سے نکاح کرلے، اگرچہ وہ آزاد نہ ہوا ہو،

تمام اہل ظاہر کا مذہب یہی ہے، ان کے نزدیک طلاق میں عبد اور حر برابر ہیں۔

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے، انھوں نے ابو معبد مولیٰ ابن عباس سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں، ابن عباس نے اسے حکم دیا کہ رجعت کرلے، مگر اس نے رجعت کرنے سے انکار کردیا ابن عباس نے کہا۔

"یہ (بہر حال) تیری ہے"!

"ملک یمین" کی حیثیت سے انھوں نے اس کے لیئے اسے حلال کردیا،

۴- اگر زوجہ حرّہ ہے، تو شوہر کو اس کے لیے تین طلاقوں کا حق حاصل ہے، اور اگر باندی

ہے، تو جب تک کسی دوسرے شخص سے شادی نہ کرے حرام ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے،

مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق چار اقوال

لیکن یہ مسئلہ سلف و خلف کے مابین اختلافی ہے، اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں، :

۱۔ عبد اور حر کی طلاق یکساں ہے، ـــ تمام اہل ظاہر کا مسلک یہی ہے، طلاق سے متعلق عموم نص سے انھوں نے احتجاج کیا ہے کہ اس میں عبد اور حر کی تفریق نہیں ہے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظ دی، جو باندی تھی، اس پر ابن عباس نے فرمایا،

"تجھے طلاق کا حق نہیں ہے، لہٰذا رجعت کرلے، !"

عبدالرزاق معمر سے وہ سماک بن فضل سے روایت کرتے ہیں کہ اس غلام نے اس بارے میں ابن عمر رضہ سے سوال کیا، انھوں نے جواب میں کہا۔

"ہرگز رجعت مت کر، اگرچہ تیرا سر اڑا دیا جائے، !"

اس فتوے کی اساس یہ تھی کہ غلام کا نکاح اور طلاق آقا کے ہاتھ میں ہے

عبدالرزاق نے ابن جریج سے، انھوں نے ابوالزبیر سے روایت کیا کہ انھوں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے۔

"غلام اور باندی کو آقا (نکاح کے بندھن میں) جمع کرسکتا، اور وہی ان دونوں میں تفریق کرسکتا ہے، !"

ابوالشعثار کا قول بھی یہی ہے۔

شعبی کا قول ہے کہ اہل مدینہ کے نزدیک غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر طلاق نہیں دے سکتا۔ ابن عباس کا ماخذ یہی ہے، نہ یہ کہ غلام کو تین طلاقوں کا حق ہے اگر اس کی شادی باندی سے ہوئی ہو، لیکن ہمارے علم میں کسی اور صحابی کا اس طرح کا قول نہیں ہے ـــ !

۲۔ زوجین اگر غلام ہیں، تو یہ سبب رِق (غلامی) دو طلاقیں ہونگی۔

۳- طلاق رجال کا حق ہے،

مرد حر تین طلاقوں کا مالک ہے اگرچہ اس کی بیوی باندی ہو، غلام دو طلاقوں کا مالک اگرچہ اس کی بیوی حرہ ہو،

امام شافعی، مالک، اور احمد کا قول یہی ہے، علاوہ ازیں زید بن ثابت، عائشہ رضی اللہ عنہا ام سلمہ، ام المومنین، عثمان بن عفان، اور عبداللہ بن عباس کا قول بھی یہی ہے، نیز قاسم، سالم ابوسلمہ، عمر بن عبدالعزیز، یحییٰ بن سعید، ربیعہ، ابوالزناد، سلیمان بن یسار، عمرو بن شعیب، ابن المسیب، اور عطا کا مذہب بھی یہی ہے۔

۴- عدت کی طرح طلاق بھی عورت کی ہے،

حسن، ابن سیرین، قتادہ، ابراہیم شعبی، عکرمہ، مجاہد، ثوری، حسن بن حی، اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا مسلک بھی یہی ہے۔

ام المومنین ام سلمہ کی روایت

اگر کہا جائے کہ اس قول کی دلیل کیا ہے، تو جواب میں کہا جائے گا کہ عبدالرزاق ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ انصاری سے، اور وہ نافع سے، اور وہ ام سلمہ اور ام المومنین سے کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں، جو حرہ تھی، ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا، وہ کہتی ہیں کہ آپ نے فرمایا،

"اب یہ عورت اس پر حرام ہو گئی، جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے!"

آثار و قیاس میں تعارض

لیکن یہ آثار از روئے روایت و درایت ثابت نہیں ہیں، آثار صحابہ و قیاس بھی متعارض ہیں،

جو لوگ مطلق (طلاق دینے والے) کی طرف مائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ طلاق کا مالک وہی ہے، اور غلامی کی وجہ سے یہ ملکیت معتق رہ جائے گی، جیسے نصاب منکوحات غلامی کے باعث نصف رہ جاتا ہے۔

جو لوگ مطلقہ کی طرف مائل ہیں، وہ کہتے ہیں طلاق عورت پر واقع ہوتی ہے، عدت، تحریم اور توزیع اس پر لازم آتے ہیں، لہٰذا عدت کی طرح یہاں بھی نصف کا معاملہ ہوگا،

اطلاق نصوص سے تمسک جو لوگ مملوک کے لیئے تین طلاق کا حق تسلیم کرتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ آثار ثابت نہیں ہیں، اور صحابہ سے جو کچھ منقول ہے وہ متعارض ہے، یہی حال قیاس کا ہے، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر بھروسہ کیا جاسکے، لہٰذا وہ اطلاق نصوص سے تمسک کرتے ہیں جو اس پر دال ہیں کہ طلاق رجعی دو ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس باب میں مرد حر اور غلام میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، نہ حرہ اور باندی کے مابین کسی طرح کا فرق رکھا ہے۔

ائمہ فقہ کے اقوال امام مالک کہتے ہیں کہ مملوک بھی مرد حر کی طرح چار بیویاں رکھ سکتا ہے کیونکہ اس معاملہ میں اس کی حاجت بھی مرد حر کی طرح ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مملوک اور مرد حر کی طلاق عملاً یکساں ہیں اگر ان کی بیویاں حرہ ہوں کیونکہ نصوص طلاق مطلق طور پر وارد ہوتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ مملوک اور مرد حر کے صیام کفارات یکساں ہیں، اسی طرح مملوک اور حر کی حد سرقہ اور شراب نوشی کی یکساں ہے۔

اگر آثار صحابہ متفقہ ہوتے تو ہم کسی اور طرف رُخ نہ کرتے، کیونکہ حق وہیں مل سکتا ہے،

طلاق حق زوج ہے!

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے،!

یا ایھا الذین امنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن (یعنی اے مسلمانوں جب تم مؤمنات سے نکاح کرو، اور پھر انھیں طلاق دو)

نیز فرمایا،

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوفارقوھن بمعروف (یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دو، پس جب وہ اپنی عدت گزار لیں، تو یا خوبی کے ساتھ رجعت کر لو، یا خوبی کے ساتھ جدائی اختیار کر لو)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے طلاق کا حق اسے دیا ہے جو نکاح کرتا ہے، کیونکہ اسی کو امساک یعنی رجعت کا حق بھی ہے۔

سنن ابن ماجہ کی روایت

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ابن عباسؓ کی حدیث درج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا، اس نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ، میرے آقا نے اپنی ایک باندی سے میری شادی کر دی، اور اب وہ میرے اور اس کے درمیان تفریق چاہتا ہے"!"

ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سن کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، اور فرمایا، !

"لوگو یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میں کا ایک شخص اپنے غلام کی شادی، اپنی باندی سے

کر دیتا ہے، پھر ان دونوں میں تفریق کرانا چاہتا ہے (یاد رکھو بے شک طلاق اس کا حق ہے، جو اپنی بیوی سے تمتع کرتا ہے۔)"

کیا نکاح و طلاق کا مالک آقا ہے

عبدالکریم جزری عطار سے روایت کرتے ہیں کہ "غلام کی طلاق کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔!"

ابوالزبیر جابر سے روایت کرتے ہیں کہ:

باندی اور غلام کو آقا جمع (نکاح) کر سکتا ہے، اور وہی ان دونوں میں تفریق (طلاق) کر سکتا ہے۔!"

قضائے رسول اللہ ﷺ سب پر مقدم ہے،

لیکن بہر حال قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتباع اور پیروی کی زیادہ حقدار ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث اوپر ذکر ہوئی، اگرچہ اس کی اسناد کمزور ہے، لیکن قرآن سے اسے قوت حاصل ہے، اور اس پر لوگوں کا عمل ہے۔!"

تین طلاقیں

دُوسرے شخص سے نکاح کے بعد پہلا شوہر پورا کرے گا!

ابن مبارک عثمان بن مقسم سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بنیہہ بن بنت وہب کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی عورت کے بارے میں جب اس کے شوہر نے تین سے کم طلاقیں دی تھیں، اس کی دوسری شادی کے بعد پھر اس سے شادی کرلی تو اب وہ صرف بقیہ طلاق کا مالک ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ اثر اگرچہ ضعیف اور مجہول ہے لیکن اکابر صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے، جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنی "مصنف" میں، مالک اور ابن وہب نے زہری سے "انھوں نے ابن المسیب اور حمید بن عبدالرحمان اور عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود اور سلیمان بن یسار سے روایت کی کہ ابوہریرہ کو کہتے ہوئے سنا،:

"اگر کسی عورت کو اس کا شوہر ایک یا دو طلاقیں دے دے، پھر اسے چھوڑ دے، اور وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، پھر وہ دوسرا شخص مرجائے یا اسے طلاق دے دے پھر وہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے نکاح کرلے، تو اب اس عورت کی صرف بقیہ طلاقیں شوہر کی ملکیت ہوں گی،!"

اسی طرح کی روایت حضرت علی بن ابی طالب، ابی کعب، اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اکابر صحابہ کا قول امام احمدؒ کہتے ہیں،:

"اکابر صحابہ کا یہی قول ہے"!

ابن مسعود، ابن عمر، اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اب وہ عورت تین طلاقوں کی طرف جائے گی، یعنی اسے تین طلاقیں حاصل کرنے کا حق ہوگا"۔[۱]

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں،

"نکاح بھی جدید، طلاق بھی جدید"[۱]

امام ابو حنیفہ کا مسلک

قول اول[۱] کی طرف اہل حدیث حضرات گئے ہیں، جن میں امام احمد، شافعی، اور مالک بھی ہیں،

دوسرے قول[۲] کی طرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ گئے ہیں۔

---

[۱] یعنی صرف بقیہ طلاقیں حاصل ہوں گی، دوسرے شوہر کی وفات یا طلاق کے بعد پہلے شوہر سے پھر نکاح کی صورت میں۔

[۲] یعنی دوسرے شوہر سے شادی کے بعد سابقہ شوہر کے حبالۂ عقد میں آنے کے بعد نیا معاملہ ہوگا، یعنی تین طلاقیں ملک شوہر ہوں گی

طلاق مغلّظہ کے بعد

زوج ثانی کے تمتع بغیر پہلے شوہر پر عورت حلال نہیں ہو سکتی

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض گزار ہوئیں،

"اے اللہ کے رسول رفاعہ نے مجھے طلاق دی، اس کے بعد میں نے عبدالرحمان قرظی سے شادی کر لی، لیکن وہ اس جیسا نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شاید تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے، نہیں، جب تک تم دونوں ایک دوسرے سے تمتع (مجامعت نہ کرلو)"

سنن نسائی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "عسیلہ" سے مراد جماع ہے، اگرچہ انزال نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رض کی روایت

صحیحین میں ابن عمر رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس سے ایک دوسرے آدمی نے شادی کر لی، دروازہ بند کر لیا، پردہ ڈال دیا، پھر قبل از جماع اسے طلاق دے دی، آپ نے فرمایا یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی، جب تک دوسرا شوہر اس سے جماع نہ کر لے۔

مذکورہ بالا حکم سے مسائل مستنبط

اس حکم سے کئی امور واضح ہوتے ہیں:

۱- عورت کا یہ قول قبول نہیں کیا جا سکتا کہ شوہر جماع پر قادر نہیں ہے،

۲۔ پہلے شوہر کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کی شرط اصابت زوج ثانی ہے۔
۳۔ مجرد جماع کافی ہے، انزال کی شرط نہیں۔
۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرد عقد کو، یا خلوت کو، یا دروازہ بند کر لینے اور پردہ ڈال دینے کو کافی نہیں قرار دیا ہے، بلکہ وطی (جماع) ضروری قرار دی ہے،

بیوی کی طرف سے طلاق کا ایک گواہ

اور شوہر کا طلاق دینے سے انکار

ابن وضاح ابو مریم سے، وہ عمرو بن ابی اسلمہ سے، وہ زہیر بن محمدؒ سے، وہ ابن جریج سے، وہ عمرو بن شعیب سے، وہ شعیب سے، وہ اپنے والد سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دیدی ہے۔ اور ایک عادل گواہ کی شہادت پیش کرے، تو شوہر سے قسم لی جائے گی کہ آیا اس نے طلاق دی ہے یا نہیں؟ اگر اس نے حلف سے کر انکار کیا تو گواہ کی شہادت اس کے خلاف باطل قرار دی جائے گی، اور اگر اس نے قسم نہیں کھائی، تو اس کا یہ قول بمنزلۂ دوسرے گواہ کے ہوگا، اور طلاق جائز قرار دی جائے گی،

اس حکم سے چار مسائل کا استنباط

اس حکم سے چار امور واضح ہوتے ہیں،

۱۔ طلاق میں ایک گواہ کی شہادت عورت کی قسم کے باوجود کوئی حیثیت نہیں رکھتی،

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ شاہد و یمین کا معاملہ مالی معاملات سے خاص ہے، لیکن حد، نکاح، طلاق، اعتاق۔ اور سرقہ میں کافی نہیں ہے،

یہ حدیث جو اوپر ذکر ہوئی، اپنے راویوں کے ثقہ ہونے کے اعتبار سے صحیح ترین حدیث ہے۔

۲۔ عورت کی طرف سے دعوائے طلاق میں شوہر سے حلف لیا جائے گا۔ اگر وہ اپنے دعوے کا بینہ نہ پیش کر سکے۔

۳۔ اگر مدعا علیہ حلف نہ لے تو پھر ایک گواہ کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا، بلکہ امام احمدؒ تو کہتے ہیں کہ عورت صرف دعویٰ کرے کہ شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے، اور کوئی گواہ نہ پیش کرے، اور شوہر حلف لینے سے انکار کر دے، تو بھی طلاق کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۴۔ شوہر کا حلف لینے سے انکار خود ایک ثبوت ہے اس کے طلاق دینے کا۔

مسئلہ تخییر ازواج و توکیل طلاق

فقہ کا ایک بے حد اہم، نزاعی اور اختلافی مسئلہ

حضرت عائشہ رضی کی روایت

صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، وہ فرماتی ہیں :-

" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو تخییر کا حکم دیا، تو مجھ سے آغاز کیا، آپؐ نے فرمایا، میں تم سے ایک بات کا ذکر کرنے والا ہوں، لیکن تم جلد بازی سے کام نہ لینا جب تک اپنے والدین سے اجازت نہ لے لو، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپؐ جانتے تھے میرے والدین آپؐ سے جدائی کا مجھے حکم نہیں دے سکتے تھے، اس کے بعد آپؐ نے وہ آیت پڑھی جس میں وارد ہوا ہے : " اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی حیات و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دلا کر خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دوں ، اور اگر تم اللہ، اور رسول، اور دار آخرت کی متمنی ہو تو اللہ تعالےٰ نے تم میں سے محسنات کے لیئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ،

میں نے عرض کیا،

کیا اس بارے میں مجھے اپنے والدین سے اجازت لینی ہے ؟

میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں -

حضرت عائشہ فرماتی ہیں پھر دوسری ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی ایسا ہی کیا جو ہیں نے کیا تھا، اور یہ طلاق نہیں تھی!

مسئلہ تخییر میں اختلاف

مسئلہ تخییر میں لوگوں کا اختلاف دو صورتوں میں ہے، ایک یہ کہ اس کی نوعیت کیا تھی، اور دوسرے یہ کہ اس کا حکم کیا ہے؟

جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے تو جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تخییر اس باب میں تھی کہ ازواج کو آپ کے ساتھ رہنے اور جدائی اختیار کر لینے کا اختیار دیا گیا تھا،

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ:

"ازواج نبی کو دنیا اور آخرت میں سے ایک چیز اختیار کر لینے کا اختیار دیا گیا تھا، لیکن یہ اختیار طلاق سے متعلق نہ تھا،"

لیکن سیاق قرآن، اور قول عائشہ رضی اللہ عنہا سے مذکورہ قول درست ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ازواج نبی کو اختیار دیا کہ وہ اللہ، رسول، دار آخرت، اور حیات و زینت دنیا میں سے جو چاہیں اختیار کر لیں، اور بلا شک و نزاع یہ طلاق کی صورت تھی،

حکم تخییر کے دو پہلو

اب رہ جاتا ہے حکم تخییر کا مسئلہ، اس کے بھی دو پہلو ہیں، ایک حکم اختیار زوج، دوسرا حکم اختیار نفس، ان میں سے پہلی رائے پر اکابر صحابہ کی دو جملہ ازواج نبی متفق ہیں، یعنی ازواج نبی میں سے جس نے آپ کو اختیار کر لیا، اس پر طلاق نہیں پڑی، اور تخییر مجرد طور پر طلاق نہیں ہے، حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک یہی ہے، وہ فرماتی ہیں،!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا، ہم نے آپ کو اختیار کر لیا، ہم نے کبھی اسے طلاق نہیں سمجھا!"

ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وغیرہ کی رائے یہی ہے،

کیا تخییر طلاق رجعی ہے؟ لیکن حضرت علی، زید بن ثابت، اور صحابہ کی ایک جماعت

یہ رائے رکھتی ہے کہ تخییر کے بعد اگر بیوی نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو یہ طلاق رجعی ہے، حسن کا قول بھی یہی ہے، امام احمدؒ سے اسحاق بن منصور نے روایت کی ہے کہ اگر بیوی نے شوہر کو حق تخییر کے بعد اختیار کر لیا تو ایک طلاق پڑ گئی، اور شوہر کو رجعت کا حق ہے، صاحب مغنی کہتے ہیں کہ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ تخییر کنایہ ہے، جس سے مراد طلاق ہوتی ہے، اور فوراً واقع ہو جاتی ہے، جس طرح دوسرے کنایات سے فوری طور پر واقع ہو جاتی ہے۔

تخییر سے طلاق نہیں پڑتی

لیکن حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی ازواج کی تخییر کے بعد اختیار فرمایا تو یہ نہیں فرمایا "تم پر طلاق پڑ گئی"! نہ رجعت فرمائی، اور حضرت عائشہ ساری امت میں سب سے زیادہ شان تخییر سے واقف ہیں، ان سے مروی ہے کہ

"یہ طلاق نہیں تھی"!

ایک اور روایت میں ہے،

"ہم نے اسے کبھی طلاق نہیں سمجھا"!

کیا تخییر سے مراد تملیک مستلزم وقوع طلاق ہے؟

لیکن جو لوگ تخییر کو طلاق رجعی مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تخییر سے مراد تملیک ہے، اور تملیک مستلزم ہے وقوع طلاق کو۔!

یہ دعویٰ دو مقدموں پر مبنی ہے، ایک یہ کہ تخییر تملیک ہے دوسرے یہ کہ تملیک وقوع طلاق کو مستلزم ہے،

اور یہ دونوں مقدمات غلط ہیں، تخییر سے تملیک مراد لینا درست اور روا نہیں ہے اور اگر ہو تو بھی اس سے وقوع طلاق کا مستلزم ہوگا اور زیادہ نادرست ہے، جب تک وہ شخص طلاق نہ دے دے جو اس کا مالک ہے نیز اگر یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے تو پھر طلاق رجعی کے بجائے بائنہ ماننا پڑے گی، اس لیے کہ رجعی میں عورت اپنے نفس کی مالک نہیں ہوتی۔

تخییر تملیک ہے یا توکیل؟

فقہا کا اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ تخییر آیا تملیک ہے یا توکیل؟ یا کچھ تملیک اور کچھ توکیل؟ یا وہ

تطلیق منجز ہے؟ یا اسے یکسر لغو قرار دیا جائے گا! اور اس کا کوئی اثر تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ اور تفریق واقع نہیں ہوگی، امام احمدؒ اور مالکؒ کا یہی مذہب ہے ۔ !

ابوالخطاب نے رؤس ومسائل میں بیان کیا ہے کہ یہ تملیک ہے جو قبول پر موقوف ہے۔

صاحب المغنی فرماتے ہیں اگر شوہر نے بیوی سے کہا،

" امساك بيدك " (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے)

اور جواب میں بیوی نے کہا، " قبلت " (میں نے قبول کیا) تو کچھ واقع نہیں ہوگا، کیونکہ " تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے' ! " یہ توکیل ہے، اور عورت کا جواب کہ " میں نے قبول کیا " قبول وکالت سے انحراف ہے، لہٰذا کچھ بھی واقع نہیں ہوگا، یہ ایسے ہی جیسے کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے کہدے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور جواب میں وہ کہدے میں نے قبول کیا

اسی طرح اگر کوئی اپنی بیوی سے کہتا ہے،

" اختاری " (اپنے آپ کو اختیار کرلے)

اور وہ جواب میں کہتی ہے " قبلت نفسی " (میں نے اپنے آپ کو قبول کرلیا) یا " اخترت نفسی " (میں نے اپنے آپ کو اختیار کرلیا) تو یہ زیادہ اصح صورت ہے۔

حنفیہ رحمہم اللہ اسے توکیل مانتے ہیں۔

حسن اور صحابہ کی ایک جماعت نے اسے تطلیق مانا ہے، جس سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور شوہر کو رجعت کا حق ہوگا، ابن منصور نے امام احمد سے یہی روایت کی ہے۔

اہل ظاہر اور ایک جماعت صحابہ کا خیال ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، چاہے عورت اپنے نفس کو اختیار کرے یا زوج کو، وقوع طلاق میں تخییر کچھ بھی اثر انداز نہیں ہوتی۔

اقوال بالا کے ماخذ ومصادر اب ہم مختصر طور پر ان اقوال کے ماخذ بیان کریں گے۔

اصحاب تملیک کہتے ہیں کہ جب عورت کی طرف بضع (فرج) کی ملکیت لوٹ آئی تو یہ تملیک ہے،

ایک قول یہ بھی ہے کہ توکیل مستلزم ہے اہلیت وکیل کو، یعنی وہ اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دے سکے، اور عورت ایقاع طلاق کی اہل نہیں ہے، لہٰذا اگر عورت کو شوہر کی طرف سے طلاق کی وکالت سونپ دی جائے، تب بھی یہ صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وہ طلاق نہیں دے سکتی۔

لیکن جو لوگ اس توکیل کو صحیح قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں، جس طرح یہ درست ہے کہ کسی مرد کو، کسی عورت کی طلاق کا وکیل بنا دیا جائے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ عورت خود اپنی طلاق کی وکیل بنا دی جائے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس جگہ توکیل مراد لینا درست نہیں ہے، کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو اپنے مؤکل کے لیے تصرف کرتا ہے نہ کہ اپنے لیے، اور یہاں عورت اپنے لیے تصرف کر رہی ہے، اور یہ تصرف وکیل کے منافی ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ

طلقی نفسکِ (اپنے آپ کو طلاق دیدے)

اور پھر قسم کھائے کہ وہ طلاق نہیں دے گا، اور عورت اپنے آپ کو طلاق دے لے تو مرد حانث (حلف شکست) ہوگا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کو شوہر نے وکیل نہیں نائب بنایا تھا، اصل طلاق دینے والا وہ خود ہے۔

کنایات طلاق میں تخییر شامل ہے؟

بعض لوگ اور ان میں اصحاب مالک بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ شوہر نے جب بیوی سے کہا۔

امرکِ بیدکِ (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے)

جعلت امرکِ الیکِ (میں نے تیرا معاملہ تجھے سونپ دیا)

ملکتکِ امرکِ (میں نے تجھے تیرے معاملہ کا مالک بنا دیا)

تو یہ تملیک ہے، اور اگر کہا

اختاری (اپنے آپ کو اختیار کر لے)

تو یہ تخییر ہے،

اور تملیک و تخییر میں فرق حقیقت اور حکم کا ہے، حقیقت یہ ہے کہ "اختاری" کہنے کی صورت میں تخییر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، عورت اپنے نفس کی مالک نہیں ہوگی، اسے صرف دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لینے کا حق ہے، بخلاف "امسانک بیدک" کے کیونکہ عورت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ اس کی مالک نہ ہو۔

رہا حکم، تو اگر شوہر کہے "امسانک بیدک" اور دعوی کرے کہ میں نے اس سے مراد ایک طلاق لی تھی، تو یمین کے بعد اس کا قول قبول کر لیا جائے گا، لیکن اگر وہ "اختاری" کہے اور عورت اپنے آپ کو تین طلاقیں دیدے، تو یہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اگرچہ شوہر دعوی کرے کہ میں نے تو ایک طلاق مراد لی تھی، یہ دعوی صرف اس صورت میں قابل قبول ہوگا کہ عورت غیر مدخول بہا (جس سے جماع نہ کیا گیا) ہو، پھر ایک طلاق کے بارے میں اس کا قول تسلیم کر لیا جائے گا،

یہ حضرات کہتے ہیں کہ تخییر اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ اپنے نفس کو اختیار کرلے، اور یہ بات بغیر بینونت کے حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن اگر وہ مدخول بہا (جس سے جماع کر لیا گیا ہو) ہوگی تو بائن نہیں ہوگی، جب تک تین طلاقیں نہ دی جائیں، اور اگر غیر مدخول بہا ہوگی، تو ایک ہی طلاق سے بائن ہو جائے گی، بخلاف "امسانک بیدک" کہ یہ تخییر کا مقتضی نہیں ہے، جو شوہر اور بیوی کے مابین ہو، رتبۂ تملیک امر ہے، اور یہ عام ہے تملیک ابانت کو، خواہ وہ تین طلاقیں ہوں یا ایک، عورت کو عدت اس صورت میں پوری کرنی پڑے گی، "اختاری" کا لفظ عام ہے، خواہ عورت ایک طلاق سے بینونت اختیار کرے یا تین سے، لیکن "امسانک بیدک" تملیک طلاق ثلاث کے بارے میں زیادہ صریح اور واضح ہے،

تخییر سے مراد طلاق منجز ہے؟

جو لوگ اس سے تطلیق منجز مراد لیتے ہیں ان کے قول کا ضعف ظاہر ہے،

اور جو لوگ اسے لغو قرار دیتے ہیں، ان کے دو ماخذ ہیں، ۔۔۔ ۱

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کا معاملہ عورتوں کے ہاتھ میں نہیں دیا ہے اسے مردوں کو سونپا ہے، اور اللہ کی شرع میں کوئی بندہ تغیر نہیں کر سکتا،

ابو عبید کہتے ہیں ہم سے عبدالغفار بن داؤد نے، ان سے ابن لہیعہ نے، ان سے یزید بن

ابی حبیبا نے بیان کیا کہ امیشہ (ایک پارسی خاتون) محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر کے نکاح میں تھیں، محمد نے انہیں ان کے امر کا مالک بنا دیا، انھوں نے شوہر سے تین مرتبہ کہا،

"تمہیں طلاق ہے"!!

اس پر حضرت عثمان بن عفان نے کہا۔

"تم نے غلطی کی، امیشہ پر طلاق نہیں پڑی کیونکہ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس کی بھی ہے،

تملیک زوجہ ایک لغو امر ہے؟

طاؤس کا مذہب صریح یہ ہے کہ طلاق شوہر کے سوا کوئی نہیں دے سکتا، اور تملیک زوجہ ایک لغو امر ہے، اسی طرح توکیل ہے، ابو محمد بن حزم کہتے ہیں ہمارے جمیع اصحاب کا یہی قول ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے طلاق کا امر مرد کو سونپا ہے، عورت کو نہیں، کیونکہ وہ ناقص العقل ہیں، ان پر سفہ (حماقت) غالب ہے، اگر طلاق کا حق انہیں دے دیا جائے تو اس میں ضرر عظیم ہے شوہروں کے لیے، لہٰذا خدا کی رحمت و حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ فراق اور جدائی سے متعلق کوئی معاملہ ان کے ہاتھ میں نہ دیا جائے، اور اسے صرف ازواج (شوہروں) تک محدود رکھا جائے، اگر ازواج کو اجازت دی جائے کہ وہ اس حق کو عورتوں کی طرف منتقل کر سکیں تو یہ خدا کی رحمت و حکمت سے متناقض ہوگا۔

حدیث سے صرف تخییر ثابت ہے

ایک قول یہ ہے کہ حدیث سے صرف تخییر ثابت ہے، پس اگر انھوں نے اللہ، رسولؐ، اور دار آخرت کو اختیار کر لیا، جیسا کہ ہوا بھی تو وہ حسب سابق آپؐ کی بیوی رہیں اور اگر وہ اپنے نفس کو اختیار کر لیتیں تو آپ انھیں ان کا حق دے کر خود سے طلاق دیتے، اور خوبی و خوش اسلوبی سے رخصت کر دیتے، انہیں یہ اختیار نہیں تھا کہ اپنے آپ کو اختیار کر کے طلاق دے لیں۔

آثار صحابہ

اس مسئلہ میں صحابہ سے جو آثار منقول ہیں وہ باہم شدید طور پر مختلف ہیں۔

۱۔ چنانچہ حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ اور زید بن ثابت سے صحیح طور پر مروی

ہے کہ انھوں نے ایک ایسے معاملہ میں کہ شوہر نے بیوی کو اس کے امر کا اختیار دے دیا تھا، اور بیوی نے تین طلاقیں اپنے آپ کو شوہر کی طرف سے دے لی تھیں، ایک طلاق قرار دیا۔

۲- ایک روایت صحیحہ حضرت عثمان کے بارے میں ہے کہ انھوں نے ایک ایسے ہی معاملہ میں فرمایا:

"جو ہونا تھا ہو گیا!"

۳- حضرت علی، زیدؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ تخییر کے بعد، اگر عورت نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق بائنہ پڑے گی، اور اگر شوہر کو اختیار کر لیا، تو ایک طلاق رجعی پڑے گی۔

۴- بعض صحابہ سے ثابت ہے کہ بہر حال تین طلاقیں پڑیں گی،

۵- ابن مسعود رضؓ کی ایک روایت ہے کہ کچھ نہیں واقع ہوگا۔

مروزی اور زید بن ثابت کی روایت

ابو محمد ابن حزم کہتے ہیں صحابہ سے جو کچھ مروی ہے ہم نے بیان کر دیا، یہ اقوال سب طرح کے ہیں، اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے۔

مروزی کی روایت ہے کہ بہ صورت تخییر ایک طلاق واقع ہوگی، اور رجعت کا حق ہوگا۔

زید بن ثابت کی روایت ہے کہ ابو محمد نے کہا، جس نے اپنی بیوی کو حق تخییر دیا، اور اس نے اسے اختیار کر لیا، یا طلاق اختیار کر لی، یا شوہر کو اختیار کر لیا یا کچھ بھی نہیں اختیار کیا، یہ ساری باتیں بیکار اور لاحاصل ہیں، اس طرح نہ طلاق پڑے گی، نہ تحریم واقع ہوگی، نہ کوئی اور حکم عمل میں آئے گا، اگرچہ تخییر کا حق بار بار دیا جائے، اور یہ حق بار بار استعمال کیا جائے سب یکساں ہیں، حکم خدا اور رسول کے خلاف، شوہر کے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ جس چیز (بیوی) کو اللہ نے مباح کیا ہے اسے حرام قرار دے لے۔

مجرد تخییر سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا مجرد تخییر سے طلاق واقع ہو جائے گی؟ یا نہیں واقع ہوگی؟ اور اس اختلاف پر صفحات بالا میں کافی گفتگو ہو چکی ہے،

اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معاملہ مجلس کے ساتھ خاص ہے، یا ابداً عورت کے اختیار میں ہے۔ اس باب میں دو قول ہیں، ایک تقیید مجلس کو ضرور قرار دیتا ہے، یہ ابو حنیفہ، شافعی، اور مالک رحمہم اللہ کا قول ہے، دوسرا یہ ہے کہ ابدا عورت کو یہ حق حاصل ہے، یہ منذرؒ، ابو ثورؒ اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام مالکؒ کا قول ہے،

بیوی سے یمین لی جائے گی؟

اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ آیا بیوی سے یمین لی جائے گی کہ اس نے ترک کر دیا، ؟ یا نہیں لی جائے گی گی؟ اس بارے میں دو قول نفیاً اور اثباتاً ہیں،

کیا شوہر کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا؟

اس معاملہ میں بھی اختلاف ہے کہ آیا شوہر جب اپنی بیوی سے کہے، "تو اس کی نیت کیا تھی اس بارے میں اس سے قسم لی جائے گی یا نہیں؟

احمد، شافعی، اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ نیت دیکھی جائے گی، مالکؒ کہتے ہیں نیت کا سوال نہیں پیدا ہوتا،

مضطرب اور مختلف فروع کثیرہ

بہر حال اس مسئلہ میں فروع کثیرہ ہیں، جو حد درجہ مضطرب ہیں، ان کی تائید میں کتاب وسنت اور اجماع سے دلیل لانا مشکل ہے، بہر حال بیوی شوہر کی بیوی ہے جب تک اس کے خلاف کوئی محکم دلیل قائم نہ ہو جائے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے نکاح اور طلاق کا معاملہ عورتوں کو نہیں مردوں کو سونپا ہے، اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام بنایا ہے، عورتوں کو ان کی قوامہ نہیں بنایا ہے، کہ چاہے تو رکھ جائے چاہے تو طلاق دے دے۔

کیا اجماع کا دعویٰ صحیح ہے؟

جو شخص اجماع کا دعوےٰ اس مسئلہ میں کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے، کیونکہ صحابہ اور تابعین کے مابین نزاع ثابت ہے۔

حکم تخییر میں اختلاف، اعتبار تخییر میں اختلاف

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے نشان راہ ہیں، وہ اگرچہ حکم تخییر میں مختلف ہیں لیکن اعتبار تخییر میں متفق ہیں، اگر شوہر جسے پورے اختیارات حاصل ہیں اس میں مصلحت دیکھتا ہے کہ حق تفویض طلاق عورت کو دیدے تو یہ دونوں کے لیے مناسب ہے اگر وہ شوہر سے محبت کرتی ہے اس کے ساتھ رہنا پسند کرے گی، اور اگر اس سے بیزار ہے تو جدائی اختیار کرے گی، یہ بیوی کی مصلحت کے مطابق ہے، اور شوہر کی مصلحت کے بھی مطابق ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو مقتضائے شرع خداوندی اور اس کی حکمت کے خلاف ہو، نیز توکیل کا حق خود بیوی کو دیا جائے یا کسی اجنبی کو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اور طلاق میں منع توکیل اجنبی کا بھی کوئی جواز نہیں ہے، اگر اس کی توکیل، نکاح، اور خلع میں صحیح ہے تو اس میں کیوں نہ ہوگی ؟ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے حکمین کو مجاز بنایا ہے کہ وہ اگر زوجین کے وجوہ شقاق پر نظر ڈالنے کے بعد مناسب سمجھیں تو تفریق کردیں، ورنہ علی حالہ نکاح قائم رہنے دیں یہ طلاق یا فسخ نکاح، غیر زوج کی طرف سے ہے، خواہ یہ جبر و اکراہ اگر یہ دونوں حکم ہوں۔

شوہر کو تفویض کا حق ہے

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حاکم کو اس کا اختیار دیا ہے کہ بطریق نیابت بعض صورتوں میں وہ شوہر کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے، پس اگر شوہر خود ہی کسی کو وکیل بنا دیتا ہے، اپنے حالات کے پیش نظر تو یہ عین مصلحت ہے، وہ اپنی مصلحت کا زیادہ شناس ہے لہٰذا جسے مناسب سمجھتا ہے اپنا حق تفویض کردیتا ہے پھر جب توکیل جملہ معاملات میں جائز ہے، تو اس معاملہ میں کیوں غلط ہوگی ؟

خودساختہ تحریم وتحلیل

کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی روشنی میں،

ایک آیۂ قرآنی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور الرحیم، قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم (یعنی اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی ازواج کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی کفارہ) مقرر فرما دیا ہے۔

احادیث نبوی

صحیحین سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ کے گھر میں شہد نوش فرمایا، حضرت عائشہ اور حفصہ کی حیلہ گیری کے باعث آپؐ نے آئندہ اسے استعمال نہ کرنے کا عہد کر لیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق آئندہ شہد نہ استعمال کرنے کی قسم کھالی،

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے پر حرام کرلے تو یہ یمین ہے اس کا کفارہ دینا ہوگا،

لیث بن سعد یزید بن ابی حبیب سے، وہ عبداللہ بن ہبیرہ سے وہ قبیصہ بن ذئیب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا، جس نے اپنی بیوی سے کہہ دیا ہو کہ تو مجھ پر حرام ہے، دونوں بزرگوں نے جواب دیا۔

• اس پر کفارۂ یمین واجب ہوگا،"!

عبدالرزاق ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے، وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے تحریم کے بارے میں فرمایا، یہ یمین ہے، اور اس کا کفارہ لازم آئے گا،!

ابن حزم کہتے ہیں ابو بکر صدیق رضہ اور عائشہ رضہ سے بھی یہی مروی ہے،

عبدالرزاق معمر سے، وہ یحییٰ بن ابی کثیر اور ایوب سختیانی سے روایت کرتے ہیں، اور یہ دونوں بزرگ عکرمہ سے، اور وہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا "تحریم کی حیثیت یمین کی ہے"!"

مذہب متعددہ ومختلفہ اس مسئلہ میں[1] لوگوں کے متعدد مذاہب ہیں، آئندہ صفحات میں ہم ان کا، اور ان کے وجوہ و ماخذ کا، اور ان میں سے راجح مذہب کا ذکر کریں گے۔

تحریم مراۃ لغو ہے ۱- تحریم لغو ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، نہ زوجہ کے معاملہ میں نہ کسی اور معاملہ میں، یہ نہ طلاق ہے، نہ ایلاء، نہ ظہار، ——

عبدالرزاق ثوری سے، وہ صالح بن مسلم سے، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا،

• عورت کو اپنے اوپر حرام کر لینا عقل یا پوشش کی برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا،!"

یہ قول اہل ظاہر کا ہے۔

تحریم سے تین طلاقیں پڑجاتی ہیں ۲- زوجہ کو اپنے اوپر حرام قرار دینے سے تین طلاقیں پڑجاتی ہیں،

ابن حزم کہتے ہیں علی بن ابی طالب زید بن ثابت اور ابن عمر کا مسلک یہی ہے، نیز حسن محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کا قول بھی یہی ہے،

---

[1] یعنی کسی حلال چیز کو قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لینا،

لیکن مستند روایات کے مطابق یہ دونوں روایتیں صحیح اور مستند نہیں ہیں بقول شعبی، نہ حضرت علی نے ایسا کہا نہ ابن عمر نے، حسن کے بارے میں ابو محمد کی بہ طریق قتادہ روایت ہے کہ جو حلال کو حرام کر لیتا ہے، تو یہ یمین ہے جس کا کفارہ واجب ہے۔

طلاق صرف مدخول بہا پر واقع ہوگی

۳ - اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہتا ہے کہ تو مجھ پر حرام ہے، اس سے تین طلاقیں تو پڑیں گی لیکن صرف مدخول بہا پر، غیر مدخول بہا پر نہیں، اس کے بارے میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص، اپنی باندی کو، یا طعام کو، یا متاع کو حرام کر لیتا ہے اپنے اوپر تو یہ بیکار سی بات ہے، امام مالک کا مذہب یہی ہے۔

نیت کا اعتبار کیا جائے گا

اگر اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دیتے ہوئے کوئی شخص طلاق کی نیت کر لیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور اگر کم کی نیت کی ہے تو ایک بائنہ پڑے گی، اور اگر نیت یمین کی ہے تو پھر یمین ہے، جس کا کفارہ لازم آئے گا [1] اور اگر کوئی نیت نہیں کی ہے تو پھر یہ ایلاء ہے، اس پر ایلاء کا حکم نافذ ہوگا [2]

---

[1] - کفارۂ یمین

کفارۂ یمین (یعنی قسم توڑنے کا کفارہ) یہ ہے،

۱- تین روزے

۲ - یہ ممکن نہ ہو تو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

۳ - ورنہ ایک غلام کو آزاد کرنا۔

[2] - ایلاء

ایلاء سے مراد ہے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اگر طعام وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، تو یہ یمین ہے جس کا کفارہ دینا ہوگا، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے۔

اطلاق کی صورت میں طلاق واحدہ بائنہ

۵- اگر بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے والے نے نیت طلاق کی رکھی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور جتنی طلاقوں کی نیت واقع کی ہے اتنی ہی واقع ہوں گی، اور اگر یہ بات مطلق رکھی تھی تو پھر صرف ایک طلاق پڑے گی، اور اگر ظہار[1] کی نیت کی ہے تو پھر یہ صورت ظہار کی بن جائے گی، اور اگر یمین کی نیت کی ہے تو پھر یمین ہے، اور اگر تحریم عین کی نیت کی ہے۔ بغیر طلاق اور ظہار کے، تو پھر کفارۂ یمین ادا کرنا پڑے گا، اور کسی بات کی نیت نہیں کی ہے تو اس باب میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ کچھ لازم نہیں آئے گا، دوسرے یہ کہ کفارۂ یمین لازم آئے گا۔

اور اگر جاریہ کا معاملہ ہو، اور نیت عتق (آزادی) کی ہو، تو عتق واقع ہو جائے گا، اور

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) اس کی مدت چار ماہ ہے، اس معاملہ میں، بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے آدمی یا تو کفارۂ یمین ادا کرائے، پھر کوئی بات نہیں، ورنہ طلاق بائن پڑ جائے گی،

[1] ظہار

ایلا کی طرح ظہار بھی فقہ کی ایک اصطلاح ہے، اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو میری ماں ہے، یا بہن ہے، تو کوئی بات لازم نہ آئے گی، لیکن اگر تشبیہ کے ساتھ کہتا ہے تو میری ماں کی طرح ہے، تو میرے لیے بہن کی سی ہے، میرے لیے تو بیٹی کی مانند ہے، تو یہ ظہار ہے۔

ظہار پر کفارہ لازم آتا ہے، جس کی تین صورتیں ہیں؛

۱- ایک غلام کا آزاد کرنا۔

۲- یا دو مہینے کے مسلسل (شہرین متتابعین) روزے، اگر ایک مہینہ اور ۲۸ دن روزے رکھ لیے، آخری نہ رکھ سکا، تو سب ضائع گئے، اب پھر سے مسلسل دو مہینے کے روزے رکھنا ہوں گے۔

۳- یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

اگر نیت تحریم کی ہے تو کفارۂ یمین لازم آئے گا، اور اگر ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار صحیح نہیں ہوگا۔ اور کوئی چیز بھی لازم نہیں آئے گی، ایک قول یہ ہے کہ کفارۂ یمین لازم،

تحریم مراۃ ظہار ہے

۶- بیوی کو اپنے پر حرام کر لینا ظہار ہے، اور مطلق طور پر ہے، خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بجز اس صورت کے کہ طلاق یا یمین کی طرف تصرف کر لیا ہو، اس صورت میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا، امام احمدؒ کا ظاہر مذہب یہی ہے اور ان سے ایک دوسری روایت ہے کہ تحریم بالا طلاق یمین ہے، بجز اس صورت کے ظہار یا طلاق کی طرف تصرف کر لیا ہو، پھر نیت کا اعتبار کیا جائے گا، ان سے ایک تیسری روایت ہے کہ ہر حال میں یہ تحریم ظہار ہے، اگرچہ نیت کچھ ہی کیوں نہ کی ہو، طلاق ایک واقع ہوگی، اور یہ بائنہ ہوگی، اگر یمین کی نیت کی ہے تو یمین ہے اور اگر کچھ نیت نہیں کی ہے، تو یہ کذب و دروغ ہے، ان سے ایک چوتھی روایت ابوالسین کی ہے کہ یہ تحریم طلاق بائن ہے۔

ہر حالت میں نیت کا اعتبار

۷- اگر تحریم سے مراد تین طلاقیں لی ہیں تو تین طلاقیں پڑیں گی، ایک لی ہے تو ایک پڑے گی، لیکن بائنہ اگر یمین کی نیت کی ہے تو یمین ہے اور اگر کوئی نیت نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے صرف ایک قسم کی دروغ گوئی ہے یہ سفیان ثوری کا مذہب ہے، جسے ابومحمدؒ ابن حزم نے روایت کیا ہے۔

طلاق واحدہ بائنہ

۸- عورت کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے ہر حال میں طلاق واحد بائنہ پڑتی ہے۔ یہ حماد بن ابی سلیمان کا مذہب ہے۔

اگر نیت نہ ہو تو بائنہ واحدہ

۹- اگر نیت تین طلاقوں کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی، اگر ایک کی نیت کی ہے، یا کوئی نیت ہی نہیں کی ہے، تو واحدہ بائنہ پڑے گی، یہ ابراہیم کا مذہب ہے، جس کی حکایت ابومحمد بن حزم نے کی ہے۔

طلاق رجعی پڑے گی

۱۰- عورت کو اپنے لیے حرام قرار دینے سے طلاق رجعی پڑے گی، اس کی حکایت ابن صباغ، اور ابوبکر الشاشی نے زہری

سے، انھوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔

بغیر طلاق کے بیوی حرام ہو جائے گی۔

۱۱- تحریم کے اعلان سے بیوی اس پر صرف حرام ہو جائے گی، لیکن ظہار یا طلاق، یا یمین نہیں۔

ابن حزم کہتے ہیں یہ بات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے، یہ حضرات اس فعل کو کسی کام سے موسوم نہیں کرتے نیز ابو ہریرہ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ لوگ اس صورت میں بیوی سے مجتنب رہنے کا حکم دیتے ہیں،

ایک مذہب توقف کا بھی ہے

۱۲ بارہواں مذہب توقف کا ہے، یعنی مفتی اس صورت میں نہ بیوی کو شوہر پر حرام کرے گا، جیساکہ شعبی نے علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے، حضرت علی کا قول ہے،

"اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے والے شخص پر
اس کی بیوی کو نہ ہم حرام قرار دے سکتے ہیں نہ حلال، وہ خود
جو مناسب سمجھے کرے"!

تحریم منجز اور تحریم معلق

۱۳- تحریم منجز بہر حال ظہار ہے، اگرچہ نیت طلاق کی ہو، اور تحریم معلق یمین ہے جس کا کفارہ لازم ہے، مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا۔

"تو مجھ پر حرام ہے"!

یا کہا، "جب رمضان کا مہینہ شروع ہو جائے پھر تو مجھ پر حرام ہے!" تو یہ ظہار ہے۔

اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا،

"اگر تو نے سفر کیا"!

یا "اگر تو نے یہ بات منہ سے نکالی"!

یا "اگر تو نے فلاں شخص سے بات کی۔"

پھر تو مجھ پر حرام ہے"!
یہ یمین مکفرہ ہے، یعنی ایسی یمین جس کا کفارہ لازم آئے گا۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے،

ا۔ ظہار کا مسئلہ، عوام میں ایک نہایت خطرناک چیز بن گیا ہے، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہہ دے تو میری ماں کی طرح ہے، تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور میاں بیوی میں تفریق واقع ہو جاتی ہے، حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے، اس طرح کے الفاظ کہہ دینے سے طلاق نہیں پڑتی، ہاں اگر آدمی کفارہ نہ ادا کرے، اور مدت معیّنہ گزر جائے تب طلاق بے شک پڑ جاتی ہے،

مسئلہ تحریم زوجہ سے متعلق

مختلف مذاہب و مسالک کے دلائل و براہین

قول تحریم کی لغویت کا ثبوت جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے والے شخص کا قول باطل اور لغو ہے۔ وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندے کو حق تحریم دیا ہے۔ نہ حق تحلیل۔ یہ حق خدا کا ہے۔ کسی چیز کا حرام وحلال کرنا اس کے ہاتھ میں ہے بندے کے ہاتھ نہیں۔ فرماتا ہے:

ولاتقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی الله الکذب۔

یعنی جن چیزوں کے بارے میں تمہارا محض جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے۔ جس کا حاصل یہ ہو گا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے!

اسی طرح فرمایا یاایها النبی لم تحرم ما احل الله لك (یعنی اے نبیؐ اللہ نے جو چیز حلال کردی ہے تم اسے حرام کیوں کرتے ہو؟")

پس جب خدا اپنے رسولؐ کو یہ حق نہیں دیتا کہ اللہ نے جو کچھ حلال کر دیا ہے اسے حرام کردے۔ پھر کسی دوسرے کو یہ حق تحریم کس طرح دے سکتا ہے؟

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو شخص ایسا کام کرتا ہے جو ہمارے حکم کے خلاف ہے وہ رد ہے!"

پس خود ساختہ تحریم بھی رد ہوگی، اور اسے باطل قرار دیا جائے گا۔

نیز تحلیل حرام۔ اور تحریم حلال کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، دونوں لغو اور بے اثر ہیں۔
اسی طرح عورت اور کھانے کو حرام قرار دے لینے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، یہ بھی لغو اور بے اثر ہیں۔
علاوہ ازیں مرد کا عورت سے یہ کہہ دینا کہ "تو مجھ پر حرام ہے" تو اس سے یا تو انشاءِ تحریم مراد ہوگی، یا اخبار کہ وہ حرام ہے۔ انشاءِ تحریم محال ہے کیونکہ یہ کسی شخص کا حق نہیں ہے۔ یہ اسی کا حق ہے جو حلال کو حلال کرتا، اور حرام کو حرام کرتا ہے اور احکام کو مشروع کرتا ہے۔ اور اگر مراد اخبار ہے تو یہ جھوٹ ہے، پس خبر کاذب اور انشاء باطل دونوں لغو اور بے اثر ہیں۔

تحریم کو تین طلاق ماننے کی دلیل

اور جو لوگ تحریم مرأۃ کو ہر حالت میں تین طلاق مانتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے تحریم کو طلاق ثلاث کا کنایہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحابہ نے خلیہ اور بریہ کے معاملہ میں تین طلاق کا فتویٰ دیا تھا۔

تحریم کو مدخول بہا تک محدود رکھنے کا سبب

جو لوگ اس تحریم کو مدخول بہا تک محدود رکھتے ہیں اور طلاق واحد بائنہ غیر مدخول بہا کے لیے مانتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مدخول بہا تین طلاقوں کے بغیر حرام نہیں ہو سکتی، اور غیر مدخول بہا طلاق واحد سے حرام ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ طلاقیں اگر دے دی جائیں تو وہ لوازم تحریم میں سے نہیں ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مدخول بہا بھی شوہر کی ایک طلاق سے بائن ہو سکتی ہے، تو جواب یہ ہے کہ یہ ابانت مقید ہے، بخلاف تحریم کے کہ وہ ابانت مطلق ہے۔ اور ابانت مطلق طلاق ثلاث کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

تحریم کو طلاق واحد بائنہ ماننے کی دلیل

جو لوگ تحریم کو طلاق واحدہ بائنہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کے حق میں تقسیم کرتے ہیں ان کے قول کا ماخذ یہ ہے کہ عدد سے بحث بیکار ہے، شوہر نے جب بیوی سے کہا کہ:

میں نے تجھے طلاق بائنہ دی"

تو اسے رجعت کا حق حاصل ہے، وہ خود ہی اس حق کو ساقط کر دے تو بے شک حق رجعت ساقط ہو جائے گا۔ اب اگر وہ ساقط کر دے، اور بائن ہو جائے تو ایسا کر سکتا ہے۔

تحریم کو طلاق واحدہ رجعیہ ماننے کا ماخذ

جو لوگ تحریم کو طلاق واحدہ رجعیہ مانتے ہیں،

ان کا ماخذ یہ ہے کہ تعلق انتفاع ملا۔ کو مفید ہے، اور یہ بات ایک طلاق سے حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ تحریم (دائم) زیادہ عام ہے۔ تحریم رجعیہ یا تحریم بائنہ سے۔ اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ اعم مستلزم اخص نہیں ہوتا، یا یوں کہو کہ اخص لوازم اعم میں سے نہیں ہے۔

تحریم کو ارادے اور نیت پر منحصر رکھنے کا ماخذ

یہ قول کہ معاملہ ارادے پر منحصر ہے اگر ظہار، طلاق رجعی، یا محرم، یا یمین کا ارادہ تحریم سے لیا ہے، جو حسب ارادہ امر ظہور میں آئے گا، اس قول کا ماخذ یہ ہے کہ یہ لفظ ایقاع طلاق کے لیے خاص طور پر وضع نہیں کیا گیا ہے۔ یہ طلاق، ظہار، ایلاء، سب کو محتمل ہے اگر نیت کا تصرف ان میں سے کسی ایک کی طرف ہوگا تو وہی واقع ہوگا، اس سے متجاوز نہیں ہوگا، نہ اس سے کم ہوگا۔ چنانچہ اگر اس سے باندی کی آزادی مراد لی تو وہ آزاد ہو جائے گی، یا اگر ایلا کی نیت کی تو وہ لازم آجائے گا۔ غرض وہی لازم آئے گا، جس کی نیت کی گئی ہوگی۔ اور اگر تحریم عین کی نیت کی، تو نفس کا لزوم واقع ہوگا۔ یہ ایک طرح کی یمین ہوگی جس کا کفارہ دینا ہوگا۔

نیز یہ لفظ انشا اور اخبار دونوں کو متحمل ہے، اگر مراد اخبار ہے تو بر سر عمل آئے گا، اور قبول کر لیا جائے گا، اور اگر ارادہ انشا کا ہے، توسبب حرمت دریافت کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا میری مراد تین طلاقوں سے تھی، یا ایک سے تھی، یا دو سے تھی تو صلاحیت لفظ کے باعث اس کی بات قبول کر لی جائے گی۔ اس طرح اگر ظہار کی نیت کی تھی تو وہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور اگر تحریم مطلق مراد لی تھی تو وہ یمین مکفرہ ہے۔ یعنی ایسی یمین جس کا کفارہ لازم آئے گا۔

تحریم کو ظہار ماننے کے وجوہ

اور جو لوگ اسے ظہار قرار دیتے ہیں بایں صورت کہ مراد طلاق نہ لی گئی ہو۔ تو ان کے قول کا ماخذ یہ ہے کہ یہ لفظ تحریم کے لیے ہے، اور یہ قول منکر و دروغ ہے، کیونکہ بندے کو تحریم و تحلیل کا اختیار نہیں ہے۔ وہ صرف انشاء اسباب کا مالک ہے جو مرتب ہو کر رہیں گے۔ پس اگر وہ اس چیز کو حرام کر لیتا ہے اپنے اوپر جسے خدا نے حلال کیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دراصل ظہار کرتا ہے۔

ظہار اور طلاق کی نیت و نفاذ

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نیت طلاق کے باوجود لفظ تحریم سے مراد ظہار لیا جائے گا، تو اس قول کے ماخذ کا

ہم ذکر کر چکے ہیں۔ پس اگر وہ طلاق بھی مراد لیتا ہے تو ایسی چیز کی نیت کرتا ہے جسے اللہ، اور اس کے رسول ﷺ نے باطل کر دیا ہے۔ اس کی یہ نیت حکم شرع پر متحمل نہیں ہے، لہٰذا یہ نیت اللہ تعالیٰ کے حکم مستقر کے تغیر پر موثر نہیں ہوگی۔ اس صورت میں کفارۂ ظہار لازم آئے گا، جیسا کہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے، ایک مرتبہ انھوں نے اس تحریم کو ظہار قرار دیا۔ اور ایک مرتبہ یمین۔

تحریم کو یمین مکفرہ قرار دینے کا سبب

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تحریم ہر حالت میں یمین مکفرہ ہے۔ ان کے قول کا ماخذ یہ ہے کہ طعام، شراب لباس جیسے حلال کی تحریم، یمین ہے۔ جس کا کفارہ لازم آئے گا۔

"شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

"تحریم زوجہ یمین کبریٰ ہے، اس کا کفارہ وہ ہے جو ظہار کا کفارہ ہے، اور یمین صغریٰ اس کے علاوہ دوسرے امور ہیں۔ ان کا کفارہ صرف کفارہ یمین ہے۔"

کفارۂ یمین لازم اور ثابت ہے

اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو شخص، زوجہ کے علاوہ دوسری چیزیں از قبیل طعام و شراب ولباس، کنیز، اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، تو یہ حرمت واقع نہیں ہوتی۔ اس پر کفارۂ یمین لازم آئے گا۔ جمہور کا قول یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تحریم مفید واقع ہو جائے گی جس کا ازالہ کفارۂ یمین سے ہوگا، جیسا کہ تحریم زوجہ کے بارے میں ظاہر ہے کہ جب تک یہ لفظ کہنے کے بعد کفارہ نہ ادا کر دیا جائے اس سے مجامعت اور تمتع جائز نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس کا حل کفارہ ہی قرار دیا ہے: کیونکہ جو شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے بمنزلہ حلف کے ہے کہ اب وہ اسے استعمال نہیں کرے گا، اور جو شخص ایسی قسم کھاتا ہے اس کے لیے ہتک حرمت محلوف جس کے بارے میں قسم کھائی جائے) اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ کفارہ نہ دے لے۔ کفارہ ادا کرنے کے بعد فعل محلوف پر اس کا اقدام جائز ہوگا۔ اور اگر اس نے ترک کفارہ کا عزم کیا تو شارع اس کے لیے اپنے حلف کے خلاف اقدام کو جائز نہیں رکھتا۔ یہ اجازت اس وقت ہوگی جب کفارہ ادا کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی آسانی ملحوظ رکھتا ہے اس لیے شرط کفارہ کے ساتھ اس نے حنث (حلف شکنی) کو جائز قرار دیا ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ

کہ کفارہ جب تک ادا نہ کر دیا جائے ۔ اس کا حلف تحریم پر برعمل رہے گا ۔ یہ مسئلہ مفردات امام ابو حنیفہ میں نہیں ہے ، بلکہ امام احمد کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے ، خلاصہ کلام یہ کہ تحریم ثابت ہے اگر کفارہ کا التزام نہ کیا جائے ، اور اگر التزام کیا جائے تو پھر تحریم مستمر نہیں رہتی ۔

تحریم یمین ہے جس کا کفارہ واجب ہے

تحریم یمین ہے ۔ اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے یہ قول صحابہ اور سوا مالک و شافعی کے فقہائے رائے و حدیث کا ہے ۔ ان دونوں بزرگوں کا قول ہے کہ اس طرح کی تحریم پر کفارہ واجب نہیں ہے ، لیکن یہ بات ظاہر الامتناع ہے کیونکہ تحریم ہتک حرمت شرع کو متضمن ہے ، کیونکہ شرع نے جسے حلال کیا ہے مکلف اسے حرام کر لیتا ہے ۔ یہ تحریم ہتک حکم شریعت ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ حنث (حلف شکنی) یا جائز ہے یا واجب اور مستحب ہے ، حالانکہ اللہ نے اسے کسی کے لیے جائز نہیں کیا ہے ، بلکہ اس کا کفارہ مقرر کیا ہے ، حدیث نبوی ہے کہ جو قسم کھائے ، اور بھلائی قسم پر عمل نہ کرنے میں ہو ، تو وہ کفارہ یمین دے کر محلوف پر عمل کر سکتا ہے ، اور یہ معلوم ہے کہ کفارہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم کا حل کفارہ ہے ۔

"اِلحقی باھلک"

اس لفظ سے طلاق پڑتی ہے یا نہیں؟

کعب بن مالک رضؓ کا واقعہ صحیحین سے ثابت ہے کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ صلعم کے پیامبر نے یہ حکم پہنچایا کہ اپنی بیوی سے الگ رہیں، تو انھوں نے اپنی بیوی سے کہا؛[1]

"الحقی باھلک" (اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ)!

اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، کہ "الحقی باھلک" کہنے سے عورت پر طلاق پڑتی ہے یا نہیں؟

ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ طلاق نہیں ہے، ان الفاظ کے کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، خواہ طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو، یہ اہل ظاہر کا قول ہے، وہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو واقعہ ابنۃ الجون کا بیان کیا جاتا ہے وہ نکاح کا نہیں پیام نکاح کا ہے،

جمہور فقہا کا مسلک اور جمہور جن میں ائمہ اربعہ وغیرہ بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کی نیت ہو تو یہ الفاظ طلاق کے بن جائیں گے، اور وہ واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ روایت عائشہ رضؓ کے مطابق ابنۃ الجون سے آپ نے نکاح

---

[1] یہ جہاد میں غفلت سے بچھڑ گئے تھے، لہٰذا تعزیراً ان سے مقاطعہ کا حکم دیا گیا تھا۔

کیا تھا۔[1]

ابن عباس کی روایت

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث قصہ اسماعیل میں صریح ہے، کہتے ہیں یہ لفظ ان الفاظ میں ہے جو جاہلیت اور اسلام میں طلاق کے لیئے بولے جاتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی انھیں علی حالہ قائم رکھا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے طلاق کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے لیئے کوئی لفظ معین نہیں کیا ہے، اس نے یہ بات لوگوں کے عرف پر چھوڑ دی، جو لفظ عرفی طور پر لفظ طلاق کا حامل ہوگا اس سے بشرطیکہ نیت طلاق پڑ جائے گی۔ پس اگر شوہر نے مقصد و ارادے کے ساتھ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جو معنی طلاق پر دال ہو تو اس پر طلاق کا نقطہ مرتب ہوجائے گا، چنانچہ عجمی، ترکی، ہندی اپنی زبان میں اس طرح کا لفظ استعمال کرے تو طلاق واقع ہوجائے گی، لیکن ان عجمیوں میں اگر کوئی شخص بزبان عربی صریح طلاق دیدے، لیکن عربی کا نہ جانتا ہو، اور ان الفاظ کے مفہوم سے لاعلم ہو تو قطعاً طلاق نہیں پڑے گی اور کچھ لازم نہیں آئے گا، کیونکہ اس کے منہ سے وہ الفاظ نکلے ہیں جن کا مفہوم اسے نہیں معلوم، نہ اس کا یہ مقصد تھا، چنانچہ حدیث کعب بن مالک بھی اس بات پر دال ہے کہ ان الفاظ، اور اس طرح کے الفاظ سے طلاق نہیں پڑتی، بجز اس کے کہ نیت طلاق ہو۔

قرآن کے الفاظ سے استدلال

بہت سے صریحی لفظ بعض اقوام میں بطور کنایہ اور بعض کنایہ کے الفاظ بعض اقوام میں بطور صریح استعمال ہوتے ہیں، یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقام اور ایک زمانہ میں کوئی لفظ صریح ہوتا ہے بعد کو کسی زمانہ اور کسی مقام میں کنایہ بن جاتا ہے۔

لفظ "سراح" (رہا کرنا، رخصت کرنا) کسی زمانہ میں بھی کنایۂ طلاق کے طور پر استعمال نہیں ہوا، لہٰذا اس لفظ سے نیت اور عدم نیت کسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، جو اسے شرعی اور عرفی طور پر

---

[1] نکاح نہیں کیا تھا، نکاح کا پیام دیا تھا۔

ہتاہے اس کا دعویٰ باطل ہے، عملی طور پر بھی اور شرعی طور پر بھی، عملی طور پر یوں کہ کبھی کسی نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال نہیں کیا، اور شرعی طور پر یوں کہ شرع نے اسے غیر طلاق کے موقع پر استعمال کیا ہے، مثلاً:

یا ایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ فمتعوھن وسرحوھن سراحاً جمیلاً

یعنی: اے مسلمانو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر تم انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں جس کا شمار کرنے لگو، انھیں کچھ مال دیدو، اور خوبی کے ساتھ رخصت کر دو، اسی طرح فراق کا لفظ بھی ہے، شرع نے اسے بھی غیر طلاق کے لیے استعمال کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف

یعنی: اے نبی کہہ دیجیے جب تم لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انھیں زمانۂ عدت (طہر) میں طلاق دو —— پھر جب وہ مطلقہ عورتیں اپنی عدت گزارنے کے قریب پہنچ جائیں تو قاعدے کے مطابق روک لو یا خوبی سے رخصت کر دو،

یہاں امساک سے مراد رجعت ہے، اور مفارقت سے مراد ترک رجعت، نہ کہ طلاق ثانی کا انشاء اور اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے

مسئلہ ظہار

ظہار طلاق ہے یا قابلِ کفارہ معصیت ؟

آیۂ قرآنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الذین یظاھرون منکم من نسائھم ما ھن امھاتھم ان امھاتھم الا اللائی ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللہ لعفو غفور، والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ذلک لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتلک حدود اللہ وللکافرین عذاب الیم۔

یعنی ، تم میں جو لوگ ظہار[1] کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لیے گناہ ضرور ہوگا) اور یقیناً خدا معاف کرنے اور بخش دینے والا ہے، اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس سے اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں

---

[1] ظہار سے مراد یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ماں کی طرح، کہہ دے، مثلاً (انت منی کظہر امّی) یہ ایک فقہی مسئلہ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس طرح تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ تعالےٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے' پھر جس کو (غلام یا لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں، قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں، پھر اس سے یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لیے (بیان کیا گیا ہے کہ) اللہ اور رسولؐ پر ایمان لے آؤ، اور یہ ہیں حدیں اللہ تعالےٰ کی اور کافروں کے لیے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

خولہ بنت مالک کا واقعہ

سنن اور مسانید سے ثابت ہے کہ اوس بن صامت نے اپنی بیوی خولہ بنت مالک بن ثعلبہ سے ظہار کیا، خولہ اس باب میں رسول اللہ سے الجھ پڑیں، اور (جب آپؐ سے حسب دل خواہ جواب نہ پایا) تو اللہ سے فریاد کی، اللہ نے ہفت آسمان کی بلندی سے یہ فریاد سن لی، خولہ نے کہا،

اے اللہ کے رسول اوس بن صامت نے جب مجھ سے شادی کی تھی تو میں ایک نوجوان اور خوب رو عورت تھی، اور اب کہ میری عمر ڈھل گئی ہے، اور میرا پیٹ پھیل گیا ہے اس نے مجھے اپنی ماں کی طرح بنا دیا ہے، (ظہار کر لیا ہے) —— !'

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہؓ بنت مالک کی یہ بات سنکر ارشاد فرمایا، :

" تمہارے معاملہ میں میرے پاس کچھ نہیں ہے' ![1]

خولہ نے کہا،

اے اللہ میں تجھ سے فریاد کرتی ہوں' !!

---

[1] بعثت نبوی سے قبل ظہار ایسی طلاق مانی جاتی تھی جو تحریم ابدی کی حامل تھی، یعنی پھر کبھی اور کسی صورت میں اس سے شادی نہیں ہو سکتی تھی۔

خولہ جب آپؐ کے پاس آئیں تو چونکہ ابھی تک قرآن نے اس بارے میں کوئی حکم نازل نہیں فرمایا تھا، لہٰذا اسے عرف عام قرار دے کر، آپؐ نے بحال رکھا، اور فیصلہ صادر فرمادیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا لیکن خدا نے سن لی، اور حکم ظہار نازل فرمادیا،

ایک روایت یہ ہے کہ خولہ نے کہا،

"میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر اوس انھیں لے لیتا ہے تو یہ ضائع ہوں گے، اور اگر میں لے لیتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔!"

اس پر قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں خولہ بنت ثعلبہ جب فریاد کناں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں گھر کے ایک گوشے میں بیٹھی تھی، بعض باتیں سن پائی، بعض سننے میں نہ آئیں، کہ اللہ عزوجل کی وحی آئی:

قد سمع اللہ قول التی تجادلك فی زوجها وتشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاورکما ان اللہ سمیع بصیر

یعنی "بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی، جو آپؐ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی، اور (اپنے رنج وغم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ (تو) سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔"

ادائے کفارہ میں مدد

(اس آیت کے نزول کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا،

"تیرے شوہر کو چاہیئے کہ ایک غلام یا باندی کو آزاد کرے (بطور کفارہ کے)

خولہ نے کہا، "اس کے پاس لونڈی غلام آزاد کرنے کی طاقت کہاں؟"

آپؐ نے فرمایا، "اچھا تو پھر لگاتار (بطور کفارہ کے) دو مہینے کے روزے رکھے!"

خولہ نے عرض کیا، وہ تو ایک بوڑھا شخص ہے، لگاتار دو مہینے کے روزے کیسے رکھ سکتا ہے؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا،

"پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔!"

وہ کہنے لگی، اس کے پاس ہے کیا، جو وہ مسکینوں کو کھانا کھلائے؟"

آپؐ نے فرمایا، "اچھا ایک میں اس کی مدد کرتا ہوں، کھجوروں کی ایک تھیلی دے دیتا ہوں"!

خولہ نے عرض کیا، "میں اسی طرح کی مدد ایک تھیلی کھجور کی دے کر، کر دوں گی"!

آپؐ نے فرمایا، "شاباش، بس وہی ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو! اور اپنے ابن عم، اوس بن صامت، شوہر کے پاس واپس چلی جاؤ"!

سلمہ بن صخر البیاضی کا واقعہ

سنن میں ہے کہ سلمہ بن صخر البیاضی نے اپنی بیوی سے مدت ماہ رمضان میں ظہار کیا، پھر ایک رات یہ مہینہ ختم ہونے (اور کفارہ دینے) سے پہلے ہی جماع کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا،

"اے سلمہ کیا تم نے یہ کیا ہے؟"

سلمہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ، میں نے دو مرتبہ ایسا کیا ہے، اور اب میں امر الٰہی کا منتظر ہوں! فرمائیے اللہ تعالیٰ کا حکم اس باب میں کیا ہے؟"

آپؐ نے فرمایا،

ایک غلام یا ایک لونڈی آزاد کر دے۔

سلمہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا،

"اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث کیا ہے میرے پاس "گردن" (غلام) کے سوا کوئی اور نہیں ہے، پھر میں نے اپنی گردن پر ہاتھ مارا۔

آپؐ نے فرمایا، "اچھا تو پھر دو مہینے کے لگا تار روزے رکھو! یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھجور ہی کھلا دو، میں نے عرض کیا،"

"اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، ہمارے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے"!

آپؐ نے فرمایا، تم بنی زریق کے صاحب صدقہ کے پاس جاؤ، وہ تمہیں دے دے گا، پھر اس سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو، اور جو باقی بچے وہ تم کھاؤ، اور اپنے عیال کو کھلا دو۔

سلمہ کہتے ہیں میں اپنی قوم کے پاس واپس گیا، اور میں نے کہا،
"تم سے میں نے تنگی اور سوءِ رائے پائی، اور رسول اللہ صلعم کے پاس وسعت اور حسن رائے دیکھی، !"

احکام متضمنہ مسئلہ

یہ مسئلہ چند احکام کو متضمن ہے!!

۱- ابطال طلاق

جاہلیت اور صدر اسلام کے اس رواج کا ابطال کہ ظہار طلاق ابدی ہے اگر اس سے طلاق کی نیت ابدی ہو تو بھی طلاق نہیں پڑے گی ظہار ہی مراد لیا جائے گا، اس پر سب کا اتفاق ہے، اگر کوئی اختلاف ہے بھی تو وہ شاذ ہے، احمد اور شافعی رحمہا اللہ اور دوسروں کا مسلک یہی ہے،

امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر ظہار سے مراد لے تو بھی طلاق نہیں پڑے گی، اسی طرح اگر طلاق دی، اور نیت ظہار کی رکھی تو طلاق پڑ جائے گی،

امام احمدؒ کے نزدیک اگر شوہر نے بیوی سے کہا،

انت کظہر امی (تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔

اور اس سے مراد طلاق لی، تو یہ طلاق نہیں ظہار ہے، کیونکہ ظہار جاہلیت میں طلاق تھی، جسے اسلام نے منسوخ کر دیا، پھر ایک منسوخ حکم کی طرف اعادہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے.

۲- ظہار فعل منہی عنہ ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب ظہار کو حرام کر دیا ہے اور اس سے روک دیا ہے، تو اب اگر کوئی اس کی طرف عود کرتا ہے تو فعل منہی عنہ کی طرف عود کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

عسیٰ ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا یعنی اگر تم نے گناہ کی طرف عود کیا، تو ہم عقوبت کی طرف عود کریں گے،

۳- وجوب کفارہ عود کی صورت میں

جمہور کا قول ہے کہ وجوب کفارہ صرف عود کی صورت میں ہے، جو ظہار کے بعد ہو، لیکن عود کے معنی میں اختلاف ہے، کہ آیا اس سے مراد اعادۂ لفظ ظہار ہے کیونکہ زبان عرب میں عود

اسے کہتے ہیں جو دوسری بار ہو، اسی طرح قول خلاصہ ہے وان عدتم عدنا، یعنی اگر تم نے گناہ کی تکرار کی تو ہم عقوبت کی تکرار کریں گے، پس اس سے مراد دوسری مرتبہ کا ارتکاب ہے، اور اس کے علاوہ کی تکرار لفظ خواہ امساک ہو، یا عزم، یا فعل، تو ان میں سے کوئی چیز بھی ظہار کی طرف عود نہیں قرار دی جاسکتی،

۴۔ عود سے مراد کیا ہے؟

جو لوگ عود کو ایسا امر قرار دیتے ہیں جو اعادۂ لفظ پر مبنی نہ ہو، تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ مجرد امساک ہے، بعد ظہار ہے یا کوئی امر دیگر!

ایک گروہ کا کہنا ہے وہ امساک زبانی ہے جو قول طلاق تک وسیع ہے اور چونکہ ظہار سے طلاق نہیں ہوتی لہذا کفارہ لازم آئے، امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، لیکن منازعین کا کہنا ہے کہ لفظ ظہار کے بغیر کفارہ لازم نہیں آئے گا، اور لفظ طلاق غیر موثر ہوگا ایجاباً بھی، اور نفیاً بھی۔

۵۔ امر وراء امساک

اور جو لوگ اسے امر وراء امساک مانتے ہیں، وہ بھی باہم مختلف الرائے ہیں، امام مالکؒ کی چار روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے اور ابو عبیدہؓ اسے عزم وطی قرار دیتے ہیں، قاضی ابویعلیٰ کا قول بھی یہی ہے لیکن امام احمدؒ اس کے خلاف ہیں، امام مالکؒ کہتے ہیں، اگر ظہار اور طلاق کو، کوئی شخص جمع کر دے تو کفارہ لازم آئے گا،

پھر اس قول کے اصحاب اس میں بھی مختلف ہیں کہ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مر جائے یا عزم کے بعد، اور وطی سے پہلے طلاق دے، تو کیا کفارہ اس پر مستقر رہے گا؟

امام مالکؒ اور ابوالخطابؒ کہتے ہیں، اس پر کفارہ مستقر رہے گا،

قاضی اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کفارہ مستقر نہیں ہوگا،

۶۔ کفارۂ ظہار مجبور سے بھی ساقط نہیں ہوگا

اگر کوئی شخص ادا کرنے سے عاجز ہو تو کفارہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس کی مدد کی، اور ان کی بیوی نے بھی مدد کی، مگر کفارہ سے خلاصی نہیں

ہوئی، اسی طرح آپؐ نے سلمہ بن صخر سے صدقہ کی رقم سے کفارہ دلوایا، اگر یہ ساقط ہو سکتا، تو آپؐ ایسا نہ کرتے،

لیکن ایک گروہ کا خیال ہے کہ عجز کی صورت میں کفارہ ساقط ہو جائے گا، جیسے واجبات بہ صورت عجز ساقط ہو جاتے ہیں۔

ایک اور گروہ کا خیال ہے کہ کفارۂ رمضان ساقط ہو جائے گا، دوسرے کفارات ساقط نہیں ہوں گے، اسے ابوالبرکات ابن تیمیہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے،

اور سنن اس امر پر دال ہے کہ اگر آدمی عسرت کے باعث کفارہ نہ ادا کر سکے اور کوئی دوسرا اس کی طرف سے دیدے تو یہ کفارہ خود اس شخص پر (جس پر کفارہ واجب ہے) بھی صرف کیا جا سکتا ہے، اور اس کے اہل و عیال پر بھی صرف کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ ادائے کفارہ سے قبل مجامعت جائز نہیں

مظاہر (ظہار کرنے والا) جب تک کفارہ نہ دے لے بیوی سے مجامعت نہیں کر سکتا، کیونکہ اللہ تعالےٰ نے "من قبل ان یتماسا" فرمایا ہے۔

۸۔ کھانا کھلانے کی مقدار معین نہیں

اللہ سبحانہ و تعالےٰ نے اطعام مساکین کا ذکر مطلق طور پر کیا ہے، کوئی مقدار کھانے کی معین نہیں کی ہے، اس کا اقتضاء یہ ہے کہ چاہے اناج کھلائے، یا کھجور، جائز ہے، امر الٰہی کا امتثال ہو جائے گا، جمہور کا قول یہی ہے،

ساٹھ مسکینوں کو کھانا چاہے ایک ساتھ کھلایا جائے، یا متفرق طور پر، دونوں صورتیں یکساں ہیں،

۹۔ ساٹھ کی تعداد پوری کرنا لازمی ہے

ساٹھ مسکینوں کا عدد پورا کرنا لازمی ہے اگر ایک ہی آدمی کو ساٹھ دن تک کھلایا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ جمہور کا مسلک یہی ہے۔

ایک مذہب یہ ہے کہ واجب ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، خواہ ایک ہی آدمی کو ساٹھ دن تک کھلایا جائے، یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

ایک تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سے زیادہ مسکین دستیاب ہو سکیں تو پھر ایک ہی کو کھلانا جائز نہیں ہے ـــــ اور یہی تمام اقوال میں صحیح تر قول ہے۔

۱۰۔ کفارۂ ظہار کے مستحق صرف مساکین ہیں! کفارۂ ظہار کا مستحق مساکین کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، اس میں فقراء بھی داخل ہیں جیسے فقراء میں مساکین شامل ہیں،

ہمارے اصحاب نے اسے عام قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں جو اپنی ضرورت و احتیاج کے باعث زکوٰۃ لے سکتا ہے، وہ اس کفارۂ ظہار میں بھی شریک ہو سکتا ہے، زکوٰۃ چار قسم کے آدمیوں کو دی جا سکتی ہے، فقراء، مساکین، مسافر، اور قرضدار، اور مکاتب،

لیکن ظاہر قرآن سے مساکین کا اختصاص ثابت ہوتا ہے، لہٰذا، ان کے علاوہ کسی اور کو شریک نہ کرنا چاہیئے۔

۱۱۔ کافر غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے غلام آزاد کرنے کا ذکر اللہ نے مطلق طور پر کیا ہے، ایمان کی شرط نہیں رکھی ہے، البتہ کفارۂ قتل میں یہ شرط رکھی ہے،

غیر کفارۂ قتل میں اشتراط ایمان کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ شرط ایمان لگاتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ شرط ایمان نہیں لگاتے،

جو لوگ عدم اشتراط ایمان کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں اگر یہ شرط ہوتی تو خدا نے اس کا ذکر کر دیا ہوتا، جس طرح کفارۂ قتل میں کر دیا ہے، اس جگہ اس نے مطلق رکھا ہے، لہٰذا مطلق طور پر عمل کیا جائے گا، حنفیہ کہتے ہیں اشتراط ایمان نص پر زیادتی ہے، جو نسخ ہے، اور قرآن کا کوئی حکم صرف قرآن، یا خبر متواتر ہی سے منسوخ ہو سکتا ہے،

جو اشتراط ایمان کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں جس طرح اللہ نے زکوٰۃ مسلمین، مسلمین پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، مشرکین پر نہیں، اسی طرح اللہ نے جو صدقات فرض کیے ہیں وہ بھی مسلمان کے سوا کسی پر خرچ نہیں کیے جا سکتے،

۱۲۔ غلاموں کی تنصیف کب جائز ہے؟ اگر دو غلاموں کو آدھا آدھا آزاد کر دیا، تو ایک

غلام کا آزاد کرنا نہیں ہوگا،

لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ اگر آدھا آدھا غلام آزاد کرنے سے دو غلاموں کی حریت مکمل ہو جاتی ہے تو یہ جائز ہے اور نہ نہیں،

۱۳۔ خلاف ورزی سے کفارہ مضاعف نہیں ہوتا

کفارہ ادا کرنے سے مجامعت کر لینے سے کفارہ ساقط نہیں ہوجاتا نہ دوگنا ہوجاتا ہے، بلکہ علی حالہ قائم رہتا ہے، جیساکہ حکم رسول اللہؐ سے ثابت ہے، حلت بن دینار کہتے ہیں میں نے مظاہر (ظہار کرنے والا) کے بارے میں فقہاء سے پوچھا کہ اگر وہ کفارہ دینے سے پہلے مجامعت کرلے تو کیا حکم ہے؟ سب نے یہی جواب دیا کہ ایک ہی کفارہ دینا پڑے گا، اور یہ جواب دینے والے حسن، ابن سیرین، مسروق، بکر، حسن، عطاء، طاؤس، مجاہد، عکرمہ اور نافع تھے۔

ائمہ اربعہ کا قول بھی یہی ہے۔

مسئلہ ایلاء

بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کے اثرات و نتائج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایلا فرمایا۔ آپ ۲۹ دن تک بالاخانہ پر مقیم رہے۔ اس کے بعد نیچے واپس تشریف لائے۔ لوگوں نے پوچھا:

"کیا آپ نے ایک مہینہ ایلا فرمایا؟"

آپؐ نے فرمایا" مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے"۔

ایلا کے بارے میں آیت قرآنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر فان فاءو فان اللہ غفور الرّحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم

یعنی، جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں (کے پاس نہ جانے) سے ان کے لیئے چار مہینہ تک مہلت ہے۔ سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر بیوی کی طرف) رجوع کر لیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا رحم کرے گا، اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

ایلاء کے معنی از روئے لغت از روئے لغت ایلا کے معنی یہ ہیں کہ یمین کے ساتھ کسی چیز سے امتناع، اور شرع کے عرف میں زوجہ سے عدم مباشرت کی قسم کھا لینا ہے۔

ایلاء کا حکم: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شوہروں کے لیے چار مہینہ کی مدت رکھی ہے کہ اس عرصہ میں

وہ ایلاء کے باعث بیویوں سے رُکے رہ سکتے ہیں۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد یا رجوع کر لیا جائے یا طلاق دے دی جائے۔

حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ایلا حالت غضب میں ہوتا ہے۔ حالت رضامندی میں نہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ اپنی ازواج کے ساتھ پیش آیا تھا۔

آیت بالا سے احکام مستنبطہ

اس آیت سے جو احکام مستنبط ہوتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جو چار مہینے سے کم کی مدت کے لیے ترک مباشرت کی قسم کھائے گا وہ مولی (ایلا کرنے والا) نہیں ہوگا، جمہور کا قول یہی ہے ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ ایلا چار مہینے سے کم کی مدت کا بھی ہو سکتا ہے

ایک اور حکم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکم ایلا اس وقت تک ثابت نہیں ہوگا جب تک حلف چار ماہ سے زیادہ کا نہ ہو۔ پس اگر مدت امتناع چار ماہ ہوگی تو حکم ایلا ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مدت رکھی ہے وہ چار ماہ کی ہے۔ اس کے ختم ہونے کے بعد ہی رجوع یا طلاق کی اجازت ہے۔ جمہور کا قول یہی ہے، جس میں احمدؒ، شافعیؒ، اور مالکؒ بھی شامل ہیں۔ لیکن ابو حنیفہ مولی (ایلا کرنے والے) کے لیے چار ماہ کی مدت رکھتے ہیں۔ اس قول کی بنا اس اصل پر ہے کہ مدت معینہ کا اختتام ہی وقوع طلاق کی مدت ہے۔ اور جمہور اس مدت کو استحقاق مطالبہ کی مدت تسلیم کرتے ہیں۔

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اختلاف

یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں سلف... صحابہ، تابعین۔ تبع تابعین — کا اختلاف ہے۔

سہیل بن ابی صالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول اللہ میں سے بارہ اصحاب سے مولی (ایلا کرنے والے) کے بارے میں استفسار کیا۔ ان سب نے جواب دیا۔

"جب تک چار مہینے نہ گزر جائیں اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی!

جمہور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا قول یہی ہے۔

ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کی مدت گزر جائے اور شوہر رجوع نہ کرے، تو یہ مدت ختم ہوتے ہی طلاق پڑ جائے گی۔ تابعین کی ایک جماعت کا قول یہی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اوران کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے سے پہلے مطالبہ کا حق ہے۔ اگر شوہر نے رجوع کرلیا، تو ٹھیک ورنہ مدت ختم ہوتے ہی طلاق واقع ہوجائے گی۔

جمہور کے نزدیک مدت ختم ہونے سے پہلے مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بعد شوہر سے کہا جائے گا یا رجوع کرو۔ یا طلاق دو۔ اگر اس نے رجوع نہیں کیا تو اسے ایقاع طلاق پر مجبور کیا جائے گا۔ باحکم حاکم سے، یا وہ اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک طلاق نہ دے دے۔

آیۂ ایلا سے متعلق دس دلیلیں

قول جمہور یہ ہے کہ آیۂ ایلا سے متعلق ہمارے پاس دس دلیلیں ہیں:

مطالبۂ رجوع یا طلاق کب ؟

(۱) ایلا کی اضافت شوہروں کی طرف ہے، جو رضاکارانہ ہے۔ جبری نہیں، لہٰذا مطالبۂ رجوع یا طلاق مدت کے اندر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ختم ہونے کے بعد کیا جاسکتا ہے۔

رجوع مدت کے بعد

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم (یعنی اگر وہ رجوع کرلیں، تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے)

اس میں اللہ نے فیئت (رجوع) کا ذکر مدت کے بعد کیا ہے، کیونکہ آیت میں "ف"... تعقیب کی ہے، اور یہ بعد مدت کی مقتضی ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ "الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان" تو اس امساک اور تسریح کا تعلق قطعاً بعد طلاق سے ہے۔

عزم کیا ہے ؟

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وان عزموا الطلاق، اور عزم وہ ہے جو عازم کسی فعل کا کرے۔ اگر کہا جائے کہ ترک فیئت (رجوع) عزم طلاق ہے، تو کہا جائے گا کہ عزم وہ ارادۂ جازم ہے۔ جو معزوم علیہ کے ترک و اختیار سے متعلق ہوتا ہے، اور تم مجرد انقضائے مدت سے طلاق واقع کیے دیتے ہو۔ اگرچہ اس کا عزم نہ ہو۔ نہ مباشرت کا نہ ترک کا، بلکہ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ اگر آدمی عزم فیئت (رجوع) کرلے لیکن مجامعت نہ کرے تو بھی تمہارے نزدیک طلاق واقع ہوجائے گی۔ کیونکہ مدت گزر گئی، لہٰذا آیت تمہارے خلاف حجت ہے۔

تخییر بین امرین (۴) اللہ تعالیٰ نے آیۂ ایلا میں طلاق و فیئت (رجوع) میں سے کسی ایک کا اختیار دیا ہے۔ اور تخییر بین امرین کفارات کی طرح ایک حالت میں نہیں ہو سکتی، اور اگر اس کی دو حالتیں مانی جائیں گی، تو پھر ترتیب لازم آئے گی نہ کہ تخییر، اور جب یہ ثابت ہو گیا تو تمہارے نزدیک فیئت (رجوع) نفس مدت ہے۔ اور عزم طلاق انقضائے مدت، لہٰذا تخییر حال واحد میں تو بہر حال نہ ہوئی۔

ترک رجوع طلاق نہیں۔ (۵) اگر یہ کہا جائے کہ شوہر کو اختیار ہے کہ مدت کے اندر رجوع کرلے۔ یا اسی اثنا میں ترک فیئت (رجوع) کرلے، تو مدت گزرنے کے بعد وہ عازم طلاق تصور کیا جائے گا، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ترک فیئت عزم طلاق نہیں ہے۔ انقضائے مدت کے بعد وہ تمہارے نزدیک عزم طلاق ہے۔ پھر عزم طلاق اور فیئت کے مابین تخییر کیسے ہوئی؟ کیونکہ مدت گزرنے کے ساتھ تمہارے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور پھر فیئت ممکن نہ ہوگی۔ اور مدت میں فیئت ممکن ہے، لیکن یہ عزم طلاق کا وقت نہیں ہے۔

حکم خیار کا ابطال (۶) تخییر بین امرین اس کی مقتضی ہے کہ آدمی دونوں میں سے ایک کو اختیار کرلے اور دوسرے کو ترک کردے، ورنہ حکم خیار باطل ہو جائے گا اور یہ مدت سے ہی ہو سکتا ہے۔

طلاق قولی ہونی چاہیے (۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم" اس کا مقتضی ہے کہ طلاق قولی ہو۔

مدت گزرنے کے بعد وفا اور حبس کی صورت (۸) کوئی شخص اپنے قرضدار سے کہتا ہے:

"تمہیں چار ماہ کی مہلت ہے اگر تم نے ادا کر دیا تو میں قبول کرلوں گا اور نہیں ادا کیا تو قید کرا دوں گا"

اس قول کا مقتضا یہ ہے کہ وفا اور حبس مدت گزرنے کے بعد ہوں، نہ کہ مدت کے اندر، اور مخاطب اس قول سے یہی مراد لینے پر مجبور ہے۔

فسخ بیع کی مثال (۹) اگر یہ کہا جائے کہ کوئی آدمی کہتا ہے:

"تمہیں تین دن کا اختیار ہے کہ بیع فسخ کردو۔ ورنہ یہ تم پر لازم ہو جائے گی۔"

گویا فسخ بیع تین دن کے اندر ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد نہیں۔

لیکن یہی دلیل سب سے زیادہ قوی دلیل تمہارے خلاف پڑتی ہے کیونکہ موجب عقد لزوم ہے،

اور بائع نے خیار کی مدت تین دن رکھی ہے۔ یہ مدت ختم ہو جانے پر اگر مشتری بیع فسخ نہیں کرتا تو عقد (معاہدہ) قائم رہتا ہے، یعنی بیع لازم آجائے گی۔ ایسا ہی معاملہ زوجہ کا ہے۔ زوج پر اس کا حق مباشرت ہے، جیسے شوہر کا بیوی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف، تو گویا شارع نے چار ماہ کا امتناع رکھا ہے نہ کہ حق زوجہ، اس مدت کے گزرنے کے بعد، بیوی بموجب عقد اپنے حق پر واپس آجائے گی۔ اور مطالبہ ہے نہ کہ وقوع طلاق۔

(۱۰) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مولین (ایلا کرنے والوں) کے لیے ایک چیز رکھی ہے، اور ان کے خلاف دو چیزیں رکھی ہیں، جو چیز ان کے لیے رکھی ہے وہ ہے تربص (انتظار) مدت مذکورہ، اور جو ان کے خلاف ہے، وہ ہے رجوع یا طلاق، اور تمہارے نزدیک فیئت (رجوع) کے سوا کچھ لازم نہیں ہے۔ اور یہ خلاف نص ہے۔

مسئلہ لعان

لعان کی نوعیت و کیفیت اور حکم لعان کی شان نزول

لعان کے بارے میں قرآنی آیات اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم، فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکاذبین ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ من الکاذبین والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصادقین۔

یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر (بدکاری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس (علیحدہ) گواہ نہیں ہیں سوا خود اپنے آپ کے، تو ان میں سے ہر ایک خدا کی قسم کھا کر شہادت دے گا کہ وہ سچا ہے، اور پانچویں بار شہادت دے گا کہ اگر جھوٹا ہے تو اس پر خدا کی لعنت، اور بیوی پر سے سزا ساقط ہو جائے گی۔ اگر چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر شہادت دے گی اس کا شوہر جھوٹا ہے، اور پانچویں مرتبہ شہادت دے گی کہ اس پر خدا کا غضب نازل ہو اگر شوہر سچا ہو۔

عویمر العجلانی اور ان کی بیوی کا قصہ صحیحین میں حدیث سہل بن سعد سے ثابت ہے کہ عویمر العجلانی نے عاصم بن عدی سے کہا، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی (غیر) آدمی کو (ملوث) پائے تو کیا اسے قتل کر دے؟ لیکن وہ بھی قتل کر دیا جائے گا پھر وہ کیا کرے؟ میری طرف سے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپؐ نے اس سوال سے کراہت محسوس فرمائی اور اسے

برا مانا، عاصم نے جو کچھ آپؐ سے سنا وہ انھیں گراں گزرا۔ آخر خود عویمر نے آپؐ سے یہ سوال کیا آپؐ نے فرمایا، تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں حکم الٰہی نازل ہو چکا ہے، جاؤ اسے لے آؤ۔ پھر ان دونوں (میاں بیوی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک دوسرے پر لعنت کی اس کے بعد عویمر نے کہا:

یا رسول اللہ اگر میں اسے روک لوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ بولا۔

اس کے بعد تین طلاقیں قبل اس کے کہ آپؐ حکم دیتے دے دیں۔

سہل کہتے ہیں عویمر کی بیوی حاملہ تھی، اس کا بیٹا ماں کی طرف منسوب ہوا۔ پھر تو یہ اصول بن گیا کہ اس طرح کی صورت میں، ماں بیٹے کی وارث بن جاتی، اور بیٹا ماں کا وارث بن جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔

اس روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ عویمر اور ان کی بیوی نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعنت کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ان دونوں کے مابین تفریق ہو گئی۔

اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ عویمر کی بیوی حاملہ تھی، مگر عویمر نے اس حمل کو اپنا ماننے سے انکار کیا۔

لعان سے پہلے وعظ و تذکیر اور پند و نصیحت

صحیح مسلم میں ابن عمران کی حدیث ہے کہ فلاں بن فلاں نے کہا:

"یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو فحش فعل کا مرتکب پائے تو کیا کرے؟ اگر اس بات کا چرچا کرتا ہے۔ ایک امر عظیم زبان پر لاتا ہے۔ اگر خاموش رہتا ہے تو ایسی (شرمناک) بات پر خاموش رہتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اور کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کے بعد وہ شخص پھر آپؐ کے پاس آیا، اور عرض گزار ہوا کہ جو سوال میں نے آپؐ سے کیا تھا وہ خود میرا ماجرا ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ نور میں مذکورہ آیات نازل فرمائیں ...... "والذین یرمون ازواجھم

آپؐ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں، اور اس شخص کو پند و نصیحت کی، اور فرمایا، عذاب دنیا عذاب آخرت سے آسان ہے۔ اس نے کہا:

" اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپؐ کو مبعوث فرمایا ہے، میں اپنی بیوی پر جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔

اس کے بعد آپؐ نے اس کی بیوی کو طلب فرمایا، اور پند و نصیحت کے بعد فرمایا:

عذاب دنیا عذاب آخرت سے آسان ہے۔"

وہ کہنے لگی " نہیں اس ہستی کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، یہ شخص جھوٹا ہے۔

پھر کارروائی کا آغاز مرد سے ہوا، اس نے خدا کی قسم کھا کر چار مرتبہ کہا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس پر خدا کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹ بول رہا ہو۔

پھر عورت کی باری آئی، اس نے چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہا کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس پر خدا کا غضب نازل ہو اگر وہ سچا ہو۔

اس کے بعد آپؐ نے دونوں میں تفریق کرادی۔

لعان کے بعد شوہر بیوی سے کچھ واپس نہیں لے سکتا

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متلاعنین (لعنت والوں) سے ارشاد فرمایا:

" تمہارا حساب خدا کے حوالے ہے (قطعاً) تم میں سے ایک جھوٹا ہے (بہرحال) اب تو عورت پر کوئی داعیہ نہیں رکھتا۔ اس نے عرض کیا،

" یارسول اللہ اور میرا مال؟"

آپؐ نے فرمایا،

" تیرا مال کیسا؟ اگر تو سچا ہے تو اب تک تو نے اس سے جو تمتع کیا ہے، وہ اس کا صلہ ٹھہرا۔ اور اگر تو جھوٹا ہے تو وہ عورت زیادہ بعید ہے تیرے لیے!"

بچہ ماں کے حوالہ کیا جائے گا

ایک اور روایت ہے کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں

ایک شخص نے لعان کیا۔ آپؐ نے ان دونوں میں تفریق کرادی۔ اور بچہ کو ماں کے ساتھ ملحق کر د

لعان والی عورت کو متہم کرنے والے مستحق سزا ہیں

ابی داؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں میں تفریق کرادی، اور فیصلہ صادر فرمایا کہ بچہ اب باپ کی نسبت سے نہ پکارا جائے۔ اور نہ عورت متہم کی جائے، نہ بچہ، اور اگر کوئی عورت کو یا بچہ کو متہم کرے تو اس پر حد جاری کی جائے۔

نیز آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اب عورت کو شوہر کی طرف سے نفقہ اور سکنیٰ کا حق نہیں کیونکہ دونوں میں بغیر طلاق اور وفات کے تفریق ہوئی ہے، عکرمہ کہتے ہیں یہ لڑکا لعد میں مصر کا امیر بنا اور اسے باپ سے منسوب نہیں کیا گیا۔

ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کا واقعۂ لعان

بخاری نے ذکر کیا ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر (بدکاری کی) تہمت شریک بن سحماء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لگائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"ثبوت، ورنہ حد (سزا)!"

ہلال نے عرض کیا "یا رسول اللہ ہم میں سے اگر کوئی اپنی بیوی کو کسی مرد کے ساتھ آلودہ دیکھے تو کیا وہ ثبوت (گواہ) تلاش کرنے چلا جائے گا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہی فرماتے رہے کہ یا ثبوت لاؤ ورنہ تم پر حد جاری ہوگی

ہلال نے کہا "اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل کرے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بچالے گا۔"

اتنے میں جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

والذین یرمون ازواجھم۔

سعد بن عبادہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو

صحیحین میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو (ملوث) دیکھے تو کیا وہ اسے قتل کر سکتا ہے ؟

آپؐ نے فرمایا، نہیں !

سعد نے کہا، بلکہ ضرور، اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین سے) فرمایا۔

"سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے ؟"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ اگر میں اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ آلودہ دیکھ لوں، تو اسے مہلت دوں یہاں تک کہ چار گواہ (تلاش کر کے) لے آؤں ؟"

آپؐ نے جواب دیا "ہاں !"

سعد نے کہا "ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر حق کے ساتھ بھیجا ہے میں تو (گواہ لانے سے) پہلے فیصلہ کر دوں تلوار سے !"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین سے) فرمایا :

"سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے ؟ بے شک وہ غیور ہے، لیکن میں اس سے زیادہ غیرتمند ہوں - اور اللہ مجھ سے زیادہ باغیرت ہے !"

ایک اور روایت میں ہے کہ سعد نے کہا :

"اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو آلودہ دیکھ لوں تو میں تلوار سے اس کا خاتمہ کر دوں !

"کیا تمہیں سعد کی غیرت پر تعجب ہے ؟ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں - اور اللہ مجھ سے زیادہ باغیرت ہے !"

مسئلہ لعان سے متضمن

احکام و مسائل عدیدہ و مختلفہ، !

کیا لعان غیر مسلموں کیلئے بھی ہے؟

اس حکم نبوی سے متعدد احکام مستفاد ہوتے ہیں، ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں، :

۱- یہ کہ لعان ہر طرح کے زوجین کے لیے صحیح ہے، عام اس سے کہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، ہوں یا فاسق، ان پر حد قذف جاری ہو چکی ہو، یا نہ ہوئی ہو، یا ان میں سے کسی ایک پر اس طرح ماجرا گذرا ہو،

امام احمدؒ جمیع ازدواج میں اس اصول کو کارفرما تسلیم کرتے ہیں، مرد حر، حرۃ سے، اور باندی اگر وہ زوجہ ہو لعان کر سکتا ہے، مسلمان، یہودیہ اور نصرانیہ سے لعان کر سکتا ہے، اگر وہ زوجہ امام مالک اور اسحاقؒ کا قول یہی ہے، سعید بن المسیب، اور حسن اور ربیعہ اور سلیمان بن یسار مسلک بھی یہی ہے۔

حضرات اہل الرائے اور اوزاعیؒ ثوری، اور ایک پوری جماعت اس کی قائل ہے کہ لعان صرف مسلمان میاں بیوی کے مابین ہو سکتا ہے، جو،

- عادل ہوں،
- آزاد ہوں،
- ان پر حد قذف جاری نہ ہوئی ہو،

امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے،

ان ہر دو اقوال کا ماخذ یہ ہے کہ لعان میں دو اوصاف کا جمع ہونا ضروری ہے، یعنی یمین

شہادت اللہ تبارک وتعالےٰ اسے شہادت کہتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یمین" فرماتے ہیں، اس لیے کہ یہ اللہ کی قسم کی محتاج ہے نیز اس میں مذکر و مؤنث مساوی ہیں بخلاف شہادت کے اگر یہ صرف شہادت ہوتی تو تکرار لفظ کی ضرورت نہ ہوتی برعکس یمین کے کہ اس میں تکرار ضروری ہے۔

امور سہ گانہ ایک دوسری جماعت کا کہنا ہے، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ

اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں،

(الف) لعان کرنے والوں کو خدا نے دوسرے گواہوں سے مستثنیٰ کر دیا ہے، یہ استثناء متصل قطعی ہے، اسی لیے "مرفوعاً" آیا ہے،

(ب) اس بات کی ضرورت کہ التعان بجائے خود شہادت ہے،

(ج) التعان شہود کا بدل اور قائم مقام ہے، اگر وہ دستیاب نہ ہوسکیں،

عمرو بن شعیب کی روایت ان کا کہنا ہے کہ عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے، انھوں نے اپنے والد سے روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مد غلاموں، اور دو کافروں کے مابین لعان نہیں ہوسکتی!"

ابو عمر بن عبدالبر نے "التمہید" میں اس کا ذکر کیا ہے دارقطنی نے اسی سلسلہ سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ چار شخص ایسے ہیں جن کے مابین لعان نہیں،

(الف) مرد حر اور باندی کے مابین لعان نہیں،

(ب) حرہ اور غلام کے مابین لعان نہیں۔

(ج) مرد مسلم اور یہودیہ کے مابین لعان نہیں۔

(د) مرد مسلم اور نصرانیہ کے مابین لعان نہیں۔

عبدالرزاق نے اپنی "مصنف" ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو وصیت کی کہ چار کے مابین لعان نہیں ہے، اور مذکورہ چار بیان کیے۔

لعان بدل ہے شہادت کا

یہ کہتے ہیں چونکہ لعان بدل ہے شہادت کا، اور قائم مقام ہے شہادت کا، اگر گواہ دستیاب نہ ہوں تو اس سے وہی چیز صحیح ثابت ہوگی، جو شہادت سے ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اگر شوہر لعان کرتا ہے، اور عورت نہیں کرتی تو اس پر حد جاری ہوگی، کیونکہ ایک شوہر کا لعان چار شہادتوں کا درجہ پائے گا،

نیز یہ کہ شریعت کا قاعدہ مستقرہ یہ ہے کہ بینہ (ثبوت) مدعی پر ہے اور یمین مدعا علیہ پر، اور یہاں شوہر مدعی ہے، لہٰذا اس کا لعان شہادت ہے، اگر یمین ہوتا تو اس کا آغاز مرد کی طرف سے نہ ہوتا،

لیکن دوسرے لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ شہادت درحقیقت یمین ہی ہے، کوئی شخص اگر کہتا ہے " اشھد باللہ " تو گو اسے شہادت کہتے ہیں لیکن حقیقۃً یہ یمین ہے، خواہ نیت یمین کی ہو یا مطلق طور پر بولا گیا ہو عرب اہل زبان لغت میں اسے یمین ہی تسلیم کرتے ہیں۔

لہٰذا اس شہادت سے یمین منعقد ہوتی ہے، جیسا کہ امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے ایک سے ثابت ہے۔

بہرحال صحیح بات یہ ہے کہ لعان دو وصفوں کا جامع ہوتا ہے، ایک شہادت کا دوسرے یمین کا، یہ شہادت مؤکد ہوتی ہے قسم اور تکرار سے، اور یمین مغلظ ہوتی ہے، لفظ شہادت، اور تکرار سے، لہٰذا تاکید میں دس انواع کا اعتبار ملحوظ ہوتا ہے۔

(الف) ذکر لفظ شہادت،

(ب) ذکر قسم، خدا کے ناموں میں سے کسی ایک نام کے ساتھ، اور جس ایک لفظ میں اسماء حسنیٰ جمع ہیں، وہ " اللہ " ہے،

(ج) تاکید جواب۔

(د) تکرار لفظ شہادت و یمین چار مرتبہ، اور پانچویں مرتبہ اپنے لیئے بددعا، اور لعنت، جھوٹا ہونے کی صورت میں۔

(ہ) پانچویں قسم کے وقت یہ خبر کہ یہ عذاب الٰہی کی موجب ہے اور عذاب دنیا، عذاب آخرت سے آسان ہوتا ہے،

(و) شوہر کے لعان کا مقتضائے حصول عذاب ہونا عورت پر، جو یا تو حد ہوگی یا حبس (قید) اور عورت کے لعان کا اس کے اوپر سے حد اور قید کا ساقط کر دینا۔

(ز) لعان کا دونوں میں سے کسی ایک پر موجب عذاب ہونا، خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں۔

(ح) لعان کرنے والوں میں تفریق "اور خانگی زندگی کی ویرانی و تباہی،

(ط) دونوں کے مابین دوام تحریم،

یمین وشہادت لازم وملزوم

تو جب لعان کا حال اور اہمیت یہ ہے کہ یمین کو شہادت کے ساتھ مقرون کر دیا، اور شہادت کو یمین کے ساتھ مقرون کر دیا، اور طعن کے قول کو شاہد کے قول کا درجہ دیدیا، اور اگر عورت لعان سے انکار کرے تو شوہر کی شہادت مرتبۂ قبول حاصل کرے گی، اور عورت پر حد جاری کی جائے گی، اور مرد کی یمین و شہادت سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں، خود اس کے اوپر سے سقوط حد، اور عورت پر حد کا وجوب اور اگر عورت نے بھی جواب میں لعان کیا، اور شوہر کے لعان سے معارضہ کیا، تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔ کہ شوہر پر سے حد ساقط ہو جائے گی، بجائے اس کے کہ عورت پر جاری ہو، پس یہ شہادت اور یمین، اگر یمین محض ہوتی تو عورت پر حد جاری نہ ہوتی، اور اگر صرف شہادت ہوتی، تو اکیلے شوہر کی شہادت کی بنا پر عورت پر حد جاری نہ ہوتی، لیکن ان دونوں میں اگر عورت کا انکار یا پس و پیش ختم ہو جائے تو شوہر کے حق میں شہادت و یمین زیادہ قوی ہو جائے گی، کیونکہ عورت کا پس و پیش بظاہر شوہر کے صدق کی دلیل ہے، لہذا شوہر سے حد ساقط ہو جائے گی، اور عورت پر جاری ہو جائے گی، اور یہ بہترین حکم ہے، پس ظاہر ہوا کہ یہ لعان، یمین ہے، جس میں شہادت کے معنی شامل ہیں، اور شہادت ہے جو یمین کے معنی پر مشتمل ہے۔

ایک حدیث کی تضعیف

رہی حدیث عمرو بن شعیب، تو اگرچہ عمرو تک اس کی سند صحیح ہے، لیکن عمرو تک پہنچنے میں بہت سی گھاٹیاں اور میدان ہیں ابو عمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کے علاوہ اس سلسلۂ سند میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس سے احتجاج کیا جا سکے

رہی حدیث عبدالرزاق، تو ظاہر ہے کہ مراسیل زہری ضعیف ہیں ان سے احتجاج درست نہیں۔

اور عتاب بن اسید مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے، اور مکہ میں نہ کوئی یہودی تھا نہ نصرانی تھا، پھر آپؐ کس طرح وصیت ان کے بارے میں فرما سکتے تھے، ان کے ا بین لعان ناجائز ہے

شریعت کا قاعدہ مستقرہ

اور یہ قول کہ شریعت کا قاعدہ مستقرہ یہ ہے کہ شہادت مدعی کی جانب ہوتی ہے اور یمین مدعا علیہ کی جانب، تو اس کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے۔

ایک تو یہ کہ شریعت نے یہ امر شہادت میں نہیں بلکہ قسامت میں مستقر کیا ہے، شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ یمین اقوی جہت کی طرف ہوتی ہے، قسامت میں مدعی کا پہلو زیادہ قوی ہوتا ہے لہٰذا یمین اس کی جانب ہوتی ہے، اور اگر یمین ایک ہی جانب دائمی طور پر مشروع ہوتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جانب راجح کی قوت رخصت ہو جاتی، اور حکمت شارع مجروح ہو جاتی، لہٰذا اس معاملہ میں شوہر کی جانب یمین کا رکھنا عورت کے مقابلہ میں زیادہ قوی اور با حکمت طریقہ ہے، کیونکہ شوہر کو اپنی ہتک حرمت اور افساد فراش سے کوئی غرض وابستہ نہیں ہو سکتی، نہ اپنی بیوی کو فجور سے وابستہ کرتے ہیں اس کا کوئی مقصد ہو سکتا ہے، بلکہ یہ چیز تو اس کے لیے حد درجہ تکلیف دہ اور تشویش انگیز ہو سکتی ہے، اور اگر اس کی طرف عورت کا لعان سے انکار شامل کر دیا جائے تو معاملہ زیادہ صاف اور قوی ہو جائے، خواص کے دل میں بھی اور عوام کے دل میں بھی، اور عورت پر حکم زنا شرعاً ثابت ہو جائے گا، لہٰذا شوہر کے لعان کی بنا پر اس پر حد جاری کی جائے گی، لیکن اگر اس کی قسم شہادت اربعہ کے درجہ میں نہ ہوتی تو عورت دوسری قسم سے اس سے متعارض ہوتی، اور سزا ساقط ہو جاتی۔

اگر عورت لعان سے انکار کرے تو حد جاری ہو گی؟

اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے یہ کہ عورت اگر جواب میں لعان کرنے سے انکار کر دے تو آیا اس پر فوراً حد جاری کی جائے گی، یا اسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک اقرار جرم نہ کرے؟ یا لعان پر آمادہ نہ ہو جائے؟

اس باب میں فقہا کے دو قول ہیں۔!

شافعی اور سلف و خلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ عورت پر حد جاری کی جائے گی، اہل حجاز کا قول بھی یہی ہے، امام احمدؒ کہتے ہیں قید رکھی جائے گی، یہاں تک کہ جرم کا اقرار کرلے یا لعان پر آمادہ ہوجائے، اہل عراق کا قول بھی یہی ہے، امام احمدؒ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ عورت قید نہیں کی جائے گی بلکہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

اہل عراق اور اُن کے ہم نوا اصحاب کا قول ہے کہ اگر لعان اجل بلبیہ (ثبوت) مان لیا جائے تو عورت پر حد جاری ہوگی، جس کا اسقاط جوابی لعان سے نہیں ہوسکتا، نہ تکذیب بینہ سے ہوسکتا ہے کیونکہ گویا اس کے خلاف چار شہادتیں گزر گئیں، حالانکہ اگر شوہر اپنے علاوہ تین گواہ پیش کردے تب بھی حد جاری نہیں ہوگی، پھر اس اکیلے کی شہادت پر حد جاری نہ ہونا تو اور زیادہ اولیٰ واحریٰ ہے۔

حد جاری نہ ہونے کا ایک اور سبب

اور حد اس لیئے بھی جاری نہیں ہوگی کہ شوہر دو تلاعن کرنے والوں میں سے ایک ہے، لہٰذا دوسرے پر حد جاری نہیں ہوسکتی، جس طرح عورت کے لعان پر شوہر پر حد نہیں جاری ہوسکتی۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بینہ مدعی پر ہے، اور لاریب شوہر مدعی ہے۔

نیز لعان شوہر خود اس کے اوپر سے حد ساقط کردیتا ہے لیکن عورت پر وجوب حد کا مستلزم نہیں ہوتا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایک موقعہ پر فرمایا،

"ثبوت لاؤ، ورنہ تم پر حد جاری ہوگی"! کیونکہ شوہر کا قذف (بدکاری کی تہمت) بھی اجنبی کے قذف کی طرح ہوتا ہے۔ اور وہ حد ہے، اس سے بچاؤ کی صورت اللہ نے لعان رکھی ہے، اور عورت پر اقامت کے لیے دو امر ضروری ہیں، چار گواہ، یا اعتراف گناہ، اس میں لعان شامل نہیں ہے، کیونکہ لعان سے نہ زنا ثابت ہوتی ہے، نہ حد واجب ہوتی ہے، نہ عورت کے نکول (پس و پیش) سے یہ چیزیں ثابت ہوتی ہیں، کیونکہ نکول سے حد ثابت نہیں ہوتی وجہ یہ ہے کہ حد، شبہات کے مواقع پر ساقط ہوجاتی ہے، پھر نکول سے کیسے واجب ہوجائے گی؟ کیونکہ نکول کا سبب، عورت کی گھبراہٹ شرم، ہیبت بلکہ اس رسواکن موقع پر ہوسکتا ہے، اور دوسرے اسباب بھی ہوسکتے ہیں ــــ!

قول راجح کیا ہے؟ بہر حال ترجیحی قول یہی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی ثابت ہے کہ حد یا تو بینہ کی بنیاد پر جاری ہوگی، یا اعتراف جرم، یا حاملہ ہونے کے باعث، لہٰذا اس صورت میں عدم تکمیل بینہ کے باعث وہ چھوڑ دی جائے گی،

شوہر بیوی پر تہمت لگانے کے بعد لعان سے انکار کرے تو کیا ہوگا؟ اگر زوج (شوہر) عورت پر تہمت لگانے کے بعد لعان سے انکار کرے تو اس کے نکول کا حکم کیا ہوگا؟

ہم کہتے ہیں اس پر حد قذف جاری ہوگی، سلف وخلف کے جمہور علماء کا مسلک یہی ہے، امام شافعیؒ، مالکؒ احمدؒ، اور ان کے اصحاب کا قول یہی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں وہ قید کر دیا جائے گا، جب تک لعان نہ کرے۔

پہلے قول کی اساس قول خداوندی ہے، :

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة

یعنی جو لوگ پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں وہ اگر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انھیں اسّی کوڑے مارنے جائیں گے،

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، آپؐ نے ہلال بن امیہ سے آیۂ لعان کے نزول سے پہلے فرمایا،

"ثبوت لاؤ ورنہ حد جاری ہوگی،!"

آنحضرتؐ کے فیصلے مطابق وحی ہوتے تھے ایک اور حکم جو اس مسئلہ سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے مطابق فیصلہ فرمایا کرتے تھے، جو خدا بتاتا تھا، نہ کہ خود اپنی رائے سے، چنانچہ آپؐ نے متلاعنین کے بارے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں فرمایا جب تک وحی نازل نہ ہوئی، البتہ امور جزئیہ ان احکام کی طرف راجع نہیں ہوتے، جیسے کسی منزل معین میں نزول، یا رجل معین کی تامیر (امیر بنانا) وغیرہ، یہ امور مشاورت سے متعلق ہیں، باقی رہا تلقیح نخل (کھجوریں میں پیوندکاری کرنا) یہ آپؐ

کی ذاتی رائے تھی۔ لیکن یہ دوسری چیز ہے، اور احکام وسنت کلیہ دوسری چیز، دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

لعان حاکم کے سامنے ہونا چاہیئے

ایک اور یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کو حضور رسالت مآب میں لعان کے لیئے پیش کرے، اس سے ثابت ہوا کہ لعان امام، یا اس کے نائب کے سامنے ہو سکتا ہے، افراد قوم میں سے کسی کے سامنے نہیں، جس طرح اقامت امام یا اس کا کوئی نائب کر سکتا ہے، قوم کا کوئی فرد نہیں کر سکتا۔

لعان سے متعلق رسول اللہ کا فرمان

لعان اور اس سے پیدہ شدہ بقیہ احکام و مسائل شرعی

۱ لعان گواہوں کی ایک جماعت کے سامنے کیا جائے

ضروری ہے کہ تلاعن[1] ایک جماعت کے سامنے کیا جائے، تاکہ لوگ اس کے شاہد ہوجائیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور سہل بن سعدؓ نے ایسے ایک موقع پر اپنی کم سنی کے باوجود شرکت کی، اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تلاعن کے موقع پر بہت کافی لوگ جمع ہوا کرتے تھے، جن میں کم سن لڑکے بھی شریک ہوتے تھے۔

ایسے موقع پر لوگوں کی حاضری کی حکمت یہ ہے کہ لعان کی بنیاد ایک حد درجہ نامرغوب اور ناپسندیدہ امر پر ہے۔ چنانچہ تعزیر و زجر کے لیے لوگوں کی حاضری ایک بلیغ اور مصلحت آفریں چیز ہے۔

۲ لعان کرنے والے کے لیے کھڑا رہنا ضروری ہے

یہ بھی ضروری ہے کہ لعان کرنے والے کھڑے ہوکر تلاعن کریں، چنانچہ ہلال بن امیہ کے قصہ میں آتا ہے کہ جب وہ لعان کرنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"کھڑے ہوجاؤ، اور چار مرتبہ اپنے دعوے پر شہادت دو۔"

چنانچہ صحیحین میں ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ وہ کھڑی ہوئی پھر اس نے شہادت لعان دی۔

اس میں مصلحت یہ ہے کہ لعان کرنے والا جب کھڑا ہوگا تو اسے تمام حاضرین بہ چشم خود دیکھ لیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ واقعہ کی شہرت بھی زیادہ ہوگی، اور لوگوں کے دل پر وہ نقش بھی ہوجائے گا۔

---

[1] یعنی میاں بیوی کا ایک دوسرے کے لیے کہیں کہ اگر وہ جھوٹ بول رہے ہیں تو ان پر لعنت، پھر بدکاری کا الزام لگائیں۔

کیا لعان صرف مرد کی طرف سے ہو سکتا ہے؟

یہ بھی ضروری ہے کہ لعان کی ابتدا مرد کی طرف سے ہو۔ اگر عورت کی طرف سے آغاز ہوا، تو جمہور کے نزدیک یہ لعان قابل قبول نہیں ہوگا، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مان لیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں حدود و شرعی سزاؤں، سزائے زنا کا ذکر کیا ہے تو وہاں سزا کی ابتدا عورت سے کی ہے :۔

الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة، یعنی زانیہ عورت، اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو[1]

لیکن لعان کا ذکر جہاں کیا ہے سزا کا آغاز شوہر سے کیا ہے، اور یہ بالکل موزوں اور مناسب ہے کیونکہ عورت کا ارتکاب زنا، مرد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ قبیح فعل ہے، کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے حق کی ہتک کرتی ہے۔ شوہر کا حق غصب کرتی ہے۔ اور شوہر پر ایک دوسرے شخص کا نسب تھوپ دیتی ہے، اور سارے خاندان کی رسوائی اور بدنامی کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا سزا کے سلسلہ میں پہلا نام اس کا لیا گیا۔ لیکن لعان کی صورت دوسری ہے۔ اس میں شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے، اس کی رسوائی کا موجب بنتا ہے۔ لعان کی پیش کش کرتا ہے۔ اس کے خاندان اور کنبہ میں اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھتا۔ لہٰذا بدکاری کا الزام لگانے کے بعد اگر وہ لعان نہیں کرتا، تو اس پر حد قذف[2] (تہمت کی سزا) جاری کی جائے گی ..... لہٰذا عورت کے بجائے اس سے آغاز مناسب تھا۔

---

[1] اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زنا کی شرعی سزا سو کوڑے ہے لیکن احادیث سے ثابت ہے کہ غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا۔ فقہ کا مسئلہ بھی یہی ہے ــــ لیکن اس سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی سزا کا یہ اختلاف، مذکورہ آیۂ قرآنی سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اگر پہلے کا ہے تو قرآن کے فرمان کے بعد وہ ساقط ہوگیا۔ اگر بعد کا ہے تو اس کا ثبوت تاریخی درکار ہے جو غیر مشتبہ طور پر ملتا نہیں

[2] تہمت (بدکاری) کی سزا، شرعی طور پر اسی کوڑے ہے۔

عذاب دنیا اور عذاب آخرت یہ بھی ضروری ہے کہ جب لعان کرنے والے لعان پر آمادہ ہوں تو پہلے انھیں سمجھا بجھا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے اور وعظ و پند کے ذریعہ بتایا جائے کہ عذاب دنیا عذاب آخرت کے مقابلہ میں کہیں ہلکا ہے۔

لعان کے لیے صرف مقررہ الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں لعان کے لیے یہ بھی ضروری ہے، کہ اس میں صرف وہی الفاظ استعمال کیے جائیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ اپنے منتخب کیے ہوئے الفاظ کا لعان قابل قبول نہیں، لعان کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام لگاتے ہوئے کہے۔

"میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں سچ بول رہا ہوں۔"

اس کے جواب میں بیوی کہے گی۔

"میں خدا کو گواہ کرکے کہتی ہوں کہ یہ (شوہر) جھوٹا ہے۔"

بس اتنا کافی ہے، لعان کو مشروط کرنے یا اس میں ایچ پیچ لگانا درست اور جائز نہیں۔

لعان کے بعد میاں بیوی میں تفریق، اولاد کی ماں سے محبت لعان کے بعد عورت کے پیٹ میں جو حمل ہے، وہ خود بخود شوہر سے منتفی ہو جائے گا، شوہر کے استبراء یا انکار وغیرہ کی نہیں ہے، میاں بیوی میں تفریق ہو جائے گی، اور اولاد (لڑکا یا لڑکی) بیوی کی ہو جائے گی لیکن اگر شوہر کو یہ معلوم ہو کہ حمل اسی کا ہے اور عورت سے زنا کا صدور بعد میں ہوا ہے، تو پھر لڑکا شوہر کا ہوگا، اور اس کے لعان کے باوجود منتفی نہیں ہوگا۔

لعان کرنے والے پر حد نہیں جاری ہوگی اگر شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام یوں لگائے، کہ اس نے خود دیکھا ہے، پھر لعان کرے تو اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی اور بیوی کو بھی اگر وہ شوہر کی تردید کرے سزا نہیں دی جائے گی، لیکن اگر شوہر بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے مگر لعان نہ کرے تو اسے سزا دی جائے گی۔

لیکن لعان کے باوجود کہ شوہر حمل کا استلحاق کرلے، تو جو بچہ پیدا ہوگا، وہ اس کا مانا جائے گا،

ظواہر احادیث کے لحاظ سے یہ قول یہاں صحیح اور درست ہے۔

لعان کے بعد بھی عورت کو زنا سے متہم نہیں کیا جا سکتا

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ تلاعن کرنے والوں کے مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کرادی، اور فیصلہ فرمادیا کہ اب شوہر بچہ کا دعویٰ نہیں کرسکتا، نہ عورت پر زنا کی تہمت کوئی لگا سکتا ہے، اگر ایسا کرے گا تو سزا پائے گا، اسی طرح اگر کوئی لڑکے کو متہم کرے گا، تو وہ بھی سزا پائے گا۔

آپؐ نے یہ بھی فیصلہ فرمادیا کہ اب شوہر کے ذمہ عورت کی سکونت اور نفقہ واجب نہیں رہا۔ (6)
کیونکہ دونوں میں افتراق بغیر طلاق کے ہوا ہے۔

سہل کا قول ہے کہ عورت کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوگا، وہ اپنی ماں سے منسوب ہوگا۔ اس کی جائداد کا وارث بھی ہوگا، وہ بھی بیٹے کی وارث بننے کا حق رکھے گی۔ (7)

لعان کے نتیجہ میں تفریق کے بعد، یہ دونوں مرد عورت پھر کبھی بھی میاں بیوی نہیں بن سکتے۔
زہری سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک لعان کرنے والے اور اس کی بیوی کے مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کرادی، اور فرمایا:

"ان دونوں میں اب کبھی ملاپ نہیں ہوسکتا!"

شوہر نے کہا "یا رسولؐ اللہ، اور میرا مال؟"

آپؐ نے فرمایا "تیرا مال کیسا؟ اگر تو نے سچ کہا ہے، تو اتنے دن اس سے متمتع بھی تو ہوتا رہا ہے (8)
اور اگر جھوٹ بولا ہے، تو پھر تجھے کچھ پانے کا کیا حق رہا؟"

مسئلہ لعان کے احکام عشرہ

مسئلہ لعان جملہ دس احکام پر مشتمل ہے:

لعان کے بعد تفریق کے سلسلہ میں مذاہب متعددہ

(۱) لعان کرنے والوں کے مابین تفریق کے سلسلہ میں کئی مذاہب ہیں،
ایک تو یہ کہ قذف (تہمت) کے ساتھ ہی دونوں میں تفریق ہوجائے گی۔ یہ ابو عبید کا قول ہے لیکن جمہور ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ لعان بجائے خود تفریق کا موجب ہے۔

ان کے تین قول ہیں، ایک تو یہ شوہر کے لعان کے ساتھ فوراً تفریق ہو جائے گی، خواہ بیوی لعان کرے یا نہ کرے ـــــــ یہ قول صرف امام شافعیؒ کا ہے۔

دوسرے یہ کہ جب تک دونوں (میاں بیوی) ساتھ ساتھ لعان نہ کریں، تفریق نہیں ہوگی، اگر دونوں نے ساتھ ساتھ لعان کیا تو ساتھ ہی ساتھ تفرقہ واقع ہو جائے گا، کیونکہ زوجین کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح کو موجب مودت و رحمت قرار دیا ہے۔ اور دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا مایۂ تسکین قرار دیا ہے، لیکن بدکاری کی تہمت کے بعد وہ مایۂ تسکین زائل ہوگیا۔ اور ننگ و عار اور رسوائی نے اس کی جگہ لے لی۔

تیسرے یہ کہ تفریق اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک لعان مکمل نہ ہو اور حاکم تفریق نہ کرائے ـــــــ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

لعان کے بعد کی تفریق فسخ نکاح ہے طلاق نہیں (۲) لعان سے میاں بیوی کے مابین جو تفریق ہوگی، وہ فسخ نکاح ہے، نہ کہ طلاق۔ اور یہ تفریق اس فسخ نکاح کی سی ہوگی جو رضاعی رشتہ کی صورت میں ہوتی ہے، کیونکہ لعان طلاق سے جدا ایک چیز ہے، اس میں نہ شوہر طلاق دیتا ہے، نہ طلاق کی نیت کرتا ہے نہ طلاق واقع ہوتی ہے اگر لعان طلاق یا کنایۂ طلاق ہوتا تو شوہر کے لعان کے ساتھ ہی طلاق واقع ہو جاتی۔ بیوی کے لعان پر موقوف نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ طلاق وہ حق ہے جو شوہر کو حاصل ہوتا ہے، چاہے اس حق کو استعمال کرے، چاہے نہ کرے لیکن فسخ نکاح شریع کے حکم سے ہوتا ہے جس میں شوہر کے اختیار کو ذرا بھی دخل نہیں ہوتا۔

نیز سنت نبی کریمؐ، اقوال صحابہ، اور دلالت قرآن سے ثابت ہے کہ خلع سے جو تفریق ہوتی ہے وہ بھی طلاق نہیں ہے، بلکہ فسخ نکاح ہے، اگرچہ اس میں میاں بیوی دونوں کی رضامندی شامل ہوتی ہے، پھر جب خلع تک طلاق نہیں ہے تو لعان کو طلاق کیسے مانا جا سکتا ہے؟

لعان کے بعد نہ رجعت ہو سکتی ہے نہ تجدید نکاح (۳) لعان کی صورت میں جو تفریق زوجین کے درمیان ہوتی ہے وہ دائمی ہوتی ہے، پھر اس کے بعد دونوں میں اس رشتہ کی تجدید زندگی بھر نہیں ہو سکتی۔ (۹

بیہقی میں سعید بن جبیر سے ابن عمرؓ سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"لعان کرنے والے جب جدا ہو جائیں تو پھر کبھی ملاپ نہیں کر سکتے۔"

اگر یہ کہا جائے کہ لعان کے بعد، اگر شوہر اپنی سابقہ بیوی کو بہ حیثیت باندی کے خرید لے تو اب ملک یمین کی حیثیت سے وہ اس پر تصرف کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، کیونکہ ان دونوں کی تفریق دائمی ہے۔ وہ کسی صورت اور طریقہ سے بھی زائل نہیں ہو سکتی۔

(۴) لعان کے بعد بھی بیوی کو حق مہر حاصل ہے

لعان کے باعث عورت اپنے حق مہر سے محروم نہیں ہوتی، بشرطیکہ شوہر بیوی سے متمتع ہو چکا ہو۔ کیونکہ اگر وہ سچا ہے تو تمتع کے عوض مہر کا دین دار ٹھہرا اور اگر جھوٹا ہے تو اور زیادہ مہر ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر لعان قبل از تمتع ہو تو کیا پھر نصف مہر واجب ہوگا؟ یا ساقط ہو جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مثال بیع کی سی ہے۔ اگر سودا کھرا ہے تو نافذ ہے، کھوٹا ہے تو فسخ ہو جائے گا۔ آخری صورت میں شوہر کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوگا۔

(۵) لعان کے بعد نفقہ اور سکنیٰ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق لعان کے بعد، عورت نہ جائے سکونت کی طالب ہو سکتی ہے نہ نفقہ کی۔

(۶) لعان کے بعد لڑکے کا نسب باپ سے منقطع ہو جائے گا

لعان کے بعد لڑکے کا نسب باپ سے منقطع ہو جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ لعان والی عورت کے بچہ کا باپ پر کوئی حق نہیں ہے یہی حق ہے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے۔

(۷) لعان کے بعد لڑکے کا نسب ماں سے چلے گا

چونکہ لعان کے بعد پیدا ہونے والے بچہ کا نسب باپ سے منقطع ہو چکا ہے لہٰذا اس کا نسب ماں سے چلے گا۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس الحاق کا مقصد اس توہم کو دور کرنا ہے کہ چونکہ اب بچہ کا نسب باپ سے جس طرح منقطع ہو چکا ہے اسی طرح ماں سے بھی منقطع ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے بچہ کا الحاق ماں سے کر دیا، اور اس معاملہ میں شدت ملحوظ رکھی اور اس کے ایجاب کو یہاں تک مؤکد کیا کہ فرمایا کہ اب جو شخص اس عورت یا اس کے بچہ پر (بدکاری یا بدنسبی کی) تہمت لگائے گا اس پر حد قذف (تہمت) جاری کی جائے گی —— امام شافعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔

ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اس الحاق سے ایک فائدہ زائدہ یہ حاصل ہوا کہ نسب کی تحویل باپ سے ماں کی طرف ہو گئی، اور ماں باپ کی قائم مقام بن گئی۔ اب یہ ماں بھی اس کی عصبہ بن گئی، اور اس کے عصبات بھی اس کے عصبہ بن گئے۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثہ میں حصہ پائے گی —— یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی مروی ہے اور یہی قول صواب اور درست ہے۔

(۸) لعان کے بعد عورت کو بدکاری سے متہم کرنا قابل سزا ہے

یہ کہ واقعہ لعان کے بعد اب نہ عورت کو کوئی متہم کر سکتا ہے، نہ اس کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچہ کو۔ اگر کسی نے عورت پر بدکاری کی یا اس کے بچہ پر بدنسبی کی تہمت لگائی تو اس پر حد شرعی جاری ہوگی —— سنت صریحہ صحیحہ سے یہ مسئلہ درست اور صواب ثابت ہے۔ جمہور امت کا بھی یہی قول ہے۔

(۹) لعان زن و شوہر کی طرف سے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے

یہ احکام اس صورت میں ہیں کہ لعان زن و شوہر کی طرف سے ساتھ ساتھ ہوا ہو، یعنی دونوں نے ساتھ ساتھ تلاعن کیا ہو۔ شوہر نے اپنے سچے ہونے کی قسم کھا کر بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائی ہو۔ اور بیوی نے اپنے سچے ہونے کی قسم کھا کر اس کے الزام کی تردید کی ہو اور اسے جھوٹا قرار دیا ہو۔

لیکن اگر صرف شوہر نے لعان کیا ہو، بیوی نے نہ کیا ہو تو پھر یہ احکام مترتب نہیں ہوں گے۔

ابو البرکات ابن تیمیہ نے اسی مسلک کی بنا پر صرف شوہر کے لعان سے انتفاء ولد کی تخریج کی ہے اور یہ تخریج بالکل صحیح ہے، کیونکہ جس طرح اس کے لعان سے، سقوط حد، اور عار قذف کا بغیر اعتبار

لعان کے افادہ ہوتا ہے اسی طرح سقوط نسب فاسد کا افادہ بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ عورت نے تلاعن نہ کیا ہو، کیونکہ نسب فاسد کا تضرر وہ ضرر، حد قذف سے زیادہ ہے، اور اس کی نفی کی ضرورت دفع حد سے زیادہ قوی ہے، پس اس کا لعان جس طرح دفع حد کو محکم کردیتا ہے، اسی طرح نفی ولد کو بھی۔

(۱۰) عورت نفقہ اور سکنیٰ کا مطالبہ کیا کرسکتی ہے؟

مطلقہ یا بیوہ عورت کے لیے، اس سے نفقہ اور سکنیٰ (جائے قیام) کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ دونوں (مطلقہ اور بیوہ) حاملہ ہوں۔ کیونکہ آپؐ کے ارشاد کے مطابق ان دونوں میں چونکہ افتراق بغیر طلاق کے واقع ہوا ہے۔ یا بغیر بیوگی کے واقع ہوا ہے لہٰذا انھیں نہ سکنیٰ کا مطالبہ کرنے کا حق ہے نہ نفقہ کا۔

آپؐ کے اس ارشاد سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔ بائن عورت — یعنی وہ عورت جسے طلاق بائنہ دی گئی ہو — سکنیٰ، اور نفقہ کا مطالبہ نہیں کرسکتی، بشرطیکہ وہ شوہر سے حاملہ نہ ہو۔

۲۔ لیکن اگر شوہر سے وہ حاملہ ہو تو پھر خواہ مطلقہ بائنہ ہو، یا بیوہ، دونوں صورتوں میں اسے سکنیٰ اور نفقہ حاصل کرنے کا حق ہے۔

کیا قیافہ سے نسب کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

ایک عورت پر اس کے شوہر نے بدکاری کا الزام لگایا، آپؐ نے فرمایا:

"دیکھتے رہو، اگر وہ عورت ایسا ایسا بچہ جنے تو وہ ہلال بن امیہ (شوہر) کا ہے، اور اگر وہ ایسا ایسا (اس رنگ کا) بچہ جنے تو وہ شریک بن سحماء (جس سے بدکاری کا الزام لگایا گیا تھا) کا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ایسے معاملات میں قیافہ سے حکم لگانا بھی معتبر ہے۔ نیز یہ کہ معرفت نسب میں شبیہ کو بھی دخل ہے۔

ایک بے حد اہم فقہی مسئلہ

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لے اور اسے قتل کردے، تو اسے قتل کردو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں کسی آدمی کو یہ الزام لگا کر قتل کردے کہ اسے

میں نے اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھا تھا تو اس کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو گویا اس طرح اسے قتل کی اجازت دے دی گئی، وہ جسے چاہے اپنے گھر میں بلا کر قتل کر دے، اور حسب باز پرس ہو تو صفائی میں کہہ دے کہ میں نے تو اسے اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

لیکن یہ مسئلہ صحابہ کے مابین مختلف فیہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال

(۱) حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا جس کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا، اور جس کے پیچھے پیچھے لوگ بھاگے آ رہے تھے۔

اس شخص نے کہا، ایک شخص میری بیوی کے ساتھ بدکاری کر رہا تھا، میں نے اسے قتل کر دیا، تو جو مقتول کے آدمی تھے، اس الزام سے انکار نہ کر سکے، حضرت عمرؓ نے قاتل پر حد جاری نہیں کی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ

(۲) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو بدکاری کرتے دیکھے تو وہ خود اسے قتل نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے الزام کی تائید میں چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس سے ایسا نہ کیا یا نہ کر سکا تو اسے عدالت کے کٹہرے میں قاتل کی حیثیت سے پیش ہونا پڑے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

(۳) حضرت سعد بن عبادہ نے ایک مرتبہ اسی طرح سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، نہیں وہ شخص اسے قتل نہیں کر سکتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد نے پوچھا:

"اگر میں ایسا دیکھوں تو کیا اسے اس وقت تک مہلت دوں گا جب تک چار گواہ نہ لے آؤں؟"

آپؐ نے فرمایا، "ہاں"۔

سعد نے کہا "اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں اگر ایسا اپنے گھر میں دیکھوں تو فوراً تلوار نکال کر فیصلہ کر دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے، بلاشبہ وہ غیور ہے، لیکن میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں

اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے۔

ان تینوں مثالوں میں سے:

ہرسہ واقعات کی توجیہہ و تعلیل

(۱) حضرت عمرؓ کا واقعہ یوں ہے کہ انھوں نے قاتل کو اس لیے چھوڑ دیا کہ مقتول کے جو ولی تھے انھوں نے اعتراف کر لیا تھا۔ اور صاحب مغنی فرماتے ہیں کہ اگر ولی جرم زنا کا اعتراف کرلے تو پھر قاتل پر نہ قصاص واجب ہے نہ دیت (خون بہا)

(۲) حضرت علیؓ کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ چار گواہوں کی شہادت ضروری قرار دیتے ہیں ورنہ قاتل کیفر کردار کو پہنچے گا، کیونکہ یہ قتل زنا کی سزا نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ زانی پر اگر حد جاری ہوتی تو تلوار سے نہ ہوتی۔ اور اقامت حدود میں شروع کا اعتبار لازمی اور لابدی ہے۔

۳۔ سعد بن عبادہ کے قصہ میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار گواہوں کی شہادت لازمی قرار دی ہے۔ یہی عام حکم ہے امت کے لیے کیونکہ اگر اس کے قتل کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو ہلاکت وافساد کی گرم بازاری شروع ہو جائے، جو چاہے کسی کو اپنے گھر میں بلاکر یہ الزام لگائے اور قتل کردے۔ اس طرح بہت بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

آپؐ کے اس ارشاد سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قاتل کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور اسے شرعی عدالت کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اور سعدؓ کا معاملہ یوں ہے کہ آپؐ نے ان کی شدت غیرت پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔ لوگوں کو بتایا کہ وہ غیور ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ میں سعدؓ سے زیادہ غیرت مند ہوں اور خدا مجھ سے زیادہ غیور ہے۔ اس ارشاد کے دو معنی ہوئے۔

ایک یہ کہ سعدؓ کے حلف پر آپؐ کا اقرار غیرت اور سکوت اس امر پر دال ہے کہ سعدؓ نے جو کہا تھا وہ جائز تھا یعنی الٰہی کی حد تک، باقی رہا قتل تو ظاہر شرع کے لحاظ سے عام ہے۔

لیکن حدیث کے یہ دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے متناقض ہرگز نہیں ہیں۔

حکمت، مصلحت، رحمت اور احسان کا تقاضہ

آپؐ نے سعدؓ کی بات سن کر جو کچھ فرمایا

وہ نکیر کے طور پر تھا، یعنی آپؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اپنے سردار کی بات سنتے ہو؟ یعنی میں تو اسے قتل سے منع کرتا ہوں، اور یہ ہیں کہ کہتے ہیں بے شک جس خدا نے آپ کو حق کے ساتھ اور اکرام کے ساتھ مبعوث کیا ہے مگر قتل کو بھی کہتے ہیں۔

گویا آپؐ نے خبر دی کہ سعد غیرت مند ہیں تو میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور خدا مجھ سے زیادہ غیور ہے۔ اور اس نے اپنی شدت غیرت کے باوجود چار گواہوں کی شہادت کو لازمی اور ضروری قرار دیا ہے۔

خدا کا یہ حکم حکمت، مصلحت، رحمت اور احسان کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالٰے اپنی شدت غیرت کے باوجود مصالح عباد کا زیادہ امر شناس ہے۔ چنانچہ اس نے ملزم پر قتل کے لیے لپکنے کو جائز نہیں قرار دیا جب تک چار گواہ اس کے جرم کی تائید و توثیق نہ کرلیں۔

اور آپؐ نے یہ جو فرمایا کہ میں سعدؓ سے زیادہ غیرت مند ہوں تو اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آپؐ نے گویا دوسرے الفاظ میں انھیں قتل سے منع کیا، اور رد کا، کہ ظاہر شرع پر عمل بہرحال ضروری ہے۔

سوال یا استفتا کی صورت میں تعریض سے سائل یا مستفتی پر حد جاری نہیں ہوگی

صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا

"میری بیوی نے جو بچہ جنا ہے وہ سیاہ رنگ کا ہے۔"

گویا اس طرح وہ لڑکے کو ناجائز ثابت کرنا چاہتا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا:

"کیا تیرے پاس کوئی اونٹ ہے؟"

اس نے جواب میں عرض کیا "جی ہاں ہے۔"

آپؐ نے دریافت فرمایا

"اس اونٹ کا رنگ کیا ہے؟"

اس نے جواب میں عرض کیا،

"سرخ رنگ کا ہے۔"

آپؐ نے سوال کیا:
"کیا کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟"
اس آدمی نے عرض کیا "ہے"
آپؐ نے ارشاد فرمایا:
"یہ رنگ کہاں سے آیا؟"
اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ:

:- اگر سوال اور استفتا کی صورت میں تعریض کی جائے تو اس سے سائل یا مستفتی پر شرعی حد واجب نہیں ہوگی — اگرچہ وہ حد درجہ ناگوار، اور بیہودہ انداز میں کیوں نہ ہو۔

:- صرف شک وشبہ کا اظہار، لعان کا سبب نہیں بن سکتا نہ اس سے لعان لازم آتا ہے۔

:- اس صورت میں نفی ولد (اپنا لڑکا نہ ماننا) بھی لازم نہیں آتی!

الولد للفراش

مسئلہ "فراش" کی تفصیل اور اس کی حقیقت اور واقعیت

سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ میں جھگڑا

صحیحین میں حضرت عائشہ رض کی حدیث سے ثابت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ

سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ میں ایک لڑکے پر جھگڑا ہو گیا، سعد نے کہا،

"یا رسول اللہؐ یہ لڑکا میرے بھائی عتبہ بن وقاص کا ہے، جس کے بارے میں انھوں نے عہد سے کہا تھا کہ ان کا بیٹا ہے، ملاحظہ فرمایئے یہ ان سے مشابہت بھی کتنی رکھتا ہے۔

عبد بن زمعہ نے کہا۔

یا رسول اللہؐ یہ لڑکا میرا بھائی ہے جو میرے باپ کے فرش پر یعنی ان کی ایک باندی کے بطن سے پیدا ہوا ہے،

آپؐ نے بہ نگاہ غور اس لڑکے کو ملاحظہ فرمایا تو اس میں واضح اور بیّن طور پر عتبہ کی مشابہت پائی، پھر آپؐ نے فرمایا،

اے عبد بن زمعہ یہ تمہارا[1] ہے، — لڑکا اس کا ہے جس کے فرش پر پیدا ہو، اور زانی کے لیے پتھر ہے[2]! — اے سودہ[3] اس سے پردہ کرو،!"

---

[1] یعنی تمہارا غلام ہے،

[2] بہتر ہے یعنی زانی کو سنگسار کیا جائے گا۔

[3] ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا،

پھر حضرت سودہؓ نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔

ثبوت نسب میں اصل فراش ہے

اس حکم نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ:

— : ثبوت نسب میں اصل فراش ہے، اور باندی بھی فراش ہوتی ہے، لہٰذا اس سے جو اولاد ہوگی، اس کے مالک کی تصور کی جائے گی۔

شبہہ کی صورت میں فراش کو تقدم ہے

— : اگر شبہہ پیدا ہو جائے تو فراش کو تقدم رکھا جائے گا،

قیافہ کی شرعی حیثیت

قیافہ بھی ٹھیک ہے، اور شرع میں اسے تسلیم بھی کیا جاتا ہے لیکن ثبوت نسب میں، فراش کے تقدم پر سب کا اتفاق ہے۔

ثبوت نسب میں چار چیزیں دخل رکھتی ہیں:

— : ایک تو فراش،

— : دوسرے استلحاق، یعنی اعلان واعتراف کے ذریعہ کسی کو اولاد تسلیم کرلیا جائے۔

— : تیسرے، ثبوت اور دلائل سے کوئی، کسی کی اولاد ثابت ہو جائے۔

— : چوتھے، قیافہ سے ثابت ہوتا ہو،

— : اس سلسلہ میں اوّل الذکر تینوں تو متفق علیہ ہیں - ان میں کوئی اختلاف نہیں،

بیوی اور باندی کی اولاد

اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ نکاحی عورت سے جو اولاد ہوگی وہ شوہر کی تسلیم کی جائے گی - لیکن باندی کے پیٹ سے جو اولاد ہوگی اس میں اختلاف ہے، جمہور امت نے اسے بھی فراش کے اصول کے مطابق مالک کا تسلیم کیا ہے، اور دلیل میں بھی حضرت عائشہؓ والی حدیث پیش کی ہے،

لہ پردہ کا حکم اس لیے دیا کہ بہرحال مشتبہ امر تھا، اگر ثابت ہوتا تو اس حکم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ پھر وہ حضرت سودہ کا بھائی ہوتا، اور بھائی سے پردہ نہیں کیا جاتا۔

امام ابو حنیفہ کا مسلک

:— امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ باندی پہلی ولادت کے موقع پر فراش تسلیم نہیں کی جائے گی، یہ بچہ جو اس کے بطن سے پیدا ہوگا استلحاق کے بغیر شریک نسب نہ ہوگا، یعنی جب تک باندی کا آقا، اور اس بچہ کا باپ اسے اپنا تسلیم نہ کرلے، اور اب باپ سے اس کا الحاق فراش کی بنیاد پر نہیں بلکہ استلحاق کی بنیاد پر ہوگا،

البتہ پہلی ولادت کے بعد باندی کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوگا، وہ باپ کے نسب سے ملحق ہوگا، بشرطیکہ باپ نے اس کے بیٹے ہونے کی نفی نہ کردی ہو۔

استلحاق اور نسب

گویا امام ابو حنیفہ کے نزدیک صورت مسئلہ یوں ہوئی کہ باندی کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ، اس کے آقا فراش کی بنیاد پر ملحق نہ ہوگا، بجز اس صورت کے کہ اس سے پہلے والا استلحق (استلحاق کیا ہوا بیٹا) موجود ہو: حالانکہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کو زمعہ سے ملحق کردیا اور اس کے نسب کو تسلیم کرلیا۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ باندی اس سے پہلے بھی کوئی بچہ جن چکی تھی، نہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی سوال فرمایا۔ یا پوچھ گچھ کی، نہ اس بارے میں کوئی تفصیل دریافت فرمائی، روایت میں صرف سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ کے جھگڑے (منازعت) کا ذکر ہے۔ تفصیل کی کوئی اصل کتاب وسنت اور اثر سے ثابت نہیں ہے نہ وہ قواعد شرع اور اصول شرع پر اثر انداز مانی جاسکتی ہے۔

فراش ضعیف اور فراش قوی

:— حنفیہ (حنفی حضرات) کہتے ہیں کہ ہم باندی کے فی الجملہ فراش ہونے سے انکار نہیں کرتے، لیکن یہ فراش ضعیف ہے، اور ایک آزاد عورت کے مقابلہ میں کم ہے، اس لیے پہلے بچہ کو جو باندی کے بطن سے پیدا ہو، بغیر استلحاق کے نسب پدر سے ملحق نہیں کرتے، البتہ اس کے بعد کی اولاد —— اگر باپ کا انکار نہ کرے —— نسب پدر سے ملحق مان لی جائے گی۔

بیوی اور باندی میں فرق یہ ہے کہ عقد نکاح بیوی سے تمتع اور مباشرت اور استفراش کے لیے ہوتا ہے، بہ خلاف ملک یمین (باندی) کے، کیونکہ اس میں تمتع اور استفراش کی حیثیت

تابع کی ہے، اصل کی نہیں۔

رہا زمعہ کا معاملہ، تو اس لڑکے کو آپ ؐ نے استلحاق کی بنا پر عبد بن زمعہ کے حوالے کیا تھا۔ نہ کہ فراش پدر کی بنیاد واساس پر۔

باندی فراش حقیقی کب ہے؟

— : جمہور کا قول ہے کہ جب باندی موطوءۃ (جس سے تمتع کیا جائے) ہے تو وہ فراش حقیقی بھی ہے، اور اس کے فراش بننے کے لیے ولادت سابقہ کا اعتبار شرعی طور پر محروم دلیل ہے،

— و رہی یہ بات کہ زمعہ کے لڑکے کا لحوق استلحاق کی بنا پر تھا، تو اس کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ اس ذات کے ذمہ ہے جس نے اس کے الحاق کا فیصلہ کیا، اور زمعہ کے بیٹے سے کہا یہ تیرا بھائی ہے۔

مستلحق کے لیے تمام اقربا کا اتفاق ضروری ہے

— : اور یہ دعویٰ کہ بھائی کے استلحاق پر اس کو نسب پدر سے ملحق کیا گیا تھا باطل ہے، کیونکہ اگر مستلحق کو، تمام اقربا ملحق کرنے پر متفق نہ ہوں، اس کا الحاق نسب پدر سے نہیں ہو سکتا، بجز اس کے کہ ان میں سے دو گواہ شہادت دیں کہ یہ مرحوم کا ولد فراش ہے،

حضرت سودہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو زیر بحث لڑکے کی بہن ہوتی تھیں، انھوں نے استلحاق نہیں کیا تھا، اور اگر اقرار کر لیتیں تو بھی ثبوت نسب فراش کی بنا پر ہوتا، نہ کہ استلحاق کی بنا پر، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلۂ الحاق نسب کے فوراً بعد فرما دیا تھا، "الولد للفراش" جو اس اصول پر معلل تھا۔ اور اس میں یہ تنبیہ تھی کہ یہ ایک کلی مسئلہ ہے، جو عام ہے، اور اس واقعہ پر اور ایسے دوسرے واقعات پر حاوی ہے۔

الحاق نسب پدر

— : اس اعتراض باطل کا جواب یہ ہے کہ باندی کے فراش ہونے کا ثبوت خود تمتع کرنے والے کا یا اس کے ورثا کا اقرار ہے، لحوق نسب کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ سے جب یہ سنا کہ یہ لڑکا میرے والد کی باندی کا ہے جو ان کے فراش پر پیدا ہوا، تو الحاق نسب پدر کا فیصلہ کر دیا، یہ زمعہ آپ ؐ کے خسر تھے، ان کی بیٹی آپ ؐ کی بیوی تھیں۔ پھر فراش آپ ؐ پر کیسے واضح

نہ ہوتا، جس کی بنا پر وہ نسب پدر سے ملحق کیا گیا۔؟

فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجیہہ

—: ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اس کا الحاق بھائی کی حیثیت سے نہیں کیا تھا، بلکہ اسے غلام قرار دیا تھا، چنانچہ یہاں جو "لام" آیا ہے، وہ تملیک کا ہے، یعنی آپ نے عبد بن زمعہ سے کہا۔

"یہ تمہارا ہے!" یعنی تمہارا مملوک ہے، حدیث کے بعض الفاظ سے بھی اس قول کی تقویت ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک روایت یہ ہے کہ آپؐ نے عبد بن زمعہ سے کہا:

"یہ تمہارا غلام ہے"!"

نیز یہ کہ آپؐ نے سودہؓ کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا، اگر وہ بھائی ہوتا تو آپؐ حجاب کا حکم نہ دیتے، یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس لڑکے کی حیثیت اجنبی کی تھی، اور آپؐ کا یہ فرمانا کہ "الولد للفراش" تنبیہ تھی نسب زمعہ سے عدم لحوق کی، یعنی یہ باندی زمعہ کی فراش نہیں تھی، کیونکہ باندی فراش نہیں ہوتی، اور لڑکا فراش ہی کا مانا جاتا ہے، چنانچہ حضرت سودہ رضؓ کو آپؐ نے پردہ کا جو حکم دیا وہ بالکل مناسب تھا ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت سودہ رضؓ سے فرمایا،

"اس سے پردہ کرو، کیونکہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔

—: لیکن یہ ادعا سراسر باطل ہے اور جو اعتراضات وارد کیے گئے ہیں وہ یکسر غیر اہم ہیں، ہمارا جواب یہ ہے۔:

۱-: یہ قول کہ آپؐ نے زمعہ کی باندی کے لڑکے کو عبد بن زمعہ کا بھائی نہیں بلکہ غلام بنایا تھا، امام محمد اسماعیل بخاری کی اس حدیث سے باطل ہو جاتا ہے جو انھوں نے اپنی صحیح میں درج کی ہے، اس حدیث کی رُو سے آپؐ نے فرمایا،

اے عبد بن زمعہ وہ تمہارا بھائی ہے"!

۲-: رہا "لام" کا تملیک کے لیے ہونا، یہ بھی غلط ہے، یہ لام دراصل تملیک کے لیے نہیں بلکہ تخصیص کے لیے ہے جیسے آپؐ کا یہ ارشاد ہے کہ "الولد للفراش"!

۳ – ۵ یہ روایت کہ آپؐ نے عبد بن زمعہ سے فرمایا،

"یہ تمہارا غلام ہے'۱"

بالکل باطل ہے'؛' اس کی کوئی اصل نہیں،

۴ – رہا آپؐ کا حضرت سودہؓ کو پردے کا حکم دینا، تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

الف – یا تو آپؐ نے یہ حکم ازراہ ورع و احتیاط دیا، جس کی بنیاد وہ شبہہ تھا، جو عتبہ سے مشابہت کے باعث پیدا ہو سکتا تھا۔

ب – یا پھر یہ صورت تھی کہ آپؐ نے دو شبہات کی مراعات اور دو دلیلوں پر عمل ملحوظ رکھا، کیونکہ فراش لحوق نسب کی دلیل ہے، اور مشابہت دلیل نفی ہے، پس آپؐ نے فراش کے بارے میں مدعی کی بات قوی مانی اور عتبہ سے مشابہت کے باعث آپؐ نے حضرت سودہؓ کو پردہ کا حکم دیا۔

۱؎ ان ساری نکتہ آفرینیوں کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ رحہ کا قول زیادہ اقرب الی الصواب نظر آتا ہے،

مسئلہ "فراش"

نفقہاء کا اس باب میں اختلاف ہے کہ زوجہ صحیح طور پر "فراش" کب بنتی ہے؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

۱۔ جیسے ہی عقد نکاح ہوا، بیوی "فراش" بن گئی، اگرچہ یہ بات معلوم ہو کہ شوہر نے بیوی سے کبھی تمتع نہیں کیا، بلکہ اگر عقد نکاح کے بعد طلاق دیدے تو بھی کوئی بات نہیں، ——— یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

۲۔ عقد نکاح کے ساتھ ساتھ بیوی سے تمتع کا امکان کم از کم پایا جاتا ہو، تو اس صورت میں بیوی فراش تسلیم کر لی جائے گی، ——— یہ امام شافعی اور امام احمد کا مسلک ہے۔

۳۔ عقد نکاح کے ساتھ محقق طور پر بیوی سے تمتع ثابت ہو، امکان مشکوک کی کوئی حیثیت نہیں، ——— یہ امام ابن تیمیہ (شیخ الاسلام) کا اختیار ہے۔

باندی کب فراش بنتی ہے؟

نفقہا کا اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ باندی کب فراش بنتی ہے؟

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بغیر تمتع کے وہ فراش نہیں تسلیم کی جاسکتی، اور صحیح تر مسلک یہ ہے کہ عورت، خواہ باندی ہو یا آزاد عورت (حرّہ) کسی حالت میں بھی وہ فراش نہیں تسلیم کی جاسکتی، جب تک اس سے تمتع (تعلقات زن و شو) ثابت نہ ہوں،

صحت نسب کا مسئلہ

وہ چار امور جن سے نسب ثابت ہوتا اور تسلیم کیا جاتا ہے

صحت نسب سے تعلق امور اربعہ وہ امور جن سے نسب ثابت ہوتا ہے، چار ہیں، :

۱- ان چار امور میں سے ایک تو یہی فراش ہے،

۲- دوسرا استلحاق ہے،

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ صرف باپ ہی استلحاق کر سکتا ہے، باپ کی موجودگی میں دادا کا استلحاق غیر مؤثر ہے، اور اگر باپ زندہ نہ ہو، اور تمام ورثا استلحاق پر راضی ہوں تو بھی درست ہے، کیونکہ ورثا میّت کے قائم مقام ہوتے ہیں،

۳- تبلیہ (ثبوت) —— یعنی دو آدمی اس بات کی شہادت دیں کہ یہ بچہ فلاں شخص کا ہے، یا اس کے فراش پر پیدا ہوا ہے، خواہ یہ فراش زوجہ ہو یا باندی،

لیکن یہ دو گواہ، ورثا میں سے ہونا چاہئیں، ان کی شہادت کے بعد اگر باقی ورثا انکار کریں تو ان کا انکار تسلیم نہیں کیا جائے گا، نسب ثابت ہو جائے گا، اور اس سلسلہ میں جو منازعت برپا ہوگی اسے کوئی اہمیّت نہیں دی جائے گی۔

۴- قیافہ —— صحت نسب میں قیافہ کو بھی دخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ کا اعتبار کیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کیا ہے، اور الحاق نسب کا اعلان فرمایا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ کی حدیث سے جو مجزز مدلجی کے بارے میں ہے، ثابت ہے۔

خلفاء راشدین کے احکام و قضایا اور قیافہ

اسی طرح خلفائے راشدین کے عمل اور احکام و قضایا سے بھی قیافہ کا اعتبار ثابت ہے،

ایک عورت سے ایک طہر میں دو آدمیوں نے مجامعت کی، جس سے اس کے لڑکا پیدا ہوا، حضرت علی نے قیافہ شناس کی رائے لے کر فیصلہ کیا کہ یہ لڑکا، ان دونوں کا لڑکا ہے، اور یہ دونوں اس کے باپ ہیں،

اسی طرح حضرت عمر کے بارے میں بھی ایک روایت ہے کہ ایک ایسے ہی موقع پر انھوں نے حضرت علی کا سا فیصلہ کیا، کیونکہ عورت نے جو بچہ جنا تھا، وہ ان دونوں آدمیوں سے مشابہ تھا جنہوں نے اس سے ایک طہر میں مجامعت کی تھی، ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا کہ صحابہ میں سے کسی نے حضرت علی اور حضرت عمر کے فیصلہ پر اعتراض کیا، بلکہ حضرت عمر کے فیصلہ کی تو ایک مقبولیت یہ ہے کہ انھوں نے یہ فیصلہ مدینہ منورہ میں صادر فرمایا تھا، مہاجرین اور انصار موجود تھے، اور ان میں سے کسی نے نکیر نہیں کی اس فیصلہ پر،

زید بن حارث اور اسامہ بن زید کا واقعہ

ابوحنیفہ کے نزدیک قیافہ کی بنیاد پر نسب سے متعلق حکم لگانا محض ظن و تخمین سے کام لینا ہے، وہ کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کے بارے میں حضرت عائشہ کی جو حدیث ہے کہ یہ دونوں چادر اوڑھے ہوئے تھے، جس سے منہ ڈھک گئے تھے، لیکن پاؤں کھلے ہوئے، قیافہ شناس نے ان دونوں کے پاؤں دیکھتے ہی، ان دونوں کے اشتراک نسب کا حکم لگا دیا جس سے آپؐ بے حد مسرور ہوئے، تو اس حدیث سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آپؐ نے ان دونوں کے مابین لحوق نسب کا فیصلہ قیافہ شناس کا حکم سن کر کر دیا، بلکہ بات یہ تھی کہ منافقین زید اور اسامہ کے رنگ میں جو تفاوت تھا اس پر طعن اور چہ می گوئیاں کیا کرتے تھے، اور انہیں "ولد للفراش" نہیں بلنتے تھے، حالانکہ اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ یہ تھا کہ اسامہ زید کے بیٹے ہیں، لیکن جب قیافہ شناس نے بھی اس کی تصدیق کر دی، تو آپؐ خوش ہوئے، محض اس لیے کہ اس تصدیق سے حکم خدا و رسولؐ کی موافقت

اور ہر قول منافقین کی تکذیب ہوتی تھی، نہ اس لیے کہ اس سے صحت نسب ثابت ہوتی تھی۔
باقی رہی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ والی روایت سو اس کی صحت نظری ہے۔

کیا ایک سے زائد باپ تسلیم کیے جا سکتے ہیں

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس بچہ کو کئی آدمیوں کا مانا جائے اس کے نسب کا الحاق ایک شخص سے ہوگا یا کئی اشخاص سے؟ —؟

ایک نزاعی اور اختلافی مسئلہ ہے۔

امام شافعی اور ان کے ہم خیال اصحاب کا فتویٰ ہے کہ کوئی لڑکا دو باپوں سے ملحق نہیں کیا جا سکتا، کسی آدمی کا باپ ایک سے زائد نہیں ہو سکتا، اگر کوئی قیافہ شناس ایک لڑکے کو دو یا زیادہ اشخاص سے نسب میں مشترک قرار دیتا ہے تو اس کا قول ساقط ہے۔

جمہور کے نزدیک دو آدمیوں سے لحوق نسب درست ہے، امام احمدؒ کی ایک روایت تین تک کے لیے ہے، صاحب نفسی کہتے ہیں کہ اگر دو سے الحاق نسب جائز ہے تو دو سے زیادہ سے جائز ہو سکتا ہے، لہٰذا، ایسے بچہ کا الحاق جسے قیافہ شناس دو آدمیوں کے نسب سے ملحق کرے تین یا زیادہ سے بھی درست ہو سکتا ہے۔ قاضی کا قول ہے کہ تین سے زیادہ سے الحاق درست نہیں ہے امام محمد بن الحسن کا بھی یہی قول ہے، ابن حامد کہتے ہیں کہ دو سے زیادہ الحاق نادرست ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ایک سے زیادہ کے ساتھ الحاق نسب ناجائز اور نادرست ہے۔ کیونکہ سنت اللہ یہ ہے کہ لڑکے کا باپ ایک ہی ہو، اور ماں بھی ایک ہی ہو، چنانچہ کہا جاتا ہے، فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلانہ، یہ نہیں کہا جاتا فلاں بن فلاں و فلاں، [1]

---

[1] یہ صرف لفظی بحث ہے۔
جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ روایت کے ساتھ درایت کو بھی دیکھنا چاہیے،

ایک آدمی اگر یہ روایت کرتا ہے کہ میں نے آج ایک سڑک پر موٹر چلتے دیکھی، تو یہ روایت مان لی جائے گی، لیکن اگر کوئی یہ روایت کرتا ہے کہ میں نے آج ایک گھوڑے کو آدمی کی طرح بات کرتے دیکھا تو خواہ وہ کتنا ہی ثقہ ہو، اس کی روایت نہیں مانی جائے گی، الحاق نسب عقلاً، عرفاً، اصولاً ایک ہی شخص سے ہو سکتا ہے، اگر کوئی روایت اس الحاق کو ایک سے زائد اشخاص تک ممتد کرتی ہے، تو اسے نظری تسلیم کرنا پڑے گا، اس لیے تو اسلام مستعد از عقل باتوں کے معروفات پر اصول بنانے کا عادی نہیں ہے۔

ولد الزنا کا استلحاق اور توریث

کیا ایک ناجائز لڑکا شریک نسب کیا جاسکتا اور وراثت پاسکتا ہے

حدیث سے ثابت ہے کہ استلحاق کے ذریعہ، لڑکا شریک نسب کیا جا سکتا ہے، اور فراش سے بھی اس کا شریک نسب ہونا ثابت ہے، لیکن اگر کوئی زانی کسی لڑکے کا استلحاق کرے تو کیا وہ جائز ہوگا؟ یہاں کوئی فراش نہیں جو معارض ہو، پھر کیا اس صورت میں وہ شریک نسب پدر کر لیا جائے گا؟ اور احکام نسب اس پر جاری ہو جائیں گے۔

یہ ایک اختلافی اور نزاعی مسئلہ ہے اہل علم و تفقہ کے اس باب میں مختلف آرا و اقوال ملتے ہیں۔

زانی کا لڑکا شریک نسب کر دیا جائے گا

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ زنا سے پیدا ہو، اور کوئی صاحب فراش اس کا مدعی نہ ہو، اور یہ زانی اسے اپنا بیٹا مان رہا ہو تو اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی، اور یہ لڑکا اس کے نسب میں شریک کر لیا جائے گا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "الولد للفراش" کی بنیاد یہ ہے کہ اگر زانی اور صاحب فراش میں جھگڑا ہو تو صاحب فراش کا دعویٰ مانا جائے گا، حضرت حسن بصری کا بھی یہی مذہب ہے، ان سے اسحاق نے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ اگر ایک آدمی ایک عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرتا ہے، پھر اس کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے اپنا تسلیم کرتا ہے، تو اسے زنا کے جرم میں کوڑے لگائے جائیں گے، اور لڑکا اس کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا،

. . . .

کیا زانی کا لڑکا شریک وراثت ہو سکتا ہے

عروہ بن زبیر اور سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ ان دونوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی لڑکے کو اپنا بتاتا ہے اور وہ اس کی ماں سے زنا کا ارتکاب کر چکا ہے، اور اس لڑکے کا مدعی کوئی اور نہیں ہے، تو یہ لڑکا زانی کا مانا جائے گا، اس کے نسب میں شریک ہوگا، اور اس کی وراثت کا حق دار ہوگا۔

ولد الزنا شریک وراثت نہیں ہو سکتا ہے

ابو داود نے اپنی سنن میں ابن عباس کی ایک حدیث درج کی ہے۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں زنا جائز نہیں ہے، جس نے جاہلیت میں زنا کا ارتکاب کیا تو وہ اپنے عصبہ سے ملحق ہو گیا، اور جس نے کسی لڑکے پر جو حلالی نہ ہو، دعویٰ کیا، تو دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا"!

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں زنا کو حرام، اور ناجائز اولاد کو شریک نسب ہونے سے محروم کر دیا، البتہ عہد جاہلیت (قبل از اسلام) جو ہو چکا اسے درگزر کیا، اور الحاق نسب کی اجازت بھی دے دی۔

مسئلہ حق حضانت

اولاد کی پرورش کا حق باپ کو حاصل ہے یا ماں کو؟

ایک فریادی عورت دربارِ رسولؐ میں ابو داؤد نے اپنی سنن میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث درج کی ہے، جو یہ ہے، کہ ایک عورت آپؐ کے پاس آئی، اور عرض گزار ہوئی،

"یا رسول اللہ، یہ میرا لڑکا ہے، میرا پیٹ اس کا برتن ہے، میرے پستان اس کا مشکیزہ ہیں، میری گود اس کے لیئے جائے اماں ہے، اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے، اور اب وہ اسے مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا۔

اس لڑکے کی پرورش کرنے کی تو زیادہ حق دار ہے، جب تک دوسرا نکاح نہ کرلے!"

خالہ ماں کی جگہ ہے بخاری اور مسلم میں براء بن عازب کی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ کی لڑکی کے بارے میں علیؓ، جعفرؓ، اور زیدؓ کے مابین جھگڑا کھڑا ہوگیا علیؓ نے کہا میں اس کی پرورش کا زیادہ حق دار ہوں، کیونکہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، جعفرؓ نے کہا مجھے زیادہ حق ہے کیونکہ یہ میری بنت عم ہے، اور اس کی خالہ میری بیوی ہیں، زیدؓ نے دعویٰ کیا یہ میرے (اسلامی) بھائی کی بیٹی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ فرمایا، اور ارشاد کیا،

"خالہ ماں کی جگہ ہے"!

اہل سنن نے حضرت ابوہریرہ کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اس امر کا اختیار عطا فرمایا کہ جی چاہے باپ کے پاس رہے مرضی ہو تو ماں کے پاس، ! ــــ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے،

اہل سنن ہی نے اس حدیث کو بھی روایت کیا ہے کہ ایک عورت آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور کہنے لگی،

"میرا شوہر میرے لڑکے کو لے جانا چاہتا ہے"!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے سے کہا،

یہ تیرا باپ ہے، یہ تیری ماں ہے، ان میں جس کا جی چاہے ہاتھ پکڑ لے"!

لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا، وہ اسے لے کر چلی گئی، ــــ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

ابو داؤد کی روایت ہے کہ رافع بن سنان نے اسلام قبول کر لیا، ان کی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد کناں حاضر ہوئی، آپ نے رافع سے کہا ذرا دیر بیٹھو، یہی بات ان کی بیوی سے بھی کی، پھر آپ نے لڑکی کو دونوں کے مابین بٹھا دیا، پھر کہا اسے بلاؤ، لڑکی ماں کی طرف مائل ہوئی، رسول اللہ نے فرمایا،

یا اللہ اسے ہدایت دے"!

پھر یک بیک وہ باپ کی طرف مڑی، باپ نے اسے لے لیا، اور چلا گیا۔

ماں کا حق حضانت باپ کے مقابلہ میں زیادہ ہے

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر والدین میں افتراق ہو جائے اور ان کے کوئی بچہ ہو، تو ماں اس کی پرورش اور ولایت کی باپ کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ بچہ کم سن ہو، اور عورت دوسری شادی اس اثنا میں نہ کرے۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف اور ان کی مطلقہ بیوی کے حق میں فیصلہ کیا جب کہ ان دونوں میں عاصم یعنی مطلقہ انصاریہ بیوی جمیلہ کے لڑکے کی ولادت کے بارے میں جھگڑا ہوا، پھر جب حضرت عمرؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو وہ بھی اسی فیصلہ پر عمل کرتے رہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے وہ نہیں تھی، جو حضرت ابوبکرؓ کی تھی، لیکن انھوں نے حاکم وقت کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا، پھر اپنے عہد خلافت میں بھی اسی پر فتویٰ دیتے اور عمل کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی (جمیلہ انصاریہ) کو طلاق دے دی جو ان کے بیٹے عاصم کی ماں تھیں، انھوں نے محسر میں عاصم کو دیکھا، تو جمیلہ سے چھین لینا چاہا، جمیلہ نے اس پر مخاصمت کی اور وہ لڑکے کو ان سے چھیننے لگی، اس کشمکش میں لڑکے کو تکلیف ہوئی اور وہ رونے لگا۔

پھر یہ دونوں اپنا جھگڑا لے کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انھوں نے کہا،

"اس عورت کی خوشبو، اس کی گود، بچہ کے لیے تم سے زیادہ راحت بخش ہے۔ جب تک کہ وہ سن تمیز کو نہ پہنچ جائے، اور خود برا بھلا نہ پہچاننے لگے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے کہا:

"ماں زیادہ رحیم، زیادہ مہربان، زیادہ شفیق، زیادہ محبت کرنے والی، زیادہ حسن سلوک کرنے والی ہوتی ہے، وہ اپنی اولاد کی زیادہ مستحق ہے۔ جب تک وہ دوسری شادی نہ کرلے۔"

ولایت عقل کے اقسام

ولایت عقل کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم میں باپ ماں پر، اور دوسری میں ماں باپ پر مقدم ہے، باپ کو تقدم مالی معاملات اور نکاح میں ہے، ماں کو تقدم رضاعت اور پرورش میں ہے۔

ماں نہ ہو تو خالہ کو وہی درجہ حاصل ہو جاتا ہے جو ماں کو حاصل ہوتا ہے۔

حضانت ماں کا حق ہے

اور یہ ارشاد کہ:

"جب تک تو نکاح نہ کرلے تو ہی (پرورش اولاد کی باپ کے مقابلہ میں) زیادہ مستحق ہے۔"

آپ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ حضانت ماں کا حق ہے۔

اہل علم کا اختلاف فکر و رائے

اور آپ کا یہ ارشاد کہ:

"جب تک تو دوسرا نکاح نہ کرلے ——"

اہل علم کا اس باب میں اختلاف ہے، کہ "جب تک" سے مراد تعلیل ہے یا توقیت؟

اور اگر وہ عورت حق حضانت حاصل کرنے کے بعد شادی کرلے، اور شادی کرلینے کے باعث حق حضانت ساقط ہو جائے، پھر اسے اس کا یہ دوسرا شوہر طلاق دیدے، تو آیا وہ ساقط شدہ حق حضانت دوبارہ طلب کرسکتی ہے یا نہیں؟

اگر "جب تک" سے مراد تعلیل (یعنی علت اور سبب) کو لیں تو طلاق کے بعد عورت کا حق حضانت اسے واپس مل جائے، کیونکہ اگر کوئی حکم، کسی علت کے باعث نافذ ہو تو زوال علت کے بعد، خود بھی زائل ہو جائے گا، اور چونکہ سقوط حضانت کی علت تزویج تھی، لہذا، طلاق کے بعد یہ علت زائل ہو گئی، لہذا حکم بھی زائل ہو گیا، —— اکثر کا قول یہی ہے، جن میں امام شافعی، امام احمد، امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

رجعیہ کو حق حضانت کب ملے گا؟

لیکن مختلف الرائے اس میں ہے کہ اگر عورت کو طلاق رجعی ملی ہے، تو آیا اسے حق حضانت فوراً مل جائے گا، یا مدت عدت گزرنے تک توقف سے کام لیا جائے گا، ؟ اور مدت عدت ختم ہونے کے بعد حق حضانت اسے واپس ملے گا،

امام شافعی وغیرہ کا قول ہے کہ طلاق کے ساتھ ہی (خواہ وہ رجعی ہو) حق حضانت عورت کو واپس مل جائے گا،

امام ابوحنیفہ وغیرہ کا قول ہے کہ جب تک مطلقہ عورت عدت پوری نہ کرلے حق حضانت اسے واپس نہیں ملے گا۔

فقہاء اور آئمہ کے ان سارے اقوال کی تفریع لفظ "جب تک" کے لیے اصول تعلیل مان لینے کی بنیاد پر ہے، بہت بڑی جماعت اسی خیال کی حامی ہے،

امام مالک کی رائے اور فتویٰ

امام مالک کہتے ہیں کہ عورت نے اگر نکاح کرلیا، اور اس کا حق حضانت ایک مرتبہ ساقط ہو گیا، تو اب مطلقہ ہونے کے بعد بھی یہ بحال نہیں ہوگا، کیونکہ امام مالک اور ان کے ہم خیال اصحاب "جب تک" کو تعلیل کے لیے نہیں، توقیت (وقت) کے لیے مانتے ہیں، ان کے نزدیک آپ کے اس

ارشاد کا کہ "جب تک" تو نکاح نہ کرلے، مطلب یہ ہے کہ تیرا حق حضانت بس اس وقت تک کے لیے ہے جب تک تو نکاح نہیں کرلیتی، اگر نکاح کرلیا، تو یہ حق گیا، اور یہ واپس نہیں آسکتا، جس طرح بلوغ عقل کے بعد حق حضانت ختم ہوجائے گا، اور واپس نہیں آئے گا،

بعض اصحاب کا قول ہے کہ عورت کو اگر اس کا (نیا) شوہر چھوڑ دے تو اس کا حق حضانت واپس مل جائے گا۔ جمہور کا قول یہی ہے، حمزہ اور ابن ابی حازم بھی یہی کہتے ہیں، کہ ۔ ۔۔ ۔۔ عورت کو حق حضانت اس کی قرابت خاصہ کی بنا پر ملا تھا، لیکن اس میں ایک عارض (رکاوٹ) ـــ نکاح ـــ پیدا ہوگیا، جس سے عقل کی اضاعت کا اندیشہ حقوق شوہری کی بجاآوری کے باعث پیدا ہوگیا۔ کیونکہ یہ شوہر تو لڑکے کے لیے اجنبی ہے، اسے اس کی فلاح و بہبود اور مصالح سے کیا سروکار ہوسکتا ہے؟ لیکن اگر موت یا طلاق کے باعث تفرقہ ہوگیا، تو جو مانع تھا وہ زائل ہوگیا، لیکن قرابت خاصہ کا مقتضیٰ قائم رہا، چنانچہ اس پر اس کا اصلی اثر مرتب ہوگا، اور حضانت کا حق واپس مل جائے گا،

مانع کی صورت میں حق حضانت سوخت ہوجائے گا۔

یہ اصول عام ہے، جو تمام صورتوں پر حاوی ہے،

جب بھی کوئی مانع ـــ مثلاً، کفر، غلامی، فسق، وغیرہ ـــ پیدا ہوگا، حضانت کا حق سوخت ہوجائے گا، لیکن اگر یہ موانع زائل ہوجائیں، تو اہل حضانت کو ان کا حق واپس مل جائے گا۔

جو لوگ انقضائے عدت سے قبل اعادۂ حق حضانت کے قائل نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں عورت بدستور شوہر کی زوجہ ہے، اور اس پر عام احکام زواج کا اطلاق ہوگا، دونوں (میاں بیوی) کے مابین توارث اور نفقہ کا اصول جاری رہے گا، شوہر کو ظہار اور ایلاء کا حق بھی حاصل ہے، وہ اس طلاق رجعی کے دوران میں اپنی مطلقہ کی بہن سے شادی نہیں کرسکتا، نہ اس کی چچی یا خالہ کو بیاہ سکتا ہے، نہ اسے ملا کر چار سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے، لہٰذا طلاق رجعی کے باوجود، جب تک عدت نہ گزر جائے، قانونی طور پر وہ اس کی ہو رہی ہے پھر محض طلاق رجعی کے باعث اسے حق حضانت کس طرح واپس دیا جاسکتا ہے؟ یہ اسی وقت ملے گا، جب عدت گزر جائے اور بات بالکل صاف ہوجائے۔

جو لوگ محض طلاق رجعی کی بناء پر اعادۂ حق حضانت کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے طلاق رجعی دے کر اسے اپنے فراش سے الگ کر دیا، [redacted] اس کی (شوہر کی) ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گئی، لہٰذا جس علت نے حضانت کو ساقط کیا تھا، [redacted] طلاق سے زائل ہو گئی، لہٰذا اس کا حق حضانت واپس مل جائے گا، اسی قول کو مغنی میں شیخ نے ترجیح دی ہے خرقی کا ظاہر کلام بھی یہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ شادی کے بعد اگر بچہ ماں سے لے لیا گیا، تو طلاق کے بعد وہ اپنا حق کفالت دوبارہ فوراً حاصل کرلے گی،

مراد مجرد عقد ہے یا شوہر کا تمتع بھی لازمی ہے؟

اور آپؐ کے ارشاد "جب تک تو نکاح نہ کرلے ـــــ!" کے بارے میں ایک اختلاف اور ہے، [redacted] یہ ہے، کہ آیا مراد مجرد عقد ہے، یا بیوی سے شوہر کا تمتع اور مباشرت ہے۔؟

اس مسئلہ میں دو قول ہیں؛

ایک قول یہ ہے کہ عقد کرتے ہی عورت کا حق حضانت زائل ہو جائے گا، یہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا قول ہے اس لیے کہ عقد کے ساتھ ہی شوہر منافع استمتاع (مباشرت ومجامعت) کا مالک ہو گیا، اور اتنا کافی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عورت کا حق حضانت بغیر تمتع اور مباشرت کے زائل نہیں ہو گا، ـــــ یہ امام مالک کا قول ہے، کیونکہ تمتع کے بعد ہی شوہر کے اشتغال کا تحقق ہو گا۔

حدیث مذکورہ ان دونوں اقوال کو محتمل ہے، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ عقد کے ساتھ ہی عورت کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا، کیونکہ عقد کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ مظنۂ اشتغال میں آگئی، یعنی جو وقت بچہ کو دیتی تھی وہ شوہر کا ہو گیا، اور شوہر کو تمتع کا حق دینے پر بھی آمادہ ہو گئی، لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب اس کا حق حضانت قائم رہے، ـــــ جمہور کا قول یہی ہے،

سقوط حق حضانت

طفل کا حق کفالت اور مباحث و مسائل متعلقہ

نکاح کے بعد سقوط حضانت کے سلسلہ میں چار اقوال ہیں۔

• ایک تو یہ کہ عقد نکاح کے فوراً بعد، حق حضانت ساقط ہو جائے گا، ــــ یہ قول شافعی، مالک، اور ابو حنیفہ و احمد رحمہم اللہ کا ہے، قاضی شریح اسی کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے،

• دوسرا یہ کہ تزویج سے یہ حق ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ جہاں تک حضانت کا تعلق ہے بیوہ اور شوہر والی عورت میں کوئی فرق نہیں، ــــ اس مذہب کی نسبت حضرت حسن بصری کی طرف کی جاتی ہے، ابو محمد بن حزم کا بھی یہی قول ہے،

• تیسرا یہ کہ طفل اگر لڑکی ہے تو ماں کے نکاح سے حق حضانت ساقط نہیں ہوگا، اگر لڑکا ہے تو ساقط ہو جائے گا،

ابو موسیٰ کا قول ہے اور احمدؒ سے بھی روایت ہے کہ ماں شادی کر چکنے کے باوجود لڑکی کے حق حضانت سے محروم نہیں ہوگی،

• چوتھا یہ کہ اگر ماں نے کسی ایسے شخص سے شادی کی ہے جو طفل کا ہم خاندان ہے، تو اس کی حضانت ساقط نہیں ہوگی،

یہ فیصلہ ہر ماں پر منطبق نہیں ہو سکتا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ کہ طفل کا حق کفالت ماں کو ہے، اور آپ کا یہ ارشاد کہ جب تک تو نکاح نہ کرلے" ــــ اس سے عموم قضا مستفاد نہیں ہوتا، یعنی یہ فیصلہ

ہر حالت میں، ہر ماں پر منطبق نہیں ہوگا، اگر ماں کافر ہو، یا باندی ہو، یا فاسق ہو، یا مسافر ہو تو اس حدیث سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا، البتہ اگر، اس کے اعتبار اسلام، حریت (آزادی) دیانت اور اقامت کے بارے میں دلیل و ثبوت موجود ہو تو بے شک ماں کا حق ہے۔

شرائط حضانت

حضانت کے لیے چھ شرطیں ہیں، جو حسب ذیل ہیں:۔

ماں بیٹے کا ہم مذہب ہونا ضروری ہے

۱۔ ماں اور بیٹے کا ہم مذہب ہونا کیونکہ کافر کو مسلم پر حق حضانت نہیں مل سکتا اس کے دو سبب ہیں:

ایک سبب تو یہ ہے کہ صاحب حضانت پوری سرگرمی سے طفل کو اپنے دین پر مائل کرنے کی کوشش کرے گا، وہ اسی پر حریص ہوگا کہ اس کی تربیت اپنے اصول دین پر کرے، پھر سمجھدار ہونے کے بعد عقل کے لیے اس ماحول سے نکل کر دوسرا مذہبی ماحول قبول کرنا دشوار اور صعب ہوگا، اس طرح اس حضانت سے اسے نقصان یہ پہنچے گا کہ وہ اس فطرت سے محروم ہو جائیگا، جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر ایک کو پیدا کیا ہے، اور پھر اس کا فطرت (دین اسلام) پر واپس آنا تقریباً ناممکن ہو جائے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، مجوسی بنا لیتے ہیں۔

کافر اور مسلمان کے مابین قطع موالات

دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں اور کافروں کے مابین قطع موالات کر دی ہے اور مسلمانوں کو مسلمانوں کا، اور کافروں کو کافروں کا ولی قرار دیا ہے اور حضانت، موالات کے قوی ترین اسباب میں سے ہے۔

بعض لوگ کافر ماں کو بھی حق حضانت دیتے ہیں، لیکن تعجب ہے کہ فاسق کو نہیں دیتے حالانکہ فسق سے کفر کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا صحابہ میں سے کسی نے کسی فاسق کو اپنے بیٹے کی تربیت سے نہیں روکا ہے، نہ اس کی حضانت پر اعتراض کیا

ہے۔

۲۔ مجنوں کو حق حضانت نہیں مل سکتا۔

۳۔ طفل کو حق حضانت نہیں حاصل ہو سکتا۔

۴۔ بے وقوف اور احمق کو بھی حضانت کا حق نہیں حاصل ہو گا۔

اس لیے کہ یہ سب بجائے خود دوسرے کی کفالت کے محتاج ہیں، کسی اور کی کفالت کیا کر سکیں گے۔

۵۔ حق حضانت حاصل کرنے والے کو آزاد اور خود مختار ہونا چاہیے۔

۶۔ اتحاد دار[1] بھی طفل اور حق حضانت حاصل کرنے والی ماں کے لیے ضروری ہے۔

کیا تخییر بین الابوین جائز نہیں؟ آں حضرت ؐ کے ارشاد "جب تک تو نکاح نہ کر لے" سے ایک دلیل یہ بھی لائی جاتی ہے، کہ ظاہر حدیث سے تخییر بین الابوین[2] جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق حضانت ذاتی طور پر ماں کو دیا ہے، اگر تخییر کا اصول مان لیا جائے تو یہ ماں کے بجائے باپ کو بھی منتقل ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

ذیل میں ہم اس مسئلہ سے متعلق مذاہب اُناس کا ذکر کرتے ہیں، اور ان کے دلائل کا ذکر بھی کریں گے، پھر حکم رسول ؐ کے مطابق جو ترجیحی صورت ہے اسے بھی پیش کریں گے۔

حضرت ابوبکر کا فیصلہ حضرت ابوبکرؓ نے ماں کے حق میں حضانت کا فیصلہ حضرت عمر کے خلاف کیا کہ جب تک بچہ سن تمیز کو نہ پہنچ جائے اسے قبول کا اختیار نہیں دیا جا سکتا۔

---

[1] اتحاد دار سے مراد یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ملک میں رہتے ہوں، ایک پاکستان اور دوسرا افغانستان کا باشندہ نہ ہو۔

[2] ماں باپ میں سے جسے چاہے اختیار کر لے۔

حضرت عمرؓ نے طفل کو رد و قبول کا اختیار دیا

عبدالرحمان بن غنم کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے طفل کو باپ اور ماں کے درمیان رد و قبول کا اختیار دیا۔

عبدالرحمان بن غنم کی ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک یتیم کی حضانت کا قضیہ پیش ہوا، چچا اور ماں دونوں کو دعویٰ تھا، حضرت عمرؓ نے طفل کو اختیار دیا اس نے چچا کے مقابلہ میں ماں کو اختیار کر لیا۔ وہ کہنے لگے:

ان لطفُ امك خير من خِصْبِ عمّك

(تیرے لیے ماں کا دامن محبت چچا کے مرغزار سے بہتر ہے)

حضرت علیؓ کا فیصلہ

عمارہ جرمی کی روایت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے مجھے اختیار دیا، کہ ماں اور چچا میں سے جسے چاہوں اختیار کر لوں،

قول ابو ہریرہؓ

ہلال بن ابی میمون کی روایت ہے کہ میں نے دیکھا حضرت ابو ہریرہ نے ایک لڑکے کو اختیار دیا کہ باپ اور ماں سے جسے چاہے اختیار کر لے،

مذکورۂ بالا آثار صحابہ کے تھے، اب ہم آئمہ فقہ و حدیث کے افکار و اقوال پر ایک نظر ڈالتے ہیں، !

اسحاق بن راہویہ کا قول

حرب بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ سے دریافت کیا، کہ لڑکا اور لڑکی، کب تک ماں کی کفالت میں رہیں گے جبکہ وہ طلاق پا چکی ہو؟ اسحاق نے جواب دیا، میری رائے میں سات برس کی عمر تک، اس کے بعد انہیں اختیار رہو گا جسے چاہیں قبول کر لیں، میں نے پوچھا سات سال سے پہلے یہ اختیار نہیں مل سکتا؟ انھوں نے جواب دیا، بعض لوگ پانچ سال کے بھی قائل ہیں، لیکن میں سات سال کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

امام احمدؒ کی رائے

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے، کہ طفل یا تو لڑکا ہوگا یا لڑکی، یا اس کی عمر سات سال ہوگی، یا اس سے کم، اگر اس کی عمر سات سال سے کم ہے تو حق حضانت ماں کو بغیر تخییر حاصل ہے، اگر سات سال کی ہے تو اسے اختیار

ہے جسے چاہے قبول کرلے، اور اگر وہ خود سے کسی کو اختیار نہ کرے تو قرعہ اندازی کی جائے گی، جس کا نام نکل آیا اس کے حوالے کردیا جائے گا، اور اگر لڑکی ہے تو سات برس سے کم عمر ہونے کی صورت میں ماں بغیر تخییر حضانت حاصل کرلے گی، اس کے بعد بغیر تخییر کے یہ حق باپ کو مل جائے گا، ایک قول سات کے بجائے نو سال کا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مسئلہ کیا ہے؟ امام شافعیؒ کے نزدیک سات سال کی عمر تک طفل کی حضانت کا ماں کو باپ کے مقابلہ میں زیادہ حق ہے، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، سات سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اسے اختیار ہوگا جسے چاہے قبول کرلے۔

امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا قول ان دونوں کے نزدیک طفل کو حق تخییر نہیں دیا جائے گا،

آگے چل کر دونوں کے مسلک میں اختلاف پیدا ہوا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لڑکی جب تک بالغ نہ ہو جائے، اور لڑکا جب تک خود سے کھانے پینے، پہننے کے قابل نہ ہو جائے، ماں کو حضانت کا حق حاصل ہے، اس کے بعد یہ دونوں باپ کے سپرد کردئے جائیں گے۔

امام مالک فرماتے ہیں ماں کو، لڑکے اور لڑکی کا حق حضانت حاصل ہے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائیں، تخییر کا حق طفل کو کسی حالت میں حاصل نہیں ہے۔

لڑکے کا حق تخییر جو لوگ لڑکے کو تخییر کا حق دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ لڑکے کی تخییر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث ابوہریرہ کی رو سے ثابت ہے، نیز خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے آثار سے بھی ثابت ہے۔

عصبات پدر کے مقابلہ میں خالہ کا حق زیادہ ہے تہذیب الآثار میں حضرت حمزہ کی صاحبزادی کا قصہ ذکر کرنے کے بعد مرقوم ہے کہ یہ بات دلائل واضحہ سے ثابت ہے کہ کم سن لڑکے، اور کم سن لڑکی کا حق حضانت اگر ماں زندہ نہ ہو، تو اس کے رشتہ والی عورتوں کو ہے، باپ کی طرف سے جو عصبات ہیں انہیں یہ حق حاصل نہیں، اگرچہ ماں کی طرف کی رشتہ والی عورت شادی شدہ کیوں نہ ہو، کیونکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت حمزہ کے لیے حضانت کا حق ان کی خالہ کو عطا فرمایا، جو جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، حضرت علی کو نہیں دیا، جو ابن عم تھے، اور حضرت زید کو بھی نہیں دیا جو مدینہ کی مواخات ہجرت کے مطابق حضرت حمزہ کے بھائی تھے۔

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عصبات پدر کو ماں کی طرف سے رشتہ رکھنے والی عورت (خالہ وغیرہ) کے مقابلہ میں ترجیح نہیں حاصل ہے۔ اگرچہ خالہ شادی شدہ، اور شوہر والی کیوں نہ ہو۔

ایک اہم اور غور طلب نکتہ

اس واقعہ میں ایک نکتہ اور غور طلب ہے، یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں بنت حمزہ رض کی حضانت کا فیصلہ کر دیا، اگرچہ وہ شادی شدہ تھیں، کیونکہ ایک دوسری حدیث کے مطابق جو ابن عباس سے مروی ہے آپؐ نے حضرت جعفر سے فرمایا،

• اے جعفر تم اس لڑکی کے زیادہ مستحق ہو، کیونکہ اس کی خالہ تمہاری بیوی ہیں، اور بیوی کی موجودگی میں اس کی پھوپھی یا خالہ سے شادی نہیں کی جا سکتی، !"

اس سے ثابت ہوا کہ خالہ کفالت کرنے والے کی محافظ ہے کیونکہ اس کی بہن کی لڑکی اس کے شوہر پر حرام ہے۔

جو شخص ذرا بھی غور کرے گا محسوس کرے گا کہ اس واقعہ میں آپؐ نے جو فیصلہ صادر فرمایا وہ عین حکمت و مصلحت اور عدل کا مقتضا تھا، اس میں لڑکی کے لیے غایت درجہ احتیاط مدنظر تھی۔

زوجہ کا نفقہ

نفقۂ زوجہ کی حد نہیں مقرر کی گئی، یہ عرف پر منحصر ہے

بیوی کے نفقہ کی کوئی تعداد معین نہیں ہے۔ نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی خاص حد معیّن ہے، درحقیقت اسے عرف[1] پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں آپؐ کا خطبہ حجۃ الوداع منقول ہے جو آپؐ نے وفات سے کچھ روز پیشتر ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے ارشاد فرمایا تھا، آپؐ نے فرمایا تھا:

"اللہ سے اپنی بیویوں کے معاملہ میں ڈرتے رہو تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے۔ اللہ کے کلمہ پر تم نے ان سے تمتع کیا ہے، تمہارے اوپر ان کے نفقہ اور پوشش کے مصارف ہیں۔"

ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا واقعہ

بخاری اور مسلم میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا واقعہ درج ہے کہ اس نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے، وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بیٹے کو کفایت کرے، بجز اس صورت کے کہ اسے بتائے بغیر (چوری چھپے) میں کچھ

---

[1] عرف ایک فقہی اصطلاح ہے ــــ عرف سے مراد وہ مسائل حیات ہیں جن پر عمل درآمد، پشتہا پشت سے چلا آرہا ہے۔ مثلاً اگر شادی کے وقت مہر کی تعین نہیں ہوئی، تو مہر "عرف" کے مطابق دلایا جائے۔ یعنی خاندان میں عام طور پر دوسری عورتوں کا جو مہر بندھتا چلا آیا ہے قاضی وہی دلائے گا۔

لے لوں!"

آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

"اتنا لے لیا کرو، "معروف طور پر" جو تمہارے اور تمہارے بیٹے کے مصارف کے لیے کافی ہو"

حکم بن معاویہؓ کی حدیث

سنن ابی داؤد میں حکم بن معاویہ کی حدیث ہے جو انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ آپ ہماری بیویوں کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟"

آپؐ نے جواب میں فرمایا،

"جو تم کھاؤ وہ انھیں کھلاؤ، جو تم پہنو وہ انھیں پہناؤ، انھیں مارو مت، نہ ان کو برا بھلا کہو!"

غرض اللہ اور اس کے رسولؐ نے حسب تفسیر صحابہ "اطعام اہل" کے بارے میں مطلق طور پر انفاق کا ذکر کیا ہے، نہ کوئی تحدید کی ہے نہ کوئی تعداد معین کی ہے، نہ کسی طرح کی پابندی لگائی ہے، لہٰذا نفقہ کی تعین "عرف" سے ہوگی، اور اس کا ادا کرنا ازروئے شرع واجب ہے۔

بیوی کی صواب دید پر فیصلہ

اگر نفقہ کی تعداد معین ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کی بیوی ہندہ سے صرف اتنا فرما دیتے از روئے شرع جو نفقہ مقرر ہے وہ لے لیا کرو، لیکن اس کے بجائے آپؐ نے فرمایا، حسب ضرورت لے لیا کرو، اور کوئی مقدار معین نہیں فرمائی، بلکہ اسے خود بیوی کی صواب دید پر چھوڑ دیا، اور ظاہر ہے کہ "حسب ضرورت" کو کسی پیمانہ کا پابند نہیں بنایا جا سکتا کہ نہ اس سے زیادہ ہو سکتا ہے نہ کم۔

نفقہ واجبہ کے بارے میں جمہور کا مسلک

نفقہ واجبہ کے بارے میں جمہور کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی نفقہ کی تعداد معین طور پر نہیں ثابت ہے، نہ سیر اور پاؤ کے اعتبار سے، نہ روپے پیسے کے حساب سے محفوظ جو کچھ ہے وہی ہے جو از روئے عمل ہر عصر، اور ہر مصر میں ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے پر جو کچھ تم اوسط طور پر کرو، وہ روٹی اور گھی ہے۔ روٹی اور زیتون ہے، روٹی اور گوشت ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اوسط طور پر، اپنے اہل (بیوی) کو جو کھلاتا ہے وہ روٹی اور دودھ، روٹی اور زیتون، روٹی اور گھی ہے، اور بہتر چیز روٹی اور گوشت ہے۔

حضرات تابعین کے افکار و آراء

صحابہ کے بعد تابعین صحابہ کا دور آتا ہے تو اسود بن یزید، ابی ازین، عبیدہ، محمد بن سیرین، حسن بصریؒ سعید بن جبیر، شریح، جابر بن زید، طاؤس، شعبی، ابن بریرہ، ضحاک، قاسم، سالم، محمد بن ابراہیم، محمد ابن کعب، قتادہ، اور ابراہیم نخعی وغیرہ سے بہ سند ثابت ہے جیسے اسماعیل بن اسحاق نے احکام القرآن میں درج کیا ہے کہ ان میں سے اکثر روٹی اور گوشت روٹی اور گھی۔ روٹی اور زیتون کو نفقہ مانتے تھے۔

اہل مدینہ اور اہل عراق کی رائے یہی ہے۔

صحیحین میں ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ سے فدیۂ اذیٰ کے کفارے کے بارے میں فرمایا کہ چھ مسکینوں کو نصف صاع کھلاؤ، یعنی نصف صاع طعام ہر مسکین کو، اس طرح گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیۂ اذیٰ کی تعیین کردی۔ اسی بنیاد پر ہم جملہ کفارات کی تعیین کرسکتے ہیں۔ پس جو طعام زوجہ کی تعیین کرنا چاہے، تو نفقات اور کفارات وجوب میں مشترک ہیں۔ لہٰذا ہم نفقہ کو کفارہ کے مطابق قرار دیں گے۔

تنازعہ کی صورت میں فیصلہ خدا اور رسول پر چھوڑنا چاہیے

ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ فیصلہ جو ہوسکتا ہے وہ اللہ رسولؐ اور اجماع امت کے مطابق ہوسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر ہم میں کسی بات پر تنازعہ ہوجائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹائیں۔ یہ چیز دین و دنیا ہر جگہ ہمارے لیے بہتر ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ' وتعالیٰ نے کفارہ میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا رکھا ہے۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی رکھا ہے، اور "اطعام" پر اس امر کو معلق رکھا ہے، یعنی کھانا کھلاؤ۔ یہ نہیں کہ اتنا کھلاؤ، اور یہ کھلاؤ۔ گویا کھانے والوں کی تعداد مقرر کردی ہے۔ کھانے کی حد مقرر نہیں کی ہے۔ یعنی کھانے کو مطلق طور پہ بیان کیا ہے۔ اور کھانے والوں کی تعداد بیان کردی ہے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ' وتعالیٰ جب اپنی کتاب قرآن میں طعام مسکین کا ذکر کرتا ہے تو مراد اطعام معہود و متعارف ہوتا ہے۔

شکایت کے طور پر کسی کا ذکر غیبت نہیں ہے

ابوسفیان کی بیوی ہندہ والی جو حدیث مذکور ہوئی، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص شکوہ و شکایت کے طور پر اپنے عزیز کے کچھ عیوب بیان کر جائے تو وہ داخل غیبت نہیں ہوگا۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اولاد کا نفقہ بجائے خود باپ پر واجب ہے، اس میں ماں شریک نہیں ہے۔

نفقہ بہ قدر میراث ملے گا

اس باب میں علماء کا اجماع ہے، بجز کسی شاذ قول کے وہ قابل التفات نہیں کہ ماں کو نفقہ بہ قدر میراث ملے گا۔

صحیح مسئلہ یہ ہے کہ نفقہ میں عصبات کی انفرادیت ثابت ہے اور یہ بالکل مقتضائے قواعد شریعت ہے۔ کیونکہ عصبہ ولدیت نکاح، ولدیت موت، اور میراث میں ازروئے ولا منفرد ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ماں اور باپ اور دادا، جمع ہو جائیں تو نفقہ صرف جد کو ملے گا۔ امام احمد کے روایات میں سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اسی طرح اگر بیٹیا اور بیٹی، یا ماں اور بیٹیا، یا پوتا جمع ہو جائیں تو امام شافعی کا فتویٰ ہے کہ نفقہ لڑکے کو ملے گا، کیونکہ عصبہ وہی ہے۔ امام احمد سے ایک روایت تو اسی طرح کی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ نفقہ بہ قدر میراث ہوگا۔ ان تینوں صورتوں میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی کے اجتماع کی صورت میں نفقہ دونوں میں نصف نصف رہے گا، تاکہ ان کی مساوات قرابت قائم رہے، اور لڑکی اور پوتے کے اجتماع کی صورت میں نفقہ لڑکی کو ملے گا، کیونکہ وہ ازروئے قرابت قریب تر ہے۔ اور ماں اور بیٹی کے اجتماع کی صورت میں ماں کو چوتھائی، باقی لڑکی کو ملے گا۔ یہ امام احمد کا قول ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ زوجہ اور اقارب کے نفقہ کی تعداد کفایت ہے، اور اس کا اعتماد "عرف" پر ہے۔

کیا نفقۂ زوجہ موثر بہ ماضی نہیں ہوتا؟

ہندہ کے واقعہ سے ایک دلیل یہ بھی لائی جاتی ہے کہ نفقۂ زوجہ موثر بہ ماضی نہیں ہوتا، جو زمانہ گزر چکا، اس کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ ہندہ نے ماضی کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ مستقبل کے بارے میں پوچھا تھا، چنانچہ آپؐ نے اس کے مطابق فتویٰ دے دیا۔

زوجات و اقارب کے نفقات کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا زمانۂ گزران کے ساتھ

یہ ساقط ہوجائیں گے یا باقی رہیں گے ؟ یا صرف اقارب کا نفقہ ساقط ہوگا، زوجہ کا نہیں ؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں :

امام ابوحنیفہ رحؒ کا مسلک

ایک قول یہ ہے کہ اقارب اور زوجات کے نفقات عہد ماضی پر موثر نہیں ہوں گے، یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ امام سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔

امام شافعیؒ کا مسلک

دوسرا قول یہ ہے کہ قرابت دار اگر طفل صغیر ہو تو ساقط نہیں ہوں گے، یہ امام شافعی کا مسلک ہے۔

امام احمدؒ اور مالکؒ کا مسلک

تیسرا قول یہ ہے کہ قرابت دار کا نفقہ ساقط ہوجائے گا۔ زوجہ کا باقی رہے گا۔ امام شافعی، امام احمد، اور امام مالک رحمہم اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔

جو لوگ سقوط نفقہ کے قائل ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ اگر حاکم نے نفقہ مقرر کیا ہو تو وہ ساقط نہیں ہوگا، بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی ساقط ہوجائے گا۔

زوجات و اقارب کے مابین فرق

نفقۂ زوجہ کے موثر بہ ماضی نہ ہوسکنے کی بناء پر جو سقوط سے متعلق مختلف رائیں ہیں، اس طرح یہ ایک نزاعی مسئلہ بن گیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ ایک روایت کے مطابق سقوط کے قائل ہیں اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سقوط کے قائل نہیں ہیں۔

جو لوگ سقوط نفقۂ زوجہ بہ عہد ماضی کے قائل نہیں ہیں وہ اقارب اور زوجات میں فرق کرتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ قرابت دار کو جو نفقہ ملتا ہے، وہ ایک طرح کا صلہ ہے۔

دوسرے یہ کہ نفقۂ زوجہ، فراخ دستی اور تنگ حالی ہر حالت میں واجب ہے۔ برخلاف قرابت دار کے نفقہ کے کہ وہ ہر حالت میں واجب نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ گو زوجہ ذاتی حیثیت سے مالدار کیوں نہ ہو پھر بھی شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہے اس کے برعکس نفقۂ اقارب صرف تنگی اور پریشان حالی کی حالت میں واجب ہوتا ہے۔

چوتھے یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم زوجہ کا نفقہ موثر بہ ماضی واجب قرار دیتے تھے لیکن کسی صحابی سے

یہ ثابت نہیں کہ اس نے اقارب میں سے کسی کا نفقہ موثر بہ ماضی واجب قرار دیا ہو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے امراء اجناد کو فرمان بھیجا کہ جو لوگ اپنی بیویوں کی خبر نہیں لیتے اور ان سے دور ہیں، وہ اپنی بیویوں کو نفقہ بھیجیں یا انھیں طلاق دے دیں، اگر طلاق دیں تو اب تک کا سارا نفقہ دیں ـــــ حضرت عمرؓ کے اس فرمان کی کسی صحابی کی طرف سے مخالفت نہیں ہوئی۔ کہیں سے مخالفت میں ایک آواز بھی نہیں اٹھی۔

نفقۂ زوجہ کا وجوب کتاب و سنت سے ثابت ہے

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفقۂ زوجہ کا کتاب و سنت اور اجماع سے وجوب ثابت ہے۔

جو نفقہ واجب ہے، وہ نفقۂ معروف ہے

رہا نفقہ کے معاوضہ میں دراہم کا تعین، تو اس کی کوئی اصل کتاب اللہ، سنت رسول اللہ یا آثار صحابۂ کرام میں کہیں نہیں ملتی۔ تابعین اور تبع تابعین کے ہاں اور ائمہ اربعہ ـــ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ ـــــ کے ہاں بھی اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دوسرے ائمہ کے ہاں بھی اس کی اصل تلاش نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے سامنے کتب آثار و سنن اور کلام ائمہ کا ذخیرہ اور مجموعہ موجود ہے، اس میں کہیں بھی اس کی اصل دستیاب نہیں ہوتی۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اقارب، زوجات، رقیق (غلام) کا نفقۂ معروف واجب کیا ہے اور معروف میں دراہم کا فرض ہونا شامل نہیں ہے، بلکہ معروف وہ ہے جو صاحب شرع کی نص سے ثابت ہے، اور وہ یہ ہے کہ نفقہ سے مراد ہے آدمی جو کچھ خود کھائے وہی انھیں کھلائے، جو خود پہنے وہی انھیں پہنائے، اس کے سوا کوئی چیز معروف میں داخل نہیں ہے۔ نفقہ دینے والے پر دراہم کی فرضیت ایک فعل منکر ہے، کیونکہ دراہم کا ادا کرنا من جملہ واجبات نہیں ہے، نہ یہ نفقہ کا عوض اور بدل بن سکتے ہیں، کیونکہ اقارب اور زوجات کا نفقہ یوماً فیوماً واجب ہوتا جاتا ہے۔ یہ کوئی مستقر چیز نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جو زیر ملکیت ہو۔ پھر اس کا معاوضہ کیسے درست اور صحیح ہو سکتا ہے اور اگر یہ مستقر (قائم بالذات) ہوتا تب بھی بغیر زوج اور قرابت دار کی رضامندی کے اس کا عوض نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ دراہم واجب اصل کا عوض ہو سکتے ہیں اور وہ جمہور کے نزدیک

طعام فساد ہے، پھر اس کا عوض دراہم کی صورت میں بغیر رضامندی کے کیونکر ہوسکتا تھا۔ صاحب شریعت نے بھی اسے اس پر مجبور نہیں کیا ہے، پس یہ قواعد شرع، نصوص ائمہ، اور مصالح عباد کے یکسر خلاف ہے۔ البتہ اس کے جواز کی صرف ایک صورت ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ منفق[1] اور منفق علیہ[2] دونوں اس پر متفق ہوجائیں۔

---

[1] منفق، خرچ کرنے والا

[2] منفق علیہ، جس پر خرچ کیا جائے۔

تنگ دست شوہر

اگر بیوی کا نفقہ نہ دے سکے تو کیا طلاق دینے پر مجبور ہے؟

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث

دار قطنی نے سعید بن المسیبؒ کی روایت کردہ ایک حدیث درج کی ہے، جو ایک شخص کے بارے میں ہے جو اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث بھی اس مفہوم و معنی پر دلالت کرتی ہے۔

سعید بن منصور نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ ہم سے سفیان نے اور انھوں نے ابو الزناد سے روایت کی کہ انھوں نے ایک مرتبہ سعید بن المسیبؒ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا، جو اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا کہ آیا، ان دونوں میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے گی؟

انھوں نے جواب دیا "ہاں"!

یہ حدیث حضرت سعیدؒ بن المسیب کے مراسیل میں سے ہے۔

فقہاء کا اختلافِ فکر اور اقوال مختلفہ

فقہاء کا اس باب میں اختلاف ہے چنانچہ مسئلہ زیر بحث سے متعلق متعدد اقوال ملتے ہیں۔

(۱) شوہر کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو نفقہ ادا کرے، ورنہ بیوی کو طلاق دے دے۔

سفیان یحییٰ ابن سعید الانصاری سے، اور وہ ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ:

"اگر شوہر بیوی کا نفقہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ طلاق دے دے"

(۲) شوہر کی طرف سے حاکم طلاق دے دے گا۔ اور وہ نافذ ہو جائے گی ——— یہ امام مالکؒ کا قول ہے

وہ فرماتے ہیں کہ عدم نفقہ کی صورت میں ایک مہینہ کی مہلت دی جائے گی۔ پھر مدت گزر جانے کے بعد حاکم طلاق دے دے گا، لیکن یہ طلاق رجعی ہوگی۔ عدت ختم ہونے سے پہلے اگر شوہر کی مالی حالت درست ہوگئی تو اسے رجعت کا حق ہے۔

امام شافعیؒ کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

ایک قول تو یہ ہے کہ زوجہ کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو بدستور شوہر کے پاس رہے، اور اس کا نفقہ شوہر پر فرض رہے گا۔ اگر چاہے نکاح فسخ کرالے۔

تفریق طلاق ہوگی یا فسخ تسلیم کی جائے گی؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، آیا، یہ تفریق طلاق کی بنا پر ہوگی یا فسخ نکاح کی بنا پر؟ —— اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

ایک یہ کہ طلاق ہوگی، لہٰذا یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا، وہ شوہر کو حکم دے گا کہ یا نفقہ ادا کرے یا طلاق دے۔ اگر وہ نفقہ دینے سے انکار کرتا ہے تو قاضی اس کی طرف سے طلاق دے دے گا، اور وہ نافذ ہوجائے گی، لیکن یہ طلاق رجعی ہوگی، اگر شوہر نے رجعت کرلی تو قاضی دوسری طلاق دے دے گا، اگر شوہر نے پھر رجعت کرلی تو قاضی تیسری طلاق دے دے گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ معاملہ طلاق کا نہیں فسخ کا ہے، لہٰذا یہ مقدمہ بھی قاضی کے سامنے پیش ہوگا، تاکہ اس کے سامنے شوہر کی تنگ دستی ثابت کی جاسکے۔ پھر اسے فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔

فسخ نکاح کی صورت میں رجعت نہیں

فسخ نکاح کی صورت میں رجعت کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اگرچہ عدت کے دوران میں شوہر کی مالی حالت درست ہوجائے۔

بیوی شوہر کی تنگ دستی سے واقف ہوتے ہوئے بھی اگر اس سے شادی کرلے اور اس کے بعد فسخ نکاح پر آمادہ ہوجائے تو ایسا کرسکتی ہے اسے اختیار ہے۔

دوسرے مکتب فکر کے دلائل اور موقف

لیکن جو لوگ تنگ دستی کے باعث نفقہ زوجہ نہ دے سکنے کی بنا پر فسخ نکاح کے قائل نہیں ہیں وہ دلیل میں یہ آیت قرآنی پیش کرتے ہیں۔

لینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اٰتٰہ اللہ
لا یکلف اللہ نفساً الا ما اٰتٰھا

پھر جب تنگ دستی اور زبوں حالی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے نفقہ کا مکلف نہیں کیا ہے، پھر اگر کوئی نفقہ زوجہ ادا نہ کرسکنے پر مجبور ہے، تو دونوں میں تفریق کیسے روا ہوگی؟

ابوبکرؓ و عمرؓ بارگاہ رسالت میں

صحیح مسلم میں ابو زبیرؓ کی جابرؓ سے روایت ہے کہ ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے دیکھا آپؐ کے پاس ازواج مطہرات بیٹھی ہیں اور چپ چپ ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا:

یا رسول اللہ کیا آپؐ دیکھتے ہیں بنت خارجہ مجھ سے نفقہ طلب کرتی ہے۔ میں نے اس کی گردن پکڑ کر امیٹھ دی۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے، آپؐ نے فرمایا:

"دیکھو یہ (ازواج مطہرات) میرے پاس نفقہ ہی طلب کرنے آئی ہیں۔"

حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کو زجر و توبیخ

حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور انھوں نے حضرت عائشہؓ کی گردن پکڑ کر دبائی۔ حضرت عمرؓ اٹھے، اور انھوں نے حضرت حفصہؓ کی گردن پکڑ کر دبائی، دونوں نے کہا۔

"تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے؟"

ازواج مطہرات نے جواب دیا۔

ازواج مطہرات کا جواب

"خدا کی قسم ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیز کبھی نہیں مانگتے جو ان کے پاس نہ ہو۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے کنارہ کشی کیے رکھی۔

یہ ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما ہیں جو اپنی صاحبزادیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مار رہے ہیں۔ جب وہ آپؐ سے نفقہ طلب کر رہی تھیں، اور یہ محال ہے کہ وہ حق کا مطالبہ کر رہی ہوتیں اور ان کے والد انھیں مارتے۔

عدم نفقہ اور فسخ نکاح کا مسئلہ

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو نفقہ وہ تنگ حالی کے دور میں طلب کر رہی تھیں اس کا انھیں حق نہیں تھا، اور جب یہ مطالبہ درست نہ تھا تو پھر عورت کی عدم نفقہ کی صورت میں فسخ نکاح کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے[1]۔

---

[1] اصل مسئلہ سے ذرا دیر کے لیے قطع نظر کرتے ہوئے میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ حدیث جو پیش کی گئی ہے، اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جسے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شوہر پر جو نفقہ واجب ہے وہ یہ کہ جو خود کھائے وہی کھلائے، جیسا خود پہنے ایسا ہی پہنائے اور یہ بات ازواج مطہرات کو حاصل تھی۔ آپ کا یہی برتاؤ تھا

اصل بات یہ تھی کہ اب اسلام کے بیت المال میں مال خراج اور مالِ غنیمت سے لدے ہوئے چھکڑے سیم و زر لے کر آیا کرتے تھے، یہ مال و زر آپؐ غربا اور مساکین اور اہلِ حاجت میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔

لیکن، — آپؐ کے گھر میں اب بھی وہی عالم تھا جو پہلے تھا، کئی کئی دن گوشت نہ پکتا، گیہوں کی روٹیاں نہ پکتیں، لذیذ کھانوں کا سوال ہی نہیں تھا۔

ازواج مطہرات بھی بشر تھیں، وہ دیکھتی تھیں مال و زر کی کھیپ کی کھیپ آتی ہے، اور عامۃ المسلمین پر خرچ ہو جاتی ہے مگر ہم وہی عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں جو اس سے پہلے تھی، لہٰذا انھوں نے آپؐ کی خدمت میں اضافۂ نفقہ کا مطالبہ پیش کیا، انھیں یہ شکایت نہیں تھی کہ ہمیں نفقہ نہیں ملتا، یہ تھی: زیادہ کیوں نہیں ملتا؟ ان کا کہنا یہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اچھا کھاتے ہیں، اچھا پہنتے ہیں۔ ہم خراب کھاتے ہیں اور خراب پہنتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ رسول اللہ خود اچھا نہیں کھاتے، اچھا نہیں پہنتے۔ لہٰذا ہم بھی اس زندگی پر مجبور ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آمادہ نہ تھے۔

بے شک آپؐ کے قدموں پر سونے چاندی کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔

بے شک آپؐ کے پاس مال خراج، اور مال غنیمت کی اب کوئی کمی نہ تھی،

بے شک اسلام اب غریب نہ تھا دولت مند تھا۔

لیکن آپؐ غریب ہی رہنا چاہتے تھے۔ غربت ہی کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تنگ دست قرض دار کو خوش حالی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔

دلفیہ حاشیہ) یہ نفقہ کی ادائیگی کا سوال نہ تھا!

یہ اس نظام حیات میں انقلاب کا مطالبہ تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا —— اور یہ مطالبہ آپؐ کے لیے قطعاً قابل قبول نہ تھا، لہٰذا آپؐ نے فرمایا تم میں سے جو اس حالت میں میرے ساتھ رہ سکتی ہے رہے۔ ورنہ میں عزت آبرو کے ساتھ رخصت کرنے کو تیار ہوں،

یعنی آپؐ نے اپنی زندگی کا جو سانچہ بنا لیا تھا اسے تبدیل کرنے پر تیار نہ تھے، اور مطالبہ اسی کا تھا یہ اصولی اختلاف تھا۔

اس پر کسی طرح کی مفاہمت ہو ہی نہیں سکتی تھی، اور نہیں ہوئی۔

میرے اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہؓ، اور حفصہؓ کو گھرکتے ہوئے کہا:

"تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے؟"

تو ازواج مطہرات نے قسم کھا کر جواب دیا:

"نہیں خدا کی قسم ہم کبھی وہ چیز نہیں مانگتے جو آپؐ کے پاس نہ ہو"

یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی حالت بہتر سمجھ رہی تھیں لہٰذا اضافہ نفقہ کی طالب تھیں، اور آپؐ اپنی مالی حالت بہتر بنانے کو تیار نہ تھے۔

ورنہ جہاں تک نفس نفقہ کا تعلق تھا، خیبر سے آپؐ کو جو آمدنی ہوتی تھی اس سے سال بھر کا اناج وغیرہ آپؐ گھر میں لا کر رکھ دیتے تھے جس کی تصدیق احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ نفقہ تو آپ دیتے تھے، اور دیا دیتے تھے۔ جو آپؐ پر واجب تھا، یعنی معروف، لیکن اس اضافہ کے لیے تیار نہ تھے جس کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی بھی تھے۔ ایک ہادی بھی، ایک رہنما بھی!

آپؐ کی زندگی مسلمانوں کے لیے، خود قرآن کے الفاظ میں "اسوۂ حسنہ" تھی۔

اور آپ کا "اسوۂ حسنہ" یہ تھا کہ مال و زر سے الگ رہیں۔ مال و زر کی محبت دل میں نہ پیدا ہونے دیں

اور نفقہ بھی ایک طرح کا قرض ہی ہے ، لہٰذا عورت از روئے قرآن مامور ہے کہ شوہر کے حالات سازگار ہونے تک مہلت دے ؛ خواہ وہ شوہر کے ذمہ قرض رہے یا ساقط ہو جائے ، یہ الگ بحث ہے ، لیکن مہلت تو دینی پڑے گی ، اس بات پر فسخ نکاح بعید ترین چیز ہے ۔

عہد صحابہ کرام کی مثالیں

صحابہ کرام کے گروہ میں خوش حال اور فارغ البال لوگ بھی تھے ، تنگ دست اور آشفتہ روزگار بھی ۔ اور تنگ دستوں کی تعداد خوش حالوں سے کہیں زیادہ تھی ، لیکن ایسی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی تنگ دستی کے باعث کسی عورت کو فسخ نکاح کا حق دیا ہو ، یا اس سے کہا ہو کہ اسے فسخ کا حق حاصل ہے وہ تو فقر اور غربت کی زندگی اختیار کریں اور اس پر فخر فرمائیں ۔

آپ کا اسوۂ حسنہ تو یہ تھا کہ مرض الموت میں جب آپ کا مزاج سخت ناساز تھا ، ایک ایک آپ نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا :

" وہ سونا جو کہ میں نے تمہارے پاس رکھا یا تھا کہاں ہے ؟"

حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا " طاقچہ میں رکھا ہے ؟"

جبین مبارک پر شکن ہو گئی ، فرمایا : " کیا تم یہ چاہتی ہو ، محمدؐ اپنے رب سے بدگمان ہو کر ملے ؟ اسے تقسیم کر دو !"

مال و زر کا وہ ذرا سا حصہ بھی ، جو کاشانۂ نبوت میں پڑا رہ گیا تھا ، فوراً تقسیم کر دیا گیا ۔ آپؐ اس کے روادار ہی نہیں تھے کہ اپنے لیے کچھ بچا کر رکھیں ، آپؐ کے پاس جو کچھ تھا وہ امت کا تھا ، مسلمانوں کا تھا ۔

یہ تھی آپؐ کی زندگی ، اور یہی زندگی بسر کرنے پر آپؐ کو اصرار تھا ۔ اسی زندگی کے مطابق آپؐ نفقہ دیتے تھے ۔ آپؐ کے لیے یہی نفقہ معروف تھا ۔

اب اگر یہ نفقہ معروف کفایت کر سکتا تھا تو ٹھیک اور نہیں کر سکتا تھا تو بغیر فسخ یا طلاق کے مطالبہ کے آپؐ نے خود ہی علی الاعلان بڑے ٹھنڈے لیکن فیصلہ کن لہجہ میں فرمادیا ، جسے یہ منظور ہو وہ میرے پاس رہے ، ورنہ عزت اور احترام کے ساتھ میں رخصت کرنے کو تیار ہوں ۔

بھلا رسالت مآب کا دامن چھوڑنے پر کون آمادہ ہوتا ہے ؟ —— مطالبہ واپس لے لیا گیا —— صلی اللہ علیہ وسلم ۔

چاہے تو صبر سے کام لے چاہے نکاح فسخ کرالے[1]

فقر و غنا آنی جانی چیزیں ہیں

اور یہ فقر و غنا آنی جانی چیزیں ہیں، آج ایک شخص دولت مند ہے کل مفلوک الحال ہوگیا۔ آج ایک آدمی غریب ہے کل تونگر ہوگیا، اب ہر وہ شخص جس کی مالی حالت بگڑ جائے اور اس کی بیوی فسخ نکاح کے لیے تیار ہو جائے، تو یہ کتنی تکلیف دہ صورت احوال ہوگی۔ شر پر پرزے نکالے گا، اور بہتوں کے نکاح فسخ ہو جائیں گے۔

ایک عورت اگر بیماری کے باعث استمتاع (مباشرت) سے معذور ہو جائے، اور یہ بیماری کافی طویل ہو تو بھی اس بنا پر شوہر فسخ نکاح کا دعوےٰ نہیں کرسکتا۔ بلکہ بیوی کی اس معذوری کے باوصف شوہر پر پورا کا پورا نفقہ واجب ہے۔

اور تفریق سے متعلق سعید بن المسیب کے مراسیل اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث جو امام بخاری نے صحیح میں درج کی ہے، قابل اعتبار نہیں۔ یہ روایت بالمعنیٰ ہے، باللفظ نہیں۔

اصول و قواعد شریعت کے مطابق صورت مسئلہ کیا ہے؟

بہرحال شریعت کے اصول اور قواعد کے مطابق جو بات ہے وہ یہ کہ:

- اگر شوہر بیوی کو دھوکا دے، اور غلط طور پر اپنے آپ کو مالدار باور کرائے، بعد میں ثابت ہو کہ بالکل غریب اور تنگ دست ہے۔
- یا شوہر صاحب مال و منال ہو، لیکن بیوی کو دینے سے انکار کرتا ہو، یا ٹال مٹول سے کام لیتا ہو، تو ایسے تنگ عورت فسخ نکاح کا دعویٰ کرسکتی ہے اس کو اسے حق حاصل ہے۔

لیکن اگر:

---

[1] یہ حق عورت کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ قاضی کی عدالت میں دعویٰ کرے، اگر دعویٰ نہ کرے، تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر اگر صحابہؓ میں سے کسی کی بیوی نے تنگ دستی کے باوجود فسخ نکاح کا دعویٰ نہیں کیا تو آپؐ کو جعل بیٹنے کی کیا ضرورت تھی۔

[2] لیکن دوسری شادی کرسکتا ہے

- بیوی جانتی تھی کہ شوہر غریب اور تنگ دست ہے اور یہ جاننے کے باوجود اس سے شادی کرلی ہے۔
- یا شادی کے وقت شوہر مالدار اور خوش حالی میں تھا، لعد میں کسی وجہ سے تنگ حال اور مفلوک ہوگیا۔

تو اس صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں حاصل ہے۔

لوگ امیر سے غریب، اور غریب سے امیر ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لوگوں پر ادبار، مصیبت، اور مالی بدحالی کا دور آتا ہی رہتا ہے، ان کی عورتیں حاکم کے پاس فسخ نکاح کی درخواست لے کر نہیں پہنچ جاتیں، اور قاضی سے یہ استدعا نہیں کرتیں کہ ان کے اور شوہر کے مابین تفریق کرادی جائے۔

جمہور فقہا اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک

جمہور فقہا کا مسلک یہ ہے کہ اگر تنگ دستی کی بنا پر شوہر مہر نہ ادا کرسکے، تو فسخ نکاح نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا یہی مسلک ہے اور یہی درست ہے۔

نفقۂ مبتوتہ

فاطمہ بنت قیس کی حدیث، اور اس حدیث پر بحث ونظر

نفقہ کا عدم وجوب امام مسلم نے اپنی صحیح میں فاطمہ بنت قیس کی حدیث نقل کی ہے کہ عمرو بن حفص نے اپنی بیوی کو طلاق البتۃ دی اور چلے گئے۔ فاطمہ کے پاس انھوں نے اپنا وکیل جو دے کر بھیجا، فاطمہ خفا ہوئیں، وکیل نے کہا،

"خدا کی قسم ہم پر کچھ ذمہ داری نہیں ہے"!

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا، اور جو کچھ وکیل نے کہا تھا وہ بھی دہرایا۔

آپؐ نے فرمایا،

"اب تمہارا کوئی نفقہ اس پر واجب نہیں ہے"!

اس کے بعد آپؐ نے فاطمہ کو حکم دیا کہ ام شریک کے گھر میں عدت گذاریں۔ پھر فرمایا،

لہ یہ قرآن کی رو سے، طلاق، ہر طہر میں دینا چاہئے، اور دو مرتبہ کر کے دینا چاہیے۔"

الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان

اور یہ بیک وقت تین طلاقیں خدا کو سخت نامرغوب اور ناپسندیدہ ہیں، اسی لیے اس طلاق کو ابغض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ کہا جاتا ہے۔

طلاق البتۃ سے مراد وہ طلاق ہے، جس کے بعد رجعت نہ ہو سکے، نہ تجدید نکاح ہو سکے، یہ صورت تیسری طلاق کے بعد پیدا ہوتی ہے،

اس عورت نے میرے اصحاب کو موہ لیا ہے۔ تم ابن ام مکتوم کے ہاں عدت گزارو، وہ ایک نابینا شخص ہے، جب عدت ختم ہو جائے، تو میرے پاس آؤ۔

فاطمہ کہتی ہیں، جب میری عدت گذر گئی، تو میں آپؐ کے پاس حاضر ہوئی، اور میں نے عرض کیا معاویہ بن ابوسفیان، اور ابوجہم نے مجھے شادی کا پیام دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ابوجہم کا ڈنڈا اس کے کندھے سے نہیں اترتا، اور معاویہ مفلوک الحال ہے، اسامہ بن زید سے نکاح کر لو،!"

میں نے اسامہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، آپؐ نے فرمایا،

"اسامہ سے نکاح کر لو،!

آخر میں نے اسامہ سے نکاح کر لیا، اللہ تعالےٰ نے مجھے اس میں اتنا خیر دیا کہ میں اس پر فخر کرتی ہوں،!"

صحیح مسلم کی ایک حدیث

صحیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شوہر نے طلاق دی، اور جو نفقہ دیا وہ کم تھا، جب انھوں نے یہ دیکھا تو بولیں۔

"خدا کی قسم میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادوں گی، اگر میرا نفقہ نکلا تو میں وہ لے لوں گی جو مناسب ہوگا، اور اگر میرا نفقہ نہ نکلا تو میں کچھ بھی نہیں لوں گی،! چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا عرض کیا، آپؐ نے فرمایا،

"اب نہ تو اس سے نفقہ لے سکتی ہے نہ سکنیٰ[1]،!"

ابوعمرو حفص بن مغیرہ کا واقعہ

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ ابوعمرو حفص بن مغیرہ نے حضرت علیؓ کے ساتھ کوچ کیا، اور اپنی بیوی فاطمہ کے پاس بقیہ طلاق کی تکمیل کا پیام بھیج دیا، اور حارث بن

---

[1] سکنیٰ سے مراد جائے اقامت ہے، جس کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔

ہشام، اور عیاش بن ابی ربیعہ کو اپنا پیامی بنا کر اور نفقہ دے کر فاطمہ کے پاس بھیجا۔
ان دونوں نے فاطمہ سے کہا،
"خدا کی قسم تمہارا کوئی نفقہ واجب نہیں ہے، بجز اس صورت کے کہ تم پیٹ سے ہو۔!"
فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور ان دونوں کا قول بیان کیا، آپؐ نے فرمایا
"اب تمہارا نفقہ اس پر واجب نہیں ہے،!"
فاطمہ نے شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت چاہی، آپؐ نے اجازت مرحمت فرما دی۔
انھوں نے پوچھا،
"یا رسول اللہ میں کہاں جاؤں۔؟"
آپؐ نے فرمایا۔ "ابن ام مکتوم کے ہاں"! وہ نابینا ہیں، وہ تمہیں بے پردہ حالت میں نہیں دیکھ سکتے،!"
جب عدت پوری ہو گئی، تو آپؐ نے فاطمہ بنت قیس کا نکاح اسامہ بن زید کے ساتھ کر دیا۔

مروان کا امر فاطمہ بنت قیس پر

ایک مرتبہ مروان نے قبیصہ بن ذایب کو فاطمہ کے پاس بھیجا کہ اس حدیث سے متعلق پوچھ آئیں، فاطمہ نے پوری حدیث بیان کر دی، مروان نے کہا۔
"یہ حدیث ایک عورت کے سوا ہم نے کسی سے نہیں سنی ہے۔!"
فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب مروان کی یہ بات پہنچی تو انھوں نے فرمایا،!
"میرے اور تمہارے درمیان قرآن ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے،:
ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ، الی قولہ۔ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً
یہ آیت پڑھ کر فاطمہ نے کہا،
"اس آیت میں اس شخص کا حکم بیان کیا گیا ہے جس نے طلاق رجعی دی ہو[1]، لیکن طلاق بائنہ کے

---

[1] طلاق رجعی کے بعد شوہر اس سے رجعت کر کے بیوی سے از سر نو تعلقات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اب کون سی صورت پیدا ہو سکتی ہے؟ اور اگر ہو سکتی ہے تو پھر تم یہ کیسے کہتے ہو کہ اب نفقہ نہیں رہا، جب اس کا نفقہ نہیں ہے، اور وہ حاملہ نہیں ہے کون سے جرم میں اسے محبوس رکھنا چاہتے ہو؟

طلاق ثلثہ کے بعد نہ نفقہ ہے نہ سکنیٰ

صحیح مسلم میں تو ایک اور روایت ہے جس کے راوی ابوبکر بن الجہم العدوی ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے فاطمہ بنت قیس کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہی تھیں کہ ان کے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلایا۔

عدت گزرنے کے بعد مجھے معاویہ بن ابوسفیان، اور ابوجہم، اور اسامہ بن زید نے پیام نکاح دیا، رسول اللہ نے (فاطمہ) کے استفسار پر فرمایا،

"معاویہ کی جیب میں دھیلا بھی نہیں، ابوجہم عورتوں کو مارتا پیٹتا ہے، لیکن اسامہ بن زید۔ — جن سے فاطمہ کراہت کرتی تھیں، اور شادی کرنا نہیں چاہتی تھیں — کے لیے سفارش کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا،:

"اللہ اور رسول کی اطاعت تمہارے لیے موجب خیر ہوگی"!

فاطمہ نے اسامہ سے شادی کر لی، اور ہمیشہ اس پر فخر کرتی رہیں۔

پانچ صاع کھجور، پانچ صاع جو

صحیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث ہے، فاطمہ کہتی ہیں،:

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) زن و شوہر قائم کر سکتا ہے، اس کا اسے پورا حق اور اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ اگر رجعی طلاق کے بعد بیوی گھر میں رہے گی، تو شاید شوہر کا دل بدل جائے، اور وہ اسے دیکھ کر اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر لے، اور طلاق واپس لے لے،

لے طلاق بائنہ میں یہ صورت نہیں۔

اب نہ رجعت ہو سکتی ہے، نہ تجدید نکاح ممکن ہے، لہٰذا اب کوئی خوشگوار امید قائم نہیں کی جا سکتی اس صورت میں شوہر بیوی کو اپنے گھر نہیں رکھ سکتا، نہ وہ وہاں رہنے پر مجبور کی جا سکتی ہے۔

"میرے شوہر ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ نے عیاش بن ابی ربیعہ کو طلاق نامہ دے کر میرے پاس بھیجا، اور پانچ صاع کھجور، اور پانچ صاع جو بھی بھیجے، میں نے کہا۔

"میرا نفقہ بس اتنا ہی ہے؟ اور اب میں تمہارے ہاں عدت نہیں گزار سکتی؟"

عیاش نے جواب دیا "نہیں"!

فاطمہ کہتی ہیں پھر میں نے اپنے کپڑے باندھ لیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، آپ نے دریافت فرمایا؛

"اس نے کتنی طلاقیں دی ہیں؟"

میں نے عرض کیا۔ "تین"

آپ نے فرمایا، "اس نے ٹھیک کہا، اب اس پر تمہارا نفقہ واجب نہیں ہے"!

نسائی کی حدیث طعن سے خالی ہے

نسائی نے بھی اپنی سنن میں، یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ بیان کی ہے، جس میں کوئی طعن نہیں ہے ان کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا!

"نفقہ اور سکنیٰ اس عورت کا حق ہے جس کے شوہر نے اسے طلاق رجعی دی ہو"

قرآن مجید سے اس حکم کی تائید

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے؛ "یاایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن، واحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم، لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وتلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا، فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف، او فارقوھن بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ - الی قولہ - قد جعل اللہ لکل شیء قدرا"

اس آیہ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ: —— ▪ شوہر کو چاہیے بلوغ اجل (مدت گزرنے) کے وقت یا تو شرافت کے ساتھ بیوی کو روک لے۔ یا شرافت کے ساتھ رخصت کر دے۔

▪ نہ بیوی گھر چھوڑے، نہ شوہر گھر سے نکالے،

▪ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس شوہر کو طلاق کے بعد امساک کا (روکنے کا یعنی رجعت کا)

حق نہ ہو وہ بیوی سے اپنا گھر خالی کرا سکتا ہے،

ان مطلقات کے سلسلہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چند احکام متلازمہ بیان فرماتے ہیں، جو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیے جا سکتے۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱- شوہر بیوی کو گھر سے نہیں نکال سکتا،

۲- بیوی شوہر کا گھر نہیں چھوڑ سکتی،

۳- وقت گزرنے سے پہلے شوہر کو رجعت کا یعنی طلاق واپس لینے کا حق ہے، اگر اس حق سے فائدہ نہ اٹھائے، تو شرافت کے ساتھ رخصت کر دے،

۴- عادل گواہوں کی شہادت جو رجعت کی شہادت دیں۔

: آیۂ کریمہ میں "لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً" (شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت نکال دے) سے مراد رجعت ہے، سلف بھی مانتے چلے آئے ہیں، لیکن اگر تین طلاقیں دی گئی ہوں، تو اب کسی صورت کے نکلنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا،

فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر قدیم وجدید مطاعن

فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر سب سے پہلا طعن حضرت عمرؓ کا ہے،

امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ ابو اسحاق کہتے ہیں میں اسود بن یزید کے ساتھ مسجد اعظم میں بیٹھا ہوا تھا، شعبی بھی ہمارے ساتھ تھے، اتنے میں شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلایا، یہ سن کر اسود نے مٹھی میں کنکریاں بھریں اور شعبی پر پھینک ماریں، اور کہا۔

"خدا تم سے سمجھے تم اس طرح کی حدیث بیان کرتے ہو، حالانکہ حضرت عمرؓ فرما چکے ہیں کہ ہم ایک عورت کے کہنے میں آکر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے، کیا معلوم اس عورت نے ٹھیک یاد رکھا یا اس سے بھول چوک ہو گئی، عورت کے لیے سکنیٰ اور نفقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"،

لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان يأتين بفاحشة مبينة

یہ حضرت عمرؓ ہیں، جلیل القدر صحابی رسولؐ، وہ خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے، کہ سکنیٰ اور نفقہ دیا جائے گا!

عمر بن الخطابؓ اور فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث میں اگر تعارض ہوگا تو ظاہر ہے ترجیح حضرت عمرؓ کی روایت کو ہوگی، جب کہ ظاہر قرآن سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہو،

سعید بن منصور ابو معاویہ سے اور وہ اعمش سے، اور وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں، کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے جب فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی گئی، تو انھوں نے فرمایا:

"ایک عورت کی شہادت پر ہم اپنے دین میں تغیر نہیں کر سکتے، !"

طعن عائشہؓ و حدیث فاطمہؓ

بخاری اور مسلم میں ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید بن العاص نے عبدالرحمان کی لڑکی سے شادی کی، پھر اسے طلاق دے دی، اور اپنے ہاں سے رخصت کر دیا، عروہ نے اسے برا سمجھا، انھوں نے کہا فاطمہ بنت قیس بھی تو اسی طرح رخصت کی گئی تھیں، عروہ کہتے ہیں پھر میں عائشہؓ کے پاس آیا، اور انھیں واقعہ سنایا، انھوں نے فرمایا،

"فاطمہ بنت قیس کے لیے یہ اچھا نہیں تھا کہ اس حدیث کا ذکر کرتیں، !"

صحیح بخاری میں عائشہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا۔

"کیا تم خدا سے نہیں خوف کھاتیں؟"

حضرت عائشہؓ کی مراد، یہ تھی کہ سکنیٰ اور نفقہ کے عدم وجوب والی حدیث بیان کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتیں؟

بخاری ہی کی ایک اور حدیث ہے، جس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں!

"فاطمہ ایک سنسان مکان میں رہتی تھیں جس سے خوف زدہ تھیں، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عدت سے پہلے وہاں سے اٹھ آنے کی اجازت مرحمت فرما دی،

لے حضرت فاطمہ بنت قیس بھی بہت بڑی اور باعظمت صحابیہ تھیں،

عبدالرزاق ابن ابی نجیح سے وہ ابن شہاب سے وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث کو در خور اعتنا نہ سمجھا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں وہ سکنیٰ اور نفقہ کا حق نہیں رکھتی،

قاضی اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ محمد بن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا۔

"تمہیں اس زبان نے باہر نکالا"!

طعن اسامہ بن زید پر حدیث فاطمہ

عبداللہ بن صالح کاتب لیث روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے لیث بن سعد نے ان سے جعفر نے ان سے ابن ہرمز نے انھوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی کہ محمد بن اسامہ بن زید کہا کرتے تھے کہ اسامہ سے جب فاطمہ بنت قیس اس حدیث کے بارے میں — یعنی دوران عدت میں شوہر کے گھر سے اٹھ آنے کے بارے میں — کچھ بیان کرتی تھیں تو اسامہ کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا وہی ان پر دے مارتے۔

طعن مروان پر حدیث فاطمہ

امام مسلم نے اپنی صحیح میں فاطمہ کی حدیث درج کی ہے اور لکھا ہے کہ مروان نے اسے سنکر کہا،

"ہم نے یہ حدیث ایک عورت کے سوا کسی سے نہیں سنی ہے۔"!

طعن سعید بن المسیب بر حدیث فاطمہ بنت قیس

ابوداؤد نے اپنی سنن میں میمون بن مہران کی حدیث درج کی ہے، وہ کہتے ہیں میں مدینہ آیا، سعید بن المسیب کے پاس پہنچا، اور کہا، فاطمہ بنت قیس کو طلاق دی گئی، اور وہ عدت کے دوران میں شوہر کے گھر سے اٹھ آئیں، سعید نے کہا،

"اس عورت نے لوگوں کو شبہہ میں مبتلا کر لیا ہے"،

طعن سلیمان بن یسار پر حدیث فاطمہ

ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ سلیمان بن یسار نے عدت کے دوران میں شوہر کے گھر سے چلے آنے پر، فاطمہ بنت قیس کے بارے میں کہا،

"یہ سوء خلق تھا۔"

طعن اسود بن یزید بر حدیث فاطمہ

اسود کی حدیث کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ انھوں نے شعبی پر کنکریاں کھینچ ماریں اور کہا،

خدا تم سے سمجھے تم یہ حدیث بیان کرتے ہو ؟"

نسائی کے الفاظ یہ ہیں:

"اس طرح کا فتویٰ خدا تم سے سمجھے کیوں دیتے ہو ؟"

طعن ابی سلمہ بن عبدالرحمان بر حدیث فاطمہ

فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے بارے میں ابوسلمہ بن عبدالرحمان کہا کرتے تھے

"لوگوں نے اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا ہے۔"

فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر مطاعن کا جواب

ایک تحقیقی — علمی — اور — تاریخی بحث

مطاعن مذکورہ بالا کا ماحصل اس حدیث کے مطاعن کا حاصل حسب ذیل چار امور ہیں (۱) ایک عورت کی روایت اس وقت تک قابلِ قبول نہیں جب تک دو گواہ شہادت دے کر اس کی تصدیق نہ کریں۔

۲۔ فاطمہ کی حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔

۳۔ فاطمہ بنت قیس عدت گزارنے سے پہلے شوہر کے گھر سے اس لئے نہیں نکلیں کہ انھیں نفقہ اور سکنیٰ کا حق نہیں تھا، بلکہ اس لیے نکلیں کہ زبان کی تیز تھیں۔

۴۔ فاطمہ بنت قیس کی حدیث، حضرت عمر بن الخطاب کی حدیث سے معارض ہے۔

اب ہم اس کامل مطاعن پر باری باری سے غور کرتے ہیں اور ثابت کریں گے کہ ان مطاعن میں سے بعض میں انقطاع ہے، بعض میں ضعف ہے۔ بعض میں بطلان ہے، — اور بعض صحیح بھی ہیں۔

۱۔ کیا عورت کا راوی حدیث ہونا غیر معتبر ہے طعن اول یہ ہے کہ عورت کا راوی حدیث ہونا غیر معتبر ہے۔

لیکن یہ بالکل باطل خیال ہے، تمام علماء قطعاً اس اعتراض کے خلاف ہیں، تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت رسول اللہ کی روایت جس طرح مردوں سے قبول کی جاسکتی ہے اسی طرح عورتوں سے بھی قبول کی جاسکتی ہے۔ ہمارے سامنے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ علماء نے صحابیہ خواتین کی روایتیں قبول کی ہیں۔ خواتین صحابیہ کی مسانید لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ پھر دنیا کی دوسری

خواتین کے مقابلہ میں فاطمہ بنت قیس کا کون سا گناہ ہے کہ ان کی حدیث نہ قبول کی جائے؟

فاطمہ بنت قیس کا علمی پایہ اور ان کی عظمت روایت

اگر فریعہ بنت مالک بن سنان کی روایت بیوہ عورت کی عدت شوہر کے گھر پر بسر کرنے کے بارے میں قبول کی جاسکتی ہے، تو فاطمہ بنت قیس کی حدیث کیوں نہیں قبول کی جاسکتی؟

فاطمہ کسی طرح فریعہ سے علم و جلالت شان، ثقاہت اور امانت میں کم نہیں تھیں، بلکہ بہت زیادہ تھیں اور کوئی شبہ نہیں وہ ان سے بہت زیادہ فقاہت رکھتی تھیں، کیونکہ فریعہ کے پاس اس ایک حدیث کے سوا کچھ نہیں ہے، اس کے برعکس فاطمہ اپنے علم و قوت مناظرہ میں غیر معمولی شہرت کی حامل ہیں۔ ان مناظروں میں وہ ہمیشہ کامیاب رہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جب کسی مسئلہ میں مختلف الرائے ہوتے تھے، تو امہات المومنین میں سے کسی کی روایت اگر ان سے بیان کی جاتی تھی تو اسے بے چوں وچرا قبول کر لیتے تھے اور اپنے سابقہ قول سے رجعت کر لیتے تھے۔

امہات المومنین کو فاطمہ بنت قیس پر اس اعتبار سے ضرور فضیلت حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں ورنہ فاطمہ بھی ان خواتین میں تھیں جن کا شمار مہاجرات اول میں ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش تھے۔ اور ان کی شادی (اصرار کر کے) اسامہ بن زید سے کی تھی۔

اگر کوئی شخص فاطمہ بنت قیس کی مقدار حفظ و علم کا اندازہ کرنا چاہتا ہے تو اسے وہ طویل ترین حدیث پیش نظر رکھنی چاہئے جو دجال سے متعلق ہے اور جسے فاطمہ نے روایت کیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر جو طویل خطبہ دجال سے متعلق دیا تھا اسے فاطمہ بنت قیس نے تمام و کمال یاد رکھا اور اسی طرح بیان کر دیا جس طرح سنا تھا۔ اور طول و غرابت کے باوجود کسی نے فاطمہ کی روایت پر اعتراض نہیں کیا۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو قصہ انہی کی وجہ سے عالم وجود میں آیا، جس کا سبب وجود انہی کی ذات ہے، جس کے بارے میں انھوں نے جھگڑا کیا۔ فریاد و کناں دربار رسول میں پہنچیں، اور آپ

حکم صرف مختصر سے کلموں " لا سکنیٰ ولا نفقہ " (تین طلاق والی عورت نہ سکنیٰ کی مستحق ہے۔ نہ نفقہ کی) کی صورت میں سنا اور اسے یاد نہ رکھ سکیں کیا یہ ممکن ہے؟ —— جب کہ ان کی قوت حفظ و اخذ سب کو تسلیم ہے؟

رہا نسیان کا احتمال تو یہ چیز فاطمہ میں اور ان کی روایت کا انکار کرنے والوں، دونوں میں مشترک ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ ہیں جو جنبی[1] کے تیمم والی حدیث بھول گئے تھے۔ حضرت عمارؓ بن یاسر نے یاد دلایا۔

واقعہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں —— عمرؓ اور عمارؓ —— کو جنابت کی صورت میں تیمم کر لینے کا حکم دیا تھا، حضرت عمرؓ بھول گئے، اور اس پر مصر تھے کہ جنبی جب تک پانی نہ پائے اور غسل نہ کرلے نماز نہیں پڑھ سکتا۔

وہ قرآن مجید کی یہ آیت بھی بھول گئے۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واٰتیتم احداھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئاً۔

لیکن جب ایک عورت نے انھیں ٹوکا تو یاد آیا[2] اور اپنا قول واپس لیا۔

---

[1] جنبی اسے کہتے ہیں جس پر غسل جنابت —— مباشرت یا احتلام وغیرہ کے باعث —— واجب ہو۔

[2] حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب یہ دیکھا کہ لوگ اپنی بیویوں کا مہر زیادہ رقم کا باندھنے لگے ہیں، اور ان کی مالی ذمہ داریوں کو زیادہ وسیع پیمانے پر قبول اور برداشت کرنے کے عادی ہوتے جارہے ہیں تو یہ بات انھیں گراں گزری، اور انھوں نے تحدید کی کوشش کی، جو بات ان کے دل میں آجاتی تھی اس پر عمل بھی کر گزرتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بھی انھوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت عمرؓ کا دبدبہ اور جلال ایسا تھا کہ ان کے سامنے کسی کی مجال دم زدن نہ تھی۔ چنانچہ ان کے اس ارشاد پر احتجاج و اختلاف کی کوئی آواز بلند نہیں ہوئی —— لیکن ایک مرتبہ ایک عورت نے بر سرِ منبر انھیں ٹوک دیا اور کہا " قرآن میں قنطار (بے شمار مال و زر) تک بیوی کو دے دینے کی اجازت آئی ہے، تم منع کرنے والے کون؟ —— ایک کمزور عورت کی یہ آواز سن کر حضرت عمرؓ لرز گئے انھیں اپنی غلطی پر تنبہ ہوا۔ اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ پھر اس مسئلہ پر کچھ نہیں کہا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ اللہ تبارک و تعالےٰ کا یہ ارشاد بھول گئے۔

انك ميت وانهم ميتون (اے محمد تم بھی ایک دن وفات پاؤ گے، اور یہ لوگ بھی موت سے ہم کنار ہوں گے)[1]

پھر انھیں یہ آیت یاد دلائی گئی۔ تب ان کا جوش ٹھنڈا ہوا۔

پس اگر راوی کا نسیان و خطا کا سرزد ہونا، سقوط روایت کا موجب ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی ساقط ہو جائے گی جو فاطمہ بنت قیس کی روایت کردہ حدیث کے مقابلہ میں لبطور معارض کے پیش کی جاتی ہے کیونکہ بھول چوک تو حضرت عمرؓ سے بھی ہوئی تھی۔

غرض ہمیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی ثقہ اور عادل راوی کی روایت قبول کرنے کی شرط یہ رکھی گئی ہو کہ جب تک دو گواہ شہادت دے کر اس کی تائید و تصدیق نہ کردیں وہ قبول نہیں کی جائے گی خاص طور پر جب کہ راوی کوئی صحابی ہو —— اور حضرت فاطمہ بنت قیس جلیل القدر صحابیہ تھیں۔

۲۔ کیا فاطمہؓ کی روایت مخالف قرآن ہے؟

اب ہم دوسرے طعن پر گفتگو اور بحث کریں گے یعنی یہ کہ فاطمہ بنت قیس کی روایت قرآن کریم کی مخالف ہے۔

---

[1] تاریخ اسلام کا یہ واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت عمر جیسا سخت شخص ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ انھوں نے تلوار میان سے نکال لی اور کہا:
"جس نے بھی یہ کہا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا"
آنحضرتؐ کے اس حادثۂ وفات کا حضرت عمر کے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ مذکورہ آیت قرآنی، اور دوسری قرآنی آیات، جن کی بارہا انھوں نے تلاوت کی تھی، سنا تھا، دوہرایا تھا اور جن میں آں حضرتؐ کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ بھی ایک روز اس دنیا سے رخصت ہوں گے، یکسر فراموش کر بیٹھے اور شدت الم اور شدت تاثر کے باعث ہر اس شخص کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے —— لیکن جب یہ آیت سنائی گئی تو ان کے حواس بجا ہوئے۔ ان کا جوش و تاثر ختم ہو گیا اور انھوں نے اعتراف فرمایا "گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے"۔
غرض بھول چوک تقاضائے بشریت ہے اور یہی علامہ ابن قیم کا مقصد ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی یہ حدیث نہ صرف کتاب اللہ کی مخالف نہیں بلکہ اس کے موافق ہے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب اللہ سے تین طور پر منطبق ہے۔

۱۔ یا تو یہ عام کی تخصیص ہے۔

۲۔ یہ اجمال کا بیان ہے۔

۳۔ یہ بیان ہے سیاق وتعلیل وتنبیہ کا۔

اور یہی صورت زیادہ صحیح ہے۔ پس یہ کتاب اللہ کے موافق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔ اپنے حکم کے اعتبار سے یہ غلط ہے، معاذ اللہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا فیصلہ صادر فرمائیں جو کتاب اللہ کے خلاف اور منافی ہو۔ یا اس سے معارض ہو؟

امام احمد رحمۃ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ وہ تبسم کناں فرمایا کرتے تھے۔

"کتاب اللہ میں تین طلاق والی عورت کے لیے سکنیٰ اور نفقہ کا حکم کہاں ہے؟"

اور امام احمدؒ سے بھی پہلے اپنے وقت کی فقیہہ فاضلہ فاطمہ بنت قیس قول عمرؓ ماننے سے انکار کر چکی تھیں، انھوں نے فرمایا تھا۔

"میرے اور تمہارے مابین کتاب اللہ موجود ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے؛

- تم نہیں جانتے شاید اللہ کوئی صورت (رجعت کی) پیدا کر دے!" (لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالك امرا) لیکن تین طلاق کے بعد (جب نہ رجعت ممکن ہے نہ تجدید نکاح) کیا صورت پیدا ہو سکتی ہے؟ بلکہ اِذَا بلغن اجلھن فامسکوھن سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ آیات کریمہ طلاق رجعی سے متعلق ہیں۔

۴۔ ایک بودی اور ناقابل قبول تاویل

اب تیسرے طعن کو لیجئے، یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس تین طلاق کے بعد اپنے شوہر کے گھر سے محض اپنی زبان کی سختی اور درشتی کے باعث نکلیں۔

لیکن یہ تاویل کتنی بودی ہے۔

جو قانون چوتی کے صحابہ میں شامل ہو جس کے علم و فضل اور دانش و تفقہہ کا سب کو اعتراف ہو، جو مہاجرین اولین کے گروہ میں شامل ہو، جو دین اور تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز اور یگانہ ہو، وہ اتنی تیز زبان ہو سکتی ہے کہ اس کی تیز زبان اسے اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دے؟ اور اس کا وہ حق سوخت ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے؟

پھر کتنی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیز زبانی پر انھیں کبھی نہیں ٹوکا، نہ ان سے یہ فرمایا کہ خدا سے ڈرو، اور اپنی زبان قابو میں رکھو اور اپنے شوہر کے قرابت داروں اور عزیزوں کو اپنی زبان سے تکلیف نہ پہنچاؤ، اور اپنے گھر میں ٹھہری رہو۔ اور اس سب کے بجائے آپؐ نے یہ کیسے فرما دیا کہ:

"تمہیں اپنے شوہر سے نہ نفقہ لینے کا حق ہے نہ سکنیٰ کا مطالبہ کرنے کا، کیونکہ سکنیٰ اور نفقہ اس عورت کا حق ہے جس کے شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہو۔

۴۔ کیا فاطمہ بنت قیس کی حدیث اور روایت عمرؓ میں تعارض ہے

اب چوتھے طعن پر ہم بحث و گفتگو کریں گے، یعنی، فاطمہ بنت قیس کی حدیث، اور حضرت عمرؓ کی روایت میں تعارض کا مسئلہ!.. یہ تعارض دو صورتوں سے نمودار ہو سکتا ہے۔

ایک حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کو ترک نہیں کر سکتے۔

دوسرا حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ تین طلاق والی عورت کو سکنیٰ اور نفقہ کا حق حاصل ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کلام باطل کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ ——— کبھی بھی نہیں!

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

اس قول کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف صحیح نہیں ہے۔"

ابوالحسن دارقطنی کا قول ہے۔

"قطعی طور پر سنت رسولؐ فاطمہ بنت قیس کے ہاتھ میں ہے!"

حضرت عمرؓ کے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں تھی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ تین طلاق والی عورت بھی نفقہ اور سکنیٰ کی حق دار ہے، حضرت عمرؓ خدا سے ڈرنے والے اور تبلیغ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حریص تھے، وہ کس طرح اس حدیث صحیح سے انکار کر سکتے تھے۔

رہی حضرت عمرؓ سے ابراہیم کی یہ روایت کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ وہ فاطمہ سے کہہ رہے تھے کہ سکنیٰ اور نفقہ ان کا حق ہے، یہ عمر رضی اللہ عنہ پر کذب صریح ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کذب صریح ہے۔ اور کسی انسان کے لیے یہ ہرگز زیبا اور مناسب نہیں ہے کہ تعصب اور انتصار مذاہب وغیرہ کے جوش اور حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صریحہ وصحیحہ کے مقابلہ میں کذب خالص اور دروغ محض سے کام لینے کی جرأت کرے۔

اور اگر حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ جھوٹ سچ ہوتا تو حضرت فاطمہ بنت قیس کی زبان گونگی ہو جاتی نہ وہ مناظرے کے لیے بلائی جاتیں۔ نہ ان کی کوئی بات سنتا اور نہ اس دعوے کی ضرورت تھی کہ وہ اپنی تیز زبانی کے باعث شوہر کے گھر سے نکلنے پر مجبور ہوتیں۔

ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔

تین طلاق والی عورت کے نفقہ اور سکنیٰ کی حدیث ائمہ حدیث مصنفین سنن، و احکام اور منتصرین سنت نبویہ کی نظر سے کیوں پوشیدہ رہی؟

ایک راوی حدیث پر جرح

اس حدیث کے اصل راوی ابراہیم ہیں جو حضرت عمرؓ کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئے۔ اس صورت میں اگر انتہائی حسن ظن سے کام لیا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ ابراہیم تک حضرت عمرؓ کا جو قول پہنچا اور جس کی انھوں نے روایت کی وہ باللفظ نہیں بلکہ بالمعنیٰ تھا اور غلط فہمی کے باعث روایت یوں کردی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق والی عورت کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم دیا تھا۔ جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لیکن جہاں تک مرد کا تعلق ہے وہ اگر صالح ہو سکتا ہے تو مفتی بھی ہو سکتا ہے، اور اس صورت میں، وہ پورے طور پر حفظ حدیث اور روایت کا تحمل نہیں کر سکتا۔

میمون بن مہران اور سعید بن المسیب کا مناظرہ

اس مسئلہ پر میمون بن مہران اور سعید بن المسیب کے مابین مناظرہ بھی ہوا۔

میمون نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی جس پر سعید نے کہا۔

"اس عورت نے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے۔"

یہ سن کر میمون گویا ہوئے :

"انھوں نے تو وہی چیز بیان کی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دیا ہے۔ اور اس کے بعد لوگ کس طرح فتنہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

تمام فقہا حدیث فاطمہؓ سے دلیل لاتے ہیں

فقہاء رحمہم اللہ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے حجت اور دلیل نہ لایا ہو۔ بعض احکام میں اس سے مالکؒ، شافعیؒ اور جمہور امت نے حجت اور دلیل قبول کی ہے، چنانچہ یہ سب سقوط نفقہ مبتوتہ کے قائل ہیں۔

اس حدیث کی بنیاد پر امام شافعی نے بیک وقت تین طلاقوں کا جواز تسلیم کیا ہے، کیونکہ فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تھا کہ :

"ابوعمر بن حفص نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں۔"

اور اسی حدیث کی بنا پر بعض لوگ یہ بھی جائز رکھتے ہیں کہ عورت مردوں پر نظر ڈال سکتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک آدمی اپنے (مسلمان) بھائی کے پیام کے باوجود کسی عورت کو نکاح کا پیام دے سکتا ہے اگر اس نے پہلا پیام نکاح قبول نہ کیا ہو۔

یہ بات بھی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی آدمی میں کوئی خامی کی بات ہو تو دوسرے کو اس سے بطور نصیحت اور مشورہ کے مطلع کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ اس کے ساتھ شادی مناسب ہے یا نہیں؟ معاملت درست ہے یا نہیں؟ سفر بہتر ہے یا نہیں؟[2] اس طرح کی باتوں کا شمار غیبت میں[1]

---

[1] اتفاقاً یا حسب ضرورت۔ [2] جیسے آپؐ نے فاطمہ بنت قیس کو نصیحت فرمائی کہ معاویہ کے پاس کوئی پونجی نہیں، ابوجہم عورتوں کو مارتا پیٹتا ہے۔ سالم بن زید زیادہ بہتر ہے اسی سے نکاح کر لو، اس میں بھلائی ہے۔

نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے یہ دلیل بھی لائی جاسکتی ہے کہ قرشیہ عورت کا نکاح غیر قرشی مرد سے جائز ہے۔[1]

یہ دلیل بھی اس حدیث سے ملتی ہے کہ زوجین میں سے اگر کوئی غیر موجود ہو تو بھی طلاق واقع ہوسکتی ہے۔[2] اس کے لیے موجودگی اور مواجہت شرط نہیں ہے۔

صدق حدیث اور برکت روایت کا نتیجہ

یہ تمام احکام جو اوپر مذکور ہوئے نتیجہ ہیں اسی صدق حدیث اور اس کی برکت روایت کا اس حدیث سے امت نے احکام و مسائل کا استنباط کیا، اور ان پر عمل کیا۔ پھر یہ کیا بات ہوئی، کہ ان احکام مستنبط میں سے ایک حکم کو رد کردیا جائے۔ باقی قبول کرلیے جائیں۔ اگر یہ بات مانی جاتی ہے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا تو پھر ان کی کوئی روایت کردہ کوئی حدیث اور بیان کردہ کوئی حکم قبول نہیں کرنا چاہیے ــــ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس مبحث پر ابھی ایک بہت بڑا اعتراض باقی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم

ظاہر ہے یہ آیت ان عورتوں کے بارے میں ہے جنھیں طلاق بائنہ مل چکی ہے۔ ان عورتوں کے بارے میں نہیں ہے جن سے رجعت کی جاسکتی ہے۔ اور یہ بات مذکورہ آیت کے آگے کے جملوں سے بالکل واضح ہے۔

ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن، وان کنت اولات حمل فانفقوا علیھن حتیٰ یضعن حملھن

اس سے معلوم ہوا کہ بائن عورت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اگر رجعیہ کا ذکر ہوتا تو نفقہ کی قید حمل کے ساتھ کیوں ہوتی؟ کیونکہ بائن نہ ہونے کی صورت میں یہ حکم عدیم التاثیر تھا۔ رجعیہ عورت تو ہر صورت میں نفقہ کی مستحق ہے۔ خواہ حاملہ ہو یا نہ ہو، اور کھلی ہوئی بات ہے کہ "اسکنوھن" میں جو ضمیر ہے اور

---

[1] فاطمہ بنت قیس قرشیہ تھیں اور سالم بن زید غیر قرشی۔

[2] بذریعہ خط، بذریعہ وکیل۔ بذریعہ پیامبر وغیرہ۔

ان کن اولات حمل فانفقوا علیھن ، میں جو ضمیر آئی ہے واحد ہے۔

آیت مذکور کے ضمائر پر بحث

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس سوال کا مورد یا تو وہ موجبین نفقۂ سکنیٰ ہیں ۔ یا صرف سکنیٰ ۔

اگر پہلی صورت ہے تو بے شک معترض نے زعم کے مطابق یہ آیت خود اس پر حجت ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرط ایجاب نفقہ یہ رکھی ہے کہ وہ حوامل (حاملہ عورتیں) ہوں ۔ لہٰذا یہ حکم ایک شرط کے ساتھ متعلق ہے ۔ انتفاء شرط کے ساتھ یہ بھی منتفی ہو جائے گا ۔ پس ثابت ہوا کہ بائن حامل (غیر حاملہ) کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے ۔

اور اگر کہا جائے کہ اس آیت سے مفہوم پر دلالت ہوتی ہے ، نہ کہ الفاظ پر ، تو جواب میں کہا جائے گا ، ایسی بات نہیں ہے ۔ یہ دلالت مفہوم نہیں ہے ، بلکہ انتفاء شرط کے باعث انتفاء حکم ہے ۔

اور یہ بھی غلط ہے کہ آیت مذکورہ میں ضمیر واحد ہے جو بائن کی تخصیص کرتی ہے ۔
آیہ مذکورہ کے ضمائر کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں ۔

ایک قسم تو یہ ہے کہ قطعی طور پر ضمیر رجعیہ سے متعلق ہو ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف

دوسری قسم یہ ہو سکتی ہے کہ ضمیر کا تعلق صرف بائن سے ہو ، یا صرف رجعیہ سے ہو ، یا دونوں سے ہو ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن ــــ وقولہ ــــ واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم

تو اتحاد ضمائر کے باعث اس کا حمل و اطلاق رجعیہ ہی پر ہوگا ۔ اور اگر یہ نہ مانا جائے تو اختلاف ضمائر لازم آئے گا ۔ اور یہ خلاف اصل ہے ۔ لہٰذا اصل اولیٰ ہی پر حمل کا اطلاق درست ہے ۔

نفقۂ رجعیہ کے لیے حمل کی تخصیص

اور اگر یہ کہا جائے کہ نفقۂ رجعیہ کے لیے حاملہ ہونے کی تخصیص کیوں ضروری تھی ؟

جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ غیر حاملہ رجعیہ کے لیے نفقہ نہیں ہے ، اہل

بات یہ ہے کہ رجعیہ کی دو قسمیں ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔

ایک رجعیہ تو وہ ہے جو حاملہ نہ ہو۔ اس کا نفقہ عقد زوجیت کے باعث ہے کیونکہ ابھی تک وہ رشتہ ازدواج سے وابستہ ہے۔

ایک رجعیہ وہ ہے جو حاملہ ہو، اس کا نفقہ اس آیت کے مطابق ہے" الی ان تضع حملھا" پس وضع حمل کے بعد کا نفقہ نفقہ قریب ہے نہ کہ نفقہ زوج، کیونکہ اس کی حیثیت وضع حمل سے پہلے کچھ اور تھی بعد میں کچھ اور ہوگئی۔ شوہر پر نفقہ اس وقت تک واجب تھا جب تک وہ حاملہ تھی، جب وضع حمل ہوگیا تو اس کا نفقہ اس پر واجب ہوگیا، جس پر نفقہ طفل واجب ہے، اور یہ صورت حالت حمل کی حالت سے مختلف ہے۔ پس اس کا نفقہ ایک حکم ہے۔ دوسرے حکم میں منتقل ہوگیا، لہٰذا فائدہ تقیید و اشتراط واضح ہوگیا۔ اور اپنے کلام کا مطلب اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

وجوبِ نفقۂ اقارب

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں

قرابت داروں کو ترجیح ابوداؤد نے اپنی سنن میں کلیب بن منقعہ سے روایت کی ہے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

یارسول اللہ میں کس کے ساتھ زیادہ بھلائی، اور سلوک کروں۔

آپ نے فرمایا،

اپنی ماں کے ساتھ، باپ کے ساتھ، بہن کے ساتھ، بھائی کے ساتھ، اور خادم کے ساتھ یہ حق واجب اور رحم موصول ہے۔

نسائی نے طارق المحارسے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں۔ میں مدینہ آیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر سر منبر خطبہ دے رہے ہیں آپ نے فرمایا، !

" دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے (بھلائی اور حسن سلوک کا) آغاز اپنی ماں، باپ، بہن اور بھائی سے کرو، پھر قریب عزیز سے، پھر اس سے قریب عزیز سے! "

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کیا۔

" یارسول اللہ لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ "

آپ نے فرمایا تیری ماں، ! "

اس شخص نے سوال کیا، اور اس کے بعد ؟ "

آپؐ نے ارشاد فرمایا "تیری ماں"!"

وہ کہنے لگا "یا رسول اللہ اس کے بعد؟"

آپؐ نے فرمایا، "تیری ماں"!"

اس نے دریافت کیا "پھر اس کے بعد؟"

آپؐ نے جواب دیا، "پھر اپنے باپ کے ساتھ ــــ پھر قریب عزیز سے ، اس کے بعد قریب عزیز سے"!"

ترمذی میں معاویہ القشیری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں،

میں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ سزاوار کون ہے؟"

آپؐ نے جواب دیا، "تیری ماں"!"

قیشری نے پھر سوال کیا، "اور اس کے بعد؟"

آپؐ نے فرمایا: "تیری ماں"!"

قیشری نے پھر پوچھا، "اور اس کے بعد؟"

جواب میں آپؐ نے فرمایا "تیری ماں"!"

قیشری نے پھر دریافت کیا، "بعد ازاں؟"

آپؐ نے جواب دیا "تمہارا باپ، اس کے بعد قریب کے عزیز، اور قریب کے عزیز"!"

نسائی نے جابر بن عبداللہؓ کی حدیث روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے آپ سے آغاز کرو، اور اپنے نفس پر صدقہ کرو، پھر اگر کچھ بچ رہے تو اپنے اہل وعیال پر، اس سے بچ رہے تو قرابت داروں پر، اور اگر قرابت داروں سے بھی بچ جائے تو اس اس طرح"!"

ارشادات نبویؐ تفسیر ہیں کلام ربانی کی

یہ تمام ارشادات نبویؐ تفسیر ہیں قول خدائے عزوجل کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

"واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربیٰ"

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وآت ذا القربیٰ حقہ ....

وآت ذالقربی حقہ (قرابت داروں کو ان کا حق دو)!"

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ذوی القربیٰ (قرابت داروں) کا حق والدین کے حق کے فوراً بعد رکھا ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ بدرجہ ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے،

ان لذی القربی حقاً علی قرابتہ

اسی طرح خدا نے حکم دیا ہے کہ قرابت داروں کو (بشرط استطاعت) ان کا حق دیا جائے پھر اگر یہ حق نفقہ نہیں ہے تو ہم نہیں جانتے وہ کون سا حق ہے جس کا حکم خدائے تعالیٰ فرما رہا ہے؛

قرابت داروں کے ساتھ احسان کا حکم

اللہ تعالیٰ نے ذوی قربیٰ کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے، پھر اس سے بڑھ کر برائی کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص اسے بھوک سے مرتے دیکھے، یا تن سے ننگا دیکھے، اور وہ اس پر قادر ہو کہ اس کی بھوک رفع کر سکے، اس کی عریانی کا تدارک کر سکے، پھر بھی نہ اسے ایک لقمہ کھانا کھلائے، نہ ستر پوشی کے لیے کپڑا دے۔

ذوی القربیٰ اور قرآن مجید

ذوی القربیٰ کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسن سلوک کا حکم اور تائید کتاب اللہ کے بالکل مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،!

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف، لاتکلف نفس الا وسعھا، لا تضار والدۃ بولدھا، ولامولود لہ بولدہ وعلی الوارث مثل ذالک

حضرت عمر رضؓ کے احکام وقضایا

اس آیہ کریمہ کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وارث پر وہی واجب کیا ہے جو مولود لہ پر واجب کیا ہے، اور اسی حکم کے مطابق امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے حکم نافذ کیا ہے۔

سفیان بن عیینہ ابن جریج سے روایت کرتے ہیں وہ عمرو بن شعیب سے، وہ سعید بن المسیبؓ

سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بات پر سزائے قید دے دی تھی ۔!،

ابن ابی شیبہ ابو خالد الاحمر سے، وہ حجاج سے، وہ عمرو سے، وہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یتیم کا ولی حضرت عمر بن الخطاب کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا،

"اس یتیم کو نفقہ دیا کر!!"

پھر فرمایا، بعید ترین رشتہ سے بھی اس کے رشتہ دار مجھے مل جاتے تو میں ان پر اس کا نفقہ واجب کر دیتا،!!

اسی طرح کا حکم زید بن ثابت کا بھی ثابت ہے، ابن ابی شیبہ کہتے ہیں، کہ ہم سے حمید بن عبدالرحمان نے انھوں نے حسن سے، انھوں نے مطرف سے، انھوں نے اسماعیل سے، انھوں نے حسن سے انھوں نے زید بن ثابت سے روایت کی کہ اگر ماں اور چچا ہوں، تو ماں پر اس کی میراث کے بقدر، اور چچا پر اس کی میراث کے بقدر واجب ہوگا، صحابہ میں سے کسی کا بھی اس فیصلے سے اختلاف ثابت نہیں ہے،

حسن کہتے ہیں وارث پر بھی اسی طرح کا نفقہ واجب ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں وارث پر بھی نفقہ واجب ہے، اگر وہ غریب ہو تو اسے اتنا دینا چاہیے کہ مستغنی ہو جائے،

جمہور سلف نے آیہ کریمہ کی یہی تفسیر کی ہے، مثلاً قتادہ، مجاہد، ضحاک، زید بن اسلم شریح القاضی، قبیصہ بن ـــــ ، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، ابراہیم نخعی، شعبی، اصحاب ابن مسعود اور ان کے لوگوں کے بعد، سفیان الثوری، عبدالرزاق، ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، اور ان کے بعد، امام احمد، اسحاق اور داؤد، رحمہم اللہ

فقہاء اسلام کے اختلافی اقوال متعددہ

اس مسئلہ میں فقہا کے متعدد اختلافی اقوال ہیں، :

ـــ : ایک قول یہ ہے کہ کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے اقارب میں سے کسی کو نفقہ دے، کیونکہ یہ صرف عنایت اور احسان ہے،

اس مذہب کی نسبت شعبی کی طرف کی جاتی ہے،

عبد بن حمید الکشی کہتے ہیں ہم سے قبیصہ نے انھوں نے سفیان ثوری سے، انھوں نے اشعث سے، انھوں نے شعبی سے روایت کی کہ شعبی کہتے ہیں میں نے کسی کو بھی کسی دوسرے کو نفقہ دینے کے لیے مجبور کرتے نہیں دیکھا،

اس مسلک کے اثبات میں یہ شعبی کا یہ کلام محل نظر ہے،

شعبی کا مقصد یہ تھا کہ وہ چاہتے تھے۔ کہ غنی اور مالدار لوگ بجائے اس کے کہ اجبار حاکم سے ڈر کر غریب رشتہ دار کی دستگیری کریں، خود ہی خدا سے ڈر کر اپنا یہ فرض انجام دے لیا کریں۔

۲:- دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی باپ کا، اور ماں (جس کے پیٹ سے وہ پیدا ہوا ہو) کا نفقہ ادا کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، والدین اپنی اولاد سے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اپنا نفقہ جبراً حاصل کر سکتے ہیں، بشرطیکہ واقعی وہ حاجت مند اور مفلوک الحال ہوں،

نفقۂ اولاد

اب رہا نفقۂ اولاد، تو آدمی کو اپنے بیٹے کا نفقہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائیگا جب تک وہ بلوغ کو نہ پہنچ جائے، اسی طرح وہ بیٹی کا نفقہ ادا کرنے پر بھی مجبور ہے جب تک اس کی شادی نہ ہو جائے البتہ پوتے اور پوتی کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ماں اولاد کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں

ماں بیٹے اور بیٹی کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کی جا سکتی، اگرچہ وہ دونوں حد درجہ حاجتمند کیوں نہ ہوں، اور ماں حد درجہ دولت مند کیوں نہ ہو۔

کسی شخص کو اس پر بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ پوتے دادا، نانا، بھائی، بہن، چچا، چچی خالو، خالہ، کو نفقہ ادا کرے، غرض کوئی شخص کسی بھی عزیز اور رشتہ دار کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ سوا ان قرابت داروں کے جن کا ذکر اوپر کی سطروں میں ہو چکا ہے۔

والدین کو نفقہ دینا ہر حالت میں واجب ہے

(والدین وغیرہ) کو نفقہ دینا ہر حالت میں واجب ہے۔ خواہ دین و مذہب میں اتفاق ہو یا اختلاف، — یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ حالانکہ یہ مذہب نفقہ کے سلسلہ میں بہت تنگ واقع ہوا ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نفقہ بصورت عمودی نسب واجب ہے، نیز اتحاد دین و مذہب بھی ضروری ہے، علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ جس سے نفقہ طلب کیا جائے وہ ادا کرنے کی قدرت اور طاقت رکھتا ہو، اور جسے نفقہ دلوایا جائے، وہ کمانے سے مجبور رہو، مثلاً صغرسنی کے باعث یا جنون کے باعث، خواہ عمود اسفل ہو یا اعلیٰ[1]

ذی رحم کا ذی رحم پر نفقہ واجب ہے

منفق علیہ (جسے نفقہ دیا جائے) عجز عن الکسب (کما نہ سکنے) کے اشتراط کے بارے میں یہ ہے کہ اگر اولاد تندرست ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور یہ مذہب، مذہب مالک رحمۃ اللہ سے زیادہ وسیع ہے۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ہر ذی رحم کا ذی رحم[2] پر نفقہ واجب، خواہ وہ اولاد در اولاد ہو یا آباؤ اجداد، ان سب کا نفقہ واجب ہے، خواہ دین و مذہب میں اتحاد ہو یا اختلاف، مذکورہ بالا قرابت داروں کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے وجوب نفقہ کے لیے اتحاد دین و مذہب ضروری اور لازمی ہے، مثلاً کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے کافر ذی رحم کو نفقہ دے۔

علاوہ ازیں نفقہ اس صورت میں واجب ہے کہ منفق (نفقہ دینے والا) نفقہ ادا کرنے کی حیثیت اور استطاعت رکھتا ہو، اور منفق علیہ (جسے نفقہ دیا جائے) واقعی ضرورت مند ہو، مثلاً اگر وہ کم سن ہے تو اس کا فقر معتبر ہے اور اگر مسن ہے، اور اگر وہ عورت ہے تو اس کا فقر معتبر مانا جائے گا، اور اگر مرد ہے تو اگر وہ بینا اور تندرست ہے تو اسے نفقہ نہیں دلایا جائے گا —— یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے جو مذہب شافعی سے زیادہ وسیع ہے۔

۵۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اگر قرابت دار کے از عمود النسب ہے تو اس کا نفقہ مطلق طور پر

---

[1] عمود اعلیٰ سے مراد ماں باپ وغیرہ ہیں، اور عمود اسفل سے مراد، لڑکا لڑکی وغیرہ ہیں۔

[2] ذی رحم، یعنی یک جدی عزیز۔

پر واجب ہے بشرطیکہ منفق اور منفق علیہ کے مابین توارث ہو ۔۔۔ یہ امام احمد کا مذہب ہے جو مذہب ابو حنیفہ رحمۃ سے زیادہ وسیع ہے، اگرچہ دوسرے اعتبار سے امام ابو حنیفہ کا مذہب زیادہ وسیع ہے، اس لیے کہ وہ ذوی الارحام کو نفقہ دلاتا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔

قواعد شرع اور اصول صلہ رحم

اور اس لیے صحیح ہے کہ قواعد شرع اور اصول صلہ رحم سے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے بالکل مطابق ہے نیز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔

اس سلسلہ میں امیر المومنین عمر بن الخطاب کا واقعہ گزر چکا ہے کہ ایک لڑکے کے عصبات کو اس لیے قید کرنے پر تیار ہو گئے تھے کہ وہ اسے نفقہ نہیں دے رہے تھے، یہ لوگ اس لڑکے کے بنو عم تھے، اور انہیں حضرت عمر نے حکم دیا کہ نفقہ دیں۔

اسی طرح زید بن ثابت کا فیصلہ بھی گزر چکا ہے کہ اگر چچا اور ماں ہوں، تو چچا پر بقدر میراث اور ماں پر اس کی میراث کے بقدر نفقہ واجب ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے خلاف صحابہ میں سے کسی نے آواز نہیں اٹھائی

جمہور سلف کا مسلک

جمہور سلف کا مسلک بھی یہی ہے، جس کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے، :

وآت ذی القربیٰ حقہ "(قرابت داروں کو ان کا حق دو!)"

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ (والدین پر احسان کرو ۔ رقرابت داروں پر)

نسب کے اعتبار سے ترتیب

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اقارب کو عطیہ دینا واجب قرار دیا ہے اور نسب کے اعتبار سے اس کی ترتیب بھی بیان فرما دی ہے، یعنی بہن، بھائی، پھر قریبی رشتے دار، پھر ان سے قریب رشتہ دار کو نفقہ دینا حق واجب ۔ اور رحم موصول ہے ۔

صلہ اور سلوک نہیں وجوب

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں مراد صلہ اور سلوک ہے نہ کہ وجوب تو یہ بات بالکل غلط اور ناقابل قبول ہو گی، کیونکہ اللہ تعالٰے نے اس کی ادائی کا حکم دیا ہے، اور اسے حق سے تعبیر فرمایا ہے،

نفقۂ اقارب "حق" ہے

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے "حق" اور "واجب" قرار دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی اور بہن کا حق باپ اور ماں کے ساتھ رکھا ہے، فرمایا ہے :

"تیری ماں، اور تیرا باپ، اور تیری بہن اور تیرا بھائی، اور پھر تیرا قریبی عزیز، اور قریبی عزیز، !"

غرض صلہ اور بر والدین کسی شرط کے ساتھ موقوف نہیں ہے، ——— نہ شرعاً نہ لغتہً، نہ عرفاً ——— !

مسائلِ رضاعت

کسی عورت کا دودھ پی لینے سے کونسے رشتے حرام ہو جاتے ہیں کون حلال رہتے ہیں؟

بنت حمزہ رضؓ کا واقعہ | صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ : رضاعت بھی ان رشتوں کو حرام کر دیتی ہے جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

بخاری اور مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حمزہ رضؓ کی صاحبزادی سے شادی کر لینے کو کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا :

" وہ میرے لیے حلال نہیں ہے، کیونکہ رضاعی رشتہ سے میرے بھائی کی بیٹی ہے، اور رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔"

علاوہ ازیں بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث مروی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا۔

ابو القعیس کے بھائی افلح کو اپنے سامنے آنے کی اجازت دے دو، کیونکہ وہ تمہارے چچا (رضاعی رشتہ سے) ہیں!

ابو القعیس کی بیوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دودھ پلایا تھا۔

اسی طرح حضرت ابن عباس کا جواب ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا۔

" ایک شخص کی دو باندیاں ہیں۔ ایک باندی نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا۔ دوسری نے کسی لڑکے کو کیا اب اس لڑکے کی شادی اسی لڑکی سے ہو سکتی ہے ؟

ابن عباس رضؓ نے جواب دیا "نہیں لقاح (مادۂ منویہ) واحد ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"دو ایک مرتبہ اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے رشتے حرام نہیں ہوتے۔"

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سوال کیا۔

"یا رسول اللہ کیا رضعت واحد (ایک مرتبہ کسی عورت کا دودھ پی لینا) سے بھی رشتے حرام ہوجاتے ہیں؟"

آپؐ نے جواب دیا، "نہیں!"

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت

سنن دارقطنی میں باسناد صحیح حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

"رضاعت وہ ہے جو دو۲ سال ہو!"

سنن ابوداؤد میں حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ:

"رضاعت سے رشتے اس وقت تک حرام نہیں ہوتے جب تک (بچہ نے جو دودھ پیا ہو، اس کے اثر سے) گوشت نہ پیدا ہونے لگے، اور ہڈی نہ بڑھنے لگے۔"

سہیلہ بنت سہیل کا ماجرا

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ سہیلہ بنت سہیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض گزار ہوئیں۔

میں ابوحذیفہ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھتی ہوں۔ جب سالم میرے گھر میں آتا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے دودھ پلادو، پھر وہ تم پر حرام ہوجائے گا!"

وہ کہنے لگیں، لیکن وہ تو ہٹا کٹا جوان ہے اسے کس طرح دودھ پلاسکتی ہوں؟

آپؐ نے تبسم فرمایا، اور جواب دیا "ہاں میں جانتا ہوں!"

ام المومنین سلمہؓ کی روایت

ابوداؤد نے اپنی سنن میں، زہری کی حدیث درج کی ہے، جو

انھوں نے عروہ سے ، انھوں نے عائشہ سے ، انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ ، بن عبد شمس نے سالم کو متبنّیٰ بنالیا تھا ، اور ان کا نکاح اپنی بھتیجی ہند سے کردیا تھا ، جو ولید بن عتبہ کی بیٹی تھیں۔

جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جو شخص کسی کو متبنّیٰ بنالیتا تھا وہ اس کی میراث کا وارث ہوتا تھا ، اور لوگ اسے اس کا بیٹا تسلیم کرلیتے تھے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں واضح حکم نازل فرمایا ؛ ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا آبائھم فاخوانکم فی الدین ومو الیکم فردوا الیٰ آبائھم [1] کہ سہلہ بنت سہیل بن عمرو القرشی ثم العامری آئیں ، یہ ابوحذیفہ کی بیوی تھیں ۔ انھوں نے رسالت مآبؐ سے عرض کیا :

" یا رسول اللہ ہم سالم کو اس وقت سے دیکھتے چلے آرہے ہیں جب وہ بچہ تھا ، وہ میرے اور ابوحذیفہؓ کے ساتھ (مدتوں) ایک گھر میں رہا۔

اور اب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوچکا ہے ۔ پھر اب آپؐ کیا ارشاد فرماتے ہیں ؟

آپؐ نے فرمایا ، " اسے اپنا دودھ پلادو !"

سہلہ نے انھیں پانچ گھونٹ دودھ پلادیا ۔ اور اب سالم ان کے لیے رضاعت کے باعث بمنزلہ ولد ہوگئے ۔

ام سلمہ اور دوسری ازواج مطہرہ کا انکار

لیکن ام سلمہؓ اور دوسری تمام ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے ماننے سے انکار کیا ہے ، وہ کہتی ہیں کسی بڑی عمر والے کو اپنا دودھ پلاکر رضاعی بیٹا نہیں بنایا جاسکتا ۔ رضاعت تو صرف گود والے بچہ کی ہوتی ہے ۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ حکم سالم کے لیے خاص ہو ۔ اگر یہ صورت ہے ، تو دوسرے لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔

---

[1] یعنی منہ بولا بیٹا بنالینے کی تو آیہ مذکورہ کے بعد کوئی اصل نہیں رہ گئی ، لیکن رضاعت کے رشتہ سے ، ماں اور بیٹے کا رشتہ قائم ہوگیا ، اور یہ رشتہ از روئے شرع اتنا ہی محکم اور مستحکم ہے جتنا خود عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والے لڑکے کا ہوتا ہے ۔

اس سنت ثابتہ سے احکام مستنبطہ عدیدہ

اس سنت ثابتہ سے متعدد احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں بعض نزاعی ہیں۔

● پہلا حکم جو اس سے مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔ یہ حکم امت کے مابین متفق علیہ ہے، حتیٰ کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نص پر زیادتی نسخ ہے۔ اور قرآن کا کوئی حکم سنت سے منسوخ نہیں ہوسکتا۔ وہ بھی اس حکم کو قبول کرنے پر اپنے تئیں مجبور پاتے ہیں۔ حالانکہ یہ حکم قرآن پر بہرحال ایک اضافہ ہے۔ چاہے اسے نسخ کا نام دیا جائے یا کچھ اور۔

اسی طرح وہ لوگ جو سنت سے نسخ حکم قرآن کے قائل نہیں۔ یہ ماننے پر بھی مجبور ہیں کہ بیوی کی موجودگی میں نہ اس کی (عمۃ) چچی سے شادی کی جاسکتی ہے نہ خالہ سے، حالانکہ یہ بھی نص قرآن پر زیادتی ہے۔

تحریم غیر مرتضع کی طرف متعدی نہیں ہوتی

لیکن یہ تحریم غیر مرتضع (یعنی غیر رضاعی) شخص کی طرف متعدی نہیں ہوتی، خواہ وہ بھائی اور بہن کے درجہ میں کیوں نہ ہو۔ مثلاً، بھائی اس عورت سے شادی کرسکتا ہے جس نے اس کے بھائی کو دودھ پلایا ہو۔

ازروئے نسب اور ازروئے صہر رشتے

شیخ الاسلام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سات رشتے ازروئے نسب اور سات رشتے ازروئے صہر (سسرالی تعلق) حرام کیے ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ اور معلوم ہے کہ تحریم رضاعت، صہر نہیں قرار دی جاسکتی، رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو ولادت سے ——— اور ایک روایت کے الفاظ ہیں ——— نسب سے حرام ہوتے ہیں۔"

لیکن آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو مصاہرت سے

حرام ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں تحریم صہر کا ذکر فرمایا ہے، رضاعت کا ذکر نہیں کیا۔ نہ بہ سلسلۂ رضاعت تحریم جمع کا ذکر فرمایا، جیساکہ نسب کے ذکر میں فرمایا ہے۔ صہر تو درحقیقت قسیم نسب ہے۔ اور اس کی برادری میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهراً۔

اس سے ثابت ہوا کہ لوگوں کے مابین جو علاقہ ہے وہ نسب اور صہر کا ہے، اور یہی دونوں چیزیں (نسب اور صہر) سبب تحریم ہیں۔ رہی رضاعت وہ نسب کی نوع ہے۔ اور مصاہرت کا بندھن صرف انساب کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں سے بیک وقت شادی کرکے اور بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی چچی۔ بہن، اور خالہ سے شادی کرنے کو حرام قرار دیا ہے تاکہ رحم محرم کے قطع کرنے کا سبب نہ بن سکے۔ اور معلوم ہے کہ ازروئے رضاعت دو بہنوں کے مابین رحم محرم کا رشتہ نہیں ہے۔ چنانچہ وراثت اور نفقہ بھی نہیں ہے۔

ایک اہم فقہی نکتہ پس جب ایک شخص پر اس کی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ ازروئے رضاعت حرام ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس پر اس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس نے اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہو، کیونکہ ان دونوں کے مابین نہ نسب کا رشتہ ہے نہ مصاہرت کا، نہ رضاعت کا۔

رضاعت مثل نسب کے ہے لیکن ہر حکم میں نہیں گو ایک اعتبار سے رضاعت مثل نسب کے ہے لیکن ہر حکم میں وہ نسب کے مانند نہیں ہے۔ بلکہ اگر نگاہ غور وتعمق سے دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا۔ یہ دونوں (نسب اور رضاعت) کا احکام میں اتنا اجتماع نہیں ہے جتنا افتراق۔

عبداللہ بن جعفر کی مثال چنانچہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ دو عورتیں جو ازروئے مصاہرت محرم ایک شوہر کے حبالۂ عقد میں جمع نہیں ہوسکتیں، رضاعت کے باوجود ایک شوہر کی بیوی بن سکتی ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر کی مثال موجود ہے کہ انھوں نے ایسا کیا، کیونکہ سبب تحریم خود ان کے مابین ہے نہ کہ ان کے اور ایک اجنبی کے مابین جس کا کوئی رضاعی رشتہ ان دونوں سے نہیں ہے۔ نہ صہر کا رشتہ ہے، ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ کا

مذہب یہی ہے، امام احمد نے اس واقعہ سے حجت کرتے ہوئے کہا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے ایسا کیا۔ اور ان پر کوئی معترض نہیں ہوا۔

ابن شبرمہ کہتے ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں۔

جابر بن زید قطع مروت کے باعث اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔

تحریم کے بارے میں فرمان خداوندی

اور جہاں تک عدم تحریم کا تعلق ہے وہ خدائے عزوجل کے قول سے ثابت ہے۔

واحل لکم ما وراء ذلکم (جن عورتوں سے شادی قرآن نے حرام کردی ہے ان کے علاوہ دوسری عورتیں حلال ہیں۔)

یہ بخاری کا کلام ہے۔

تحریم وحرمت اور محرمیت کا فرق

پس احکام نسب کا ثبوت اگر ایک اعتبار سے بربنائے رضاعت موجود ہے تو دوسرے اعتبارات سے وہ مستلزم نہیں ہے۔ مثلاً ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لیجئے۔ یہ صرف تحریم وحرمت کے اعتبار سے مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ لیکن محرمیت کے اعتبار سے نہیں۔ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان سے شادی کرسکے، یا ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود امہات المومنین کو ان لوگوں سے پردے کا حکم دیا ہے، جن سے ان کا نکاح جائز نہیں ہے۔ پردے سے مستثنیٰ صرف قریبی رشتے دار ہیں، یا وہ جن کے مابین رضاعت قائم ہوچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذا سئلتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب!

لیکن یہ حکم ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب تک متعدی نہیں ہے، ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی ایسی بہنیں نہیں، ہیں، جن پر نکاح ناجائز ہو۔ نہ ان کے بیٹے مسلمانوں کے ایسے بھائی ہیں کہ ان سے ان کی لڑکیاں نہ بیاہی جاسکیں۔ نہ ان ازواج نبیؐ کی بہنیں اور بھائی، مسلمانوں کے لیے خالہ اور خالو کے حکم میں ہیں۔ بلکہ یہ سب مسلمانوں کے لیے حلال ہیں، اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

ام المومنین میمونہ رضؓ کی بہن ام الفضل

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ام المومنین حضرت میمونہؓ کی بہن ام الفضل کی شادی حضرت عباس سے ہوئی جعفر

عائشہ رضی کی بہن اسماء کی شادی حضرت زبیر سے ہوئی۔ ام عائشہ رضی کی شادی ابوبکر رضی سے ہوئی، ام حفصہ رضی کی شادی عمر رضی سے ہوئی، حالانکہ کوئی شخص اپنی ام کی ام سے شادی نہیں کرسکتا۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر اور ان کے بھائیوں کی شادیاں ابوبکر رضی اور ابوسفیان کی لڑکیوں سے ہوئیں اگرچہ رضاعی رشتہ سے یہ ان کے اخوال (ماموں) ہوتے تھے۔ اور ماموں کے لیے یہ شادیاں قطعاً جائز نہیں ہے۔

حرمت اقارب کی طرف منتشر نہیں ہوتی

اس سے ثابت یہ ہوا کہ حرمت امہات المومنین سے ان کے اقارب کی طرف منتشر نہیں ہوئی اور اس پر محرمات کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔

وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم

اور ظاہر ہے جب مطلق طور پر لفظ "ابن" بولا جاتا ہے تو اس سے مراد رضاعی بیٹا نہیں ہوتا ورنہ "صلبی بیٹے" کی قید نہ بڑھائی جاتی، بے شک اس آیت نے جسے خارج کیا ہے وہ منہ بولا بیٹا ہے۔ لیکن اس کا اطلاق رضاعی بیٹے پر بھی ہوتا ہے۔

جو رشتے نسب سے حرام ہیں، رضاعت سے بھی حرام ہیں

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جو رشتے ازروئے نسب حرام ہیں وہ ازروئے رضاعت بھی حرام ہیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو رشتے ازروئے نسب حرام ہیں، ویسے ہی رشتے رضاعت سے بھی حرام ہوں گے۔ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جو رشتے ازروئے جمع و مصاہرت حرام ہیں ویسے ہی رشتے ازروئے رضاعت بھی حرام ہیں بلکہ عموم قول (واحل لکم ما وراء کم) کے باوجود اس کے خلاف ہی جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی کی تحریم اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے۔

مالک بن اوس بن حدثان نضری کا واقعہ

بلکہ سلف کی ایک جماعت تو بیوی کی لڑکی سے اگر وہ اس کی پروردہ نہ ہو شادی کے جواز کا فتویٰ دیتی ہے، جیسا کہ مالک بن اوس بن حدثان نضری کے واقعہ سے واضح ہے، وہ کہتے ہیں:

"میں نے ایک عورت سے شادی کی۔ اس کے بطن سے میرا ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کے بعد وہ مرگئی پھر میری ملاقات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انھوں نے فرمایا۔

"اللہ تم پر رحم کرے کیوں پریشان ہو؟"

میں نے جواب میں عرض کیا۔

"جس عورت سے میں نے شادی کی تھی اس کا انتقال ہو گیا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا،

"کیا اس کے کوئی لڑکی بھی تھی؟"

میں نے عرض کیا "جی ہاں تھی۔"

پھر حضرت علی نے پوچھا، "کیا وہ تمہاری زیر پرورش ہے؟"

میں نے کہا "نہیں تو، وہ طائف میں ہے۔"

حضرت علی نے فرمایا "پھر اس سے نکاح کر لو۔"

میں نے عرض کیا۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:۔

وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم (تمہاری بیویوں کی پہلے شوہروں سے جو لڑکیاں ہوں، اور تمہارے زیر تربیت و پرورش ہوں تم پر حرام ہیں)

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا:

"وہ لڑکی تمہاری پرورش اور تربیت میں تو نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بے شک اس سے نکاح نا جائز تھا۔"

اس طرح کے ایک واقعہ میں حضرت عمرؓ نے بھی یہی روش اختیار کی تھی۔[2]

اہل ظاہر کا مذہب یہی ہے۔

کیا ربیبہ سے نکاح ہو سکتا ہے؟

پس اگر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ، اور جو لوگ ان کا قول مانتے ہوں، ربیبہ سے جو نسباً اس کی بیوی کی بیٹی ہے۔ نکاح جائز رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ اس کی تربیت و پرورش میں نہ ہو، تو وہ رضاعی لڑکی سے نکاح کس طرح حرام قرار دے سکتے ہیں؟

---

[1] ربیبہ اس لڑکی کو کہتے ہیں جو بیوی کے پہلے شوہر کے بطن سے ہو۔ اور جسے نیا شوہر پال پوس رہا ہو۔

[2] یہ سارے قول اپنی جگہ پر، لیکن مسئلہ یہی ہے کہ ربیبہ سے نکاح حرام ہے۔

ربیبہ سے نکاح کے متعلق قیود سہ گانہ

ربیبہ سے تحریم نکاح سے متعلق اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے تین قیود کا ذکر فرمایا ہے :

(۱) ربیبہ سوتیلے باپ کی پرورش اور تربیت میں ہو ؛

(۲) ربیبہ بیوی کے بطن سے اور پہلے شوہر کے صلب سے ہو۔

(۳) ربیبہ کی ماں کے ساتھ یہ دوسرا شوہر، یعنی ربیبہ کا سوتیلا باپ مجامعت کر چکا ہو۔

پھر بھلا محض رضاعی لڑکی ہونے کے باعث جب کہ نہ وہ اس کی پرورش اور تربیت میں ہے اور نہ از روئے لغت اس کی ربیبہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپؐ تحریم کی علت حجر زوج (شوہر کے زیر تربیت و پرورش ہونا) قرار دیتے تھے۔

تحریم "لبن فحل" سے بھی منتشر ہوتی ہے

اس سنت سے دوسرا حکم جو مستفاد ہوتا ہے کہ تحریم "لبن فحل"[1] سے بھی اسی طرح منتشر ہوتی ہے، جیسے عورت سے۔

اور یہ بالکل ٹھیک ہے، اس کے خلاف کوئی بات درست نہیں مانی جائے گی کیونکہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیروی کی زیادہ مستحق ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہر چیز ترک کر دی جائے گی۔ اسے کسی دوسرے قول کے مقابلہ میں ترک نہیں کیا جا سکتا، خواہ وہ قول کتنی ہی بڑی ہستی کا کیوں نہ ہو، اور اگر ایسے لوگوں کے اختلاف کے باعث سنت کو ترک کر دیا جائے جو نہ اس کے مغز و معنی کو سمجھتے ہیں نہ اس کی تاویل و تشریح سے واقف ہیں تو ترک سنت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کا قول واجب الاتباع ہے وہ ترک کر دیا جائے گا اور جس کا قول واجب الاتباع نہیں ہے اس کی پیروی شروع ہو جائے گی۔ یعنی معلومؐ کے قول پر غیر معلوم کے قول کو ترجیح ہو جائے گی۔ یہ بہت بڑی بلا ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

حکم ابن عتیبہ کی اپنے قول سے رجعت

اعمش کہتے ہیں کہ عمارہ اور ابراہیم اور ہمارے اصحاب لبن فحل کے باعث کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے

[1] لبن فحل، یعنی عورت کا وہ دودھ جو اس کے شوہر کے باعث عالم وجود میں آیا ہے۔

تھے ، یہاں تک کہ حکم ابن عتیبہ کو یہ خبر ابوالقعیس سے معلوم ہوئی ، تو انھوں نے فوراً اپنے قول سے رجعت کرلی - اور اہل علم کی یہی شان ہوتی ہے - جب ان کے پاس سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنے مزعومات واقوال سے رجوع کرلیتے ہیں - اور حدیث کے مقابلہ میں ہر قول ترک کردیتے ہیں -

رضاعت مرد کی جہت سے نہیں عورت کی حیثیت سے ہوتی ہے

جو لوگ "لبن فحل" کی حرمت کے قائل نہیں ہیں ، کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے تحریم رضاعت جہت ام (ماں کی طرف) سے قرار دی ہے ؛

وامھاتکم الاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ

یعنی ، تمہاری وہ مائیں تم پر حرام ہیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے - اس طرح رضاعی بہنیں بھی حرام ہیں -

" رضاعت " پر جو "لام" آیا ہے ، وہ عہد کا ہے ، اور رضاعت مذکورہ ، یعنی رضاعت ام پر دال ہے -

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

واحل لکم ما وراء ذٰلکم (یعنی محرمات کے سوا باقی عورتیں تم پر حلال ہیں -

اب اگر ہم حدیث سے تحریم کو ثابت کریں تو گویا سنت سے نسخ قرآن کا اصول ہم نے مان لیا کیونکہ نص پر زیادتی نسخ ہی ہے اور یہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں جنھوں نے امت کو سنت سے روشناس کرایا اور یہ سنت سے تحریم کے قائل نہیں ہیں -

زینبؓ بنت ام سلمہ کا واقعہ

چنانچہ ابوعلبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ سے روایت ہے کہ ان کی ماں زینب بنت ام سلمہ ام المومنین کو اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ نے دودھ پلایا تھا جن کی شادی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی تھی -

زینب کہتی ہیں زبیرؓ میرے پاس آئے - میں بیٹھی کنگھی کر رہی تھی - انھوں نے میرے سر میں سے کچھ چوٹیاں نکالنا شروع کردیئے اور کہنے لگے میری طرف متوجہ ہو ، اور کچھ باتیں کرو - میں انھیں اپنا باپ ؛ اور ان کی اولاد کو اپنا بھائی (رشتۂ رضاعت سے) گردانتی تھی - پھر عبداللہ بن زبیر نے میری لڑکی ام کلثوم

کے لیے حمزہ بن زبیر کا پیام بھیجا۔

کلبیہ کی طرف سے اس پر سوال اٹھایا :

"کیا وہ حمزہ کے لیے حلال ہوگی ، وہ تو ان کی بھانجی ہے۔

عبداللہ کا جواب یہ تھا کہ جو اولاد اسماء کے بطن سے ہے ان سے تمہارا رشتہ اخوت قائم ہے ، اور جو اسماء کے بطن سے نہیں ہے[1] وہ تمہارے بھائی نہیں ہیں۔ حتیٰ چچا ہے تو مسئلہ معلوم کر

اس زمانہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی تعداد میں موجود تھے ان سے پوچھا گیا ، تو انھوں نے جواب دیا کہ جو رضاعت مرد کی طرف سے ہو ، وہ کسی رشتہ کو حرام نہیں کرتی ۔ چنانچہ ام کلثوم کی شادی حمزہ سے ہوگئی اور اس واقعہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا کیونکہ یہ بات معلوم و معروف تھی کہ رضاعت عورت کی جہت سے ہوتی ہے نہ کہ مرد کی جانب سے۔

قرآن کے بیان کردہ دو واضح امور

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں جو تم نے واقعہ بیان کیا وہ ہرگز سنت صحیحہ سے معارض نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے عدول کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ باقی رہا قرآن تو اس نے دو باتیں وضاحت سے بیان کر دی ہیں۔

۱۔ اگر رضاعی بہن ایک ہی ماں باپ کی بیٹی ہے ۔ تو پھر وہ حرام ہے۔

۲۔ یا یہ صورت نہیں ہے ، اس صورت میں قرآن ساکت ہے پس جو تحریم از روئے سنت ثابت ہے تو وہ آحل لکم ما وراء ذلکم تخصیص کرنے والی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رضاعی بہنوں کا ذکر عموم کے ساتھ کیا ہے۔ لہٰذا جس پر بھی لفظ "اخت" (بہن) کا اطلاق ہوتا ہے ، وہ اس میں شامل ہے۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ باپ کی طرف سے رضاعی بہن ، بہن نہیں ہوتی ، اس کا ثبوت یہ ہے ، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

" افلح کو (اپنے ساتھ) آنے دو ، کیونکہ وہ تمہارے (رضاعی) چچا ہیں !"

آپؐ نے گویا عائشہؓ اور افلح کے مابین چچا کا رشتہ صرف " لبن فحل " کی بنا پر قائم کیا۔

پس جب مرتضعہ (جس نے دودھ پیا ہو) اس کے رضاعی باپ کے بھائی کے مابین چچا کا رشتہ

---

[1] حمزہ بن زبیر حضرت اسماء کے بطن سے نہیں تھے۔

قائم ہو سکتا ہے تو مرتضعہ اور رضاعی باپ کے بیٹے کے درمیان اخوت کا رشتہ بدرجۂ اولیٰ قائم ہوگا لہٰذا سنت نے کتاب (قرآن) کے ایک حکم کی وضاحت کی ہے اس کی مخالفت نہیں کی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں قرآن ساکت ہے اس کی تحریم کی وضاحت کردے، یا جس کے عموم کی وضاحت کتاب سے نہیں ہے سنت اس کی تخصیص کردے۔

ایک دعوائے باطل اور اس کی تردید

رہا تمہارا یہ قول کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تحریم کے قائل نہیں تھے تو یہ دعویٰ باطل ہے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ تحریم ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس کے بارے میں مروی ہے کہ ان سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا۔

"ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ایک نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا۔ دوسری نے ایک لڑکے کو، کیا ان دونوں کی شادی ہو سکتی ہے؟

حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا "نہیں — لقاح (مادۂ رجولیت) واحد ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کہ وہ فتویٰ دیا کرتی تھیں کہ "لبن فحل" سے حرمت منتشر ہوتی ہے۔

جہاں تک حضرت زبیرؓ کے اثر کا تعلق ہے اس سے بھی یہ ثابت ہے کہ وہ زینب کو اپنی لڑکی سمجھا کرتے تھے۔

اب لے دے کے تمہارے پاس عبداللہ بن زبیرؓ کا مذکورہ بالا واقعہ مدار دلیل رہ جاتا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ یہ ساری باتیں کہاں رونما ہوئیں؟ جن میں بہت زیادہ صحابہؓ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے حلت کا فتویٰ دیا۔ ان کا ایک کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے۔ مجہول طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

راوی نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ زینبؓ نے براہ راست صحابہ سے فتویٰ لیا تھا، بلکہ ان سے مسئلہ پچھوایا تھا۔ یہ مسئلہ کن صحابہ سے پوچھا گیا یہ نہیں معلوم۔

رہا صحابہ کی کثرت تعداد و تواتر کا مسئلہ، تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس زمانہ میں مدینۂ منورہ میں صحابہ کی زیادہ تعداد نہیں تھی۔ ان کا بڑا حصہ اور خاص طور پر اکابر صحابہ کا بڑا حصہ شام، عراق اور

مصر میں تھا۔

باقی رہا تمہارا یہ دعویٰ کہ رضاعت ماں کی طرف سے ہوتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حرمت اس دودھ کی وجہ سے ہے جو مجامعت و مباشرت کے باعث، عورت کے لپستان میں پیدا ہوتا ہے۔

کتنے رضعات کے بعد رضاعت ثابت ہوتی ہے

تیسرا حکم جو اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے کہ آیا دو ایک گھونٹ پی لینے سے رضاعت ثابت ہوگی، یا جب تک کم از کم رضعات نہ ثابت ہوں، حرمت نہیں ثابت ہو سکتی ؟

یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

سلف اور خلف کا ایک بڑا گروہ صرف رضاع سے تحریم کا قائل ہے۔ خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر چنانچہ یہ بات حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے۔ سعید بن المسیب اور حسن کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ، حکم، حماد، اوزاعی اور ثوری بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے — لیث بن سعد کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ رضاع خواہ قلیل ہو یا کثیر اس سے تحریم ثابت ہے۔

کم از کم تین گھونٹ کی شرط

ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ کم از کم تین گھونٹ کے بغیر رضاعت سے تحریم ثابت نہیں ہوگی۔ یہ ابوثور، ابن المنذر، ابوعبید۔ داؤد بن علی وغیرہ کا قول ہے۔

کم از کم پانچ گھونٹ ضروری ہیں

ایک اور گروہ ہے جو کہتا ہے کہ رضاعت سے تحریم کے لیے کم از کم پانچ گھونٹ ضروری ہیں، یہ عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن زبیر، عطاء، طاؤس کا قول ہے حضرت عائشہؓ کی تین روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ ان سے دوسری روایت ہے کہ رضاعت سے تحریم کے لیے کم از کم سات گھونٹ ضروری ہیں اور تیسری روایت دس گھونٹ کی ہے۔

پانچ گھونٹ والی روایت کی تائید، امام شافعی کے مسلک سے بھی ہوتی ہے۔ ان کا ظاہر مذہب یہی ہے، اور ابن حزم کا قول بھی یہی ہے۔

خدا نے تحریم کو اسم رضاعت کے ساتھ معلق کیا ہے

پہلے گروہوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تحریم کو اسم رضاعت کے ساتھ معلق کیا ہے۔ لہٰذا جہاں یہ کام پایا جائے گا، وہاں یہ حکم بھی موجود ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں اور یہ اطلاق قرآن کے بالکل موافق ہے۔

صحیحین میں عقبہ بن حارث سے مروی ہے کہ انھوں نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب سے شادی کی۔ اسی اثنا میں امۃ سودا آئیں اور انھوں نے کہا، "میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔"

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"یہ کیونکر؟ جب کہ تم جانتے تھے وہ تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہے؟"

لیکن آپؐ نے گھونٹوں کی تعداد نہیں دریافت فرمائی۔

لہٰذا جب رضاعت موجبِ تحریم ہے تو قلیل وکثیر کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہڈیوں اور گوشت کا پیدا ہونا جس طرح زیادہ دودھ سے ہوتا ہے کم سے بھی ہوتا ہے، دودھ کے گھونٹوں کے بارے میں اقوال کافی مضطرب ہیں۔ لیکن بہرحال یہ حقیقت ہے کہ شارع نے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں کیا ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت دربارۂ رضاعت

جو لوگ حرمت کے لیے تین گھونٹ لازمی قرار دیتے ہیں وہ دلیل یہ لاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ دو ایک گھونٹ سے حرمت نہیں ہوتی۔

امام مسلم نے صحیح میں روایت درج کی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا:

"یارسول اللہ کیا تحریم ایک گھونٹ سے بھی ہوجاتی ہے؟"

آپؐ نے فرمایا، "نہیں۔"

لہٰذا عموم آیت کے اعتبار سے تحریم کے لیے کم سے کم تین گھونٹ مقرر کرنا پڑیں گے، ویسے بھی عدد وتکرار میں تین ہی کا عدد معتبر ہے، کیونکہ مراتب جمع کا پہلا مرحلہ یہی ہے۔ اور بہت سے مواضع اور مواقع پر شارع نے اس کا لحاظ رکھا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ کی روایت دربارۂ رضاعت

جو لوگ پانچ گھونٹ کے قائل ہیں وہ حضرت عائشہ رضؓ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا :

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ، اور معاملہ اسی طرح تھا۔

اور سب سے بڑا ثبوت اور دلیل یہ ہے کہ سہیلہ بنت سہیل کے واقعہ میں آپؐ نے فرمایا تھا

" سالم کو پانچ رضعات (گھونٹ) پلادے ، تو اس پر حرام ہو جائے گی "

ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عائشہ رضؓ کا جو پایہ تھا ، اور علم و تفضل کے اعتبار سے ان کا جو درجہ تھا وہ سب پر عیاں ہے۔

اور اگر ہم تحریم کو پانچ رضعات پر معلق کر دیں ، تو یہ ان نصوص سے ذرا بھی مخالفت نہیں ہو گی جن کا تم نے ذکر کیا ہے اور جن سے تم نے استدلال کیا ہے ، کیونکہ ہم نے مطلق کی تقیید پانچ سے کر دی ہے ، اور مطلق کی تقیید بیان ہے نسخ نہیں ، نہ تخصیص ہے۔

رضاعت کے چند اور پہلو

مسئلہ رضاع کبیر اور حدیث سہلہ سے متعلق مباحث ضروریہ

رضعت کی تعریف

اور رضعت کیا ہے اور اس کی حد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ رضعت ایک فعل ہے، یعنی بچّہ کا دودھ پینا، اور یہ ایک مرتبہ ہی کافی ہے، جیسے مارنا، بیٹھنا، کھانا، جب پستان بچّہ کے منہ میں چلا گیا، اور اس نے اس سے چوس لیا، اور پھر بغیر کسی عارض کے خود سے چھوڑ دیا، یہی رضعت ہے، کیونکہ شرع نے اس کا ذکر مطلق طور پر کیا ہے، لہذا اسے عرف پر محمول کیا جائے گا، اور عرف یہی ہے۔

کسی عارض سے انقطاع رضعت غیر موثر ہے

اور رضعت کا کسی عارض سے انقطاع، مثلاً سانس لینے کے لیے، یا کروٹ بدلنے کے لیے یا کسی مرغوب چیز کی طرف چند قدم واپس چل کر آجانے کے لیے، رضعت واحدہ سے خارج نہیں کرتا۔ جیسے کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو، پھر کسی وجہ سے اٹھے اور دو ایک قدم چل کر واپس آجائے تو اسے دو مرتبہ کھانا نہیں کہیں گے، ایک ہی مرتبہ قرار دیں گے، —— امام شافعی کا مذہب یہی ہے۔

مرضعہ کی طرف سے انقطاع رضعت کا حکم

اور اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی خود یہ سلسلہ ذرا دیر کو منقطع کر کے پھر پلانا شروع کر دے تو اس سلسلہ میں دو قول ہیں،

ایک یہ کہ اسے رضعت واحدہ ہی قرار دیا جائے گا، اگرچہ مرضعہ سے کئی مرتبہ یہ سلسلہ منقطع کیوں نہ کیا ہو۔ اس لیے کہ اس معاملہ میں دودھ پینے والے کا فعل معتبر ہے، نہ کہ مرضعہ کا،

دوسرا قول یہ ہے کہ انقطاع کے بعد اعادہ، رضعت آخری (دوسری رضعت) قرار دیا جائے گا، کیونکہ رضاع مرتضع (دودھ پینے والا) اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) دونوں سے درست ہے۔

کس رضاعت سے تحریم واجب ہوتی ہے؟

چوتھا حکم یہ ہے کہ جس رضاع سے تحریم واجب ہوتی ہے عہد قبل از قطام[1] ہے۔

اس مسئلہ میں فقہا کا اختلاف ہے،

امام شافعی، امام احمد، امام محمد، امام ابو یوسف رحمہم اللہ کا قول ہے کہ عہد ارتضاع (دودھ پینے کا زمانہ) دو سال ہے، اس عمر کے بعد اگر دودھ پیا گیا تو تحریم واجب نہیں ہوگی، حضرت عمر، ابن مسعود، ابوہریرہ، ابن عباس، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا مسلک بھی یہی تھا۔

سعید بن المسیب، شعبی، اور ابن شبرمہ سے بھی یہی مروی ہے جیسا کہ سفیان ثوری، اسحاق، ابو عبید ابن حزم، ابو عبید، ابن المنذر، داؤد اور جمہور کا قول ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام زفر کی مقرر کردہ مدت

امام ابو حنیفہ اور امام زفر رحمہما اللہ نے یہ مدت تیس[۳۰] مہینے مقرر کی ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ دودھ پینے کی عمر دو سال تک ہے، اس زمانہ میں اگر دودھ پیا تحریم واجب ہوگئی، اس کے بعد پیا تو نہیں ہوئی،

اصحاب موطا نے روایت کی ہے، کہ وقت وفات تک امام مالک اس مسلک پر قائم رہے کہ دو سال کی عمر کے بعد اگر دودھ پیا جائے گا تو خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر تحریم نہیں واجب ہوگی، کیونکہ اب اس کی حیثیت پانی سے زیادہ نہیں ہے۔

حسن بن صالح اور ابن ابی ذویب، اور اہل کوفہ کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ مدت رضاع محرم دو[۲] نہیں، تین سال ہے، البتہ اس کے بعد نہیں۔

---

[1] یعنی وہ زمانہ جب بچے کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کا قول سات سال کا ہے، لیکن ان کی ایک روایت اس کے خلاف بھی ہے۔
ربیعہ کہتے ہیں کہ مدت رضاع دو سال بارہ دن ہے۔

کیا رضاع کبیر بھی سبب تحریم ہے؟

سلف و خلف کی ایک جماعت رضاع کبیر کو بھی (بڑی عمر والا جو عورت کا دودھ پیے) خواہ وہ بوڑھا کیوں نہ ہو، سبب تحریم قرار دیتی ہے، قلت اور کثرت کی کوئی قید نہیں۔
علی کرم اللہ وجہہ، عروہ بن زبیر، اور عطار بن رباح سے یہی مروی ہے، لیث بن سعد، ابو محمد بن سعد اور ابو محمد بن حزم کہتے ہیں رضاع کبیر اگرچہ وہ بوڑھا کیوں نہ ہو، اسی طرح موجب تحریم ہے جیسے رضاع صغیر، اس باب میں دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔
غرض اس مسئلہ میں لوگوں کے مذاہب و مسالک یہ ہیں جن کا ذکر ہوا۔

ارباب مسالک کے دلائل اور ان پر ایک نظر

اب مذکورہ مسالک کے ارباب و اکابر کے دلائل پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے،
جو لوگ دو سال کی مدت مقرر کرتے ہیں اور رضاع کبیر کے قائل ہیں، ان میں اصحاب دو سالہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے:

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین من اراد ان یتم الرضاعۃ

اس آیت کی رو سے خود خدا نے دودھ پینے کی مدت دو سال مقرر کر دی ہے، اور اس مدت کے بعد اگر دودھ پیا جائے گا تو اس سے تحریم کے وجوب کا ثبوت نہیں ملتا،
اس کی تائید ابن مسعودؓ کی حدیث میں بھی ہوتی ہے کہ تحریم رضاعت اس وقت جب تک اس سے گوشت اور ہڈیوں کی نشوونما ہو سکے، اور رضاع کبیر کی صورت میں گوشت اور ہڈیوں کی نشوونما خارج از بحث ہے۔

تحریم رضاع کبیر کی دلیل

جو لوگ رضاع کبیر کی تحریم کے قائل ہیں وہ دلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ پیش کرتے ہیں جو ہر طرح کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ آپ نے سہلہ بنت سہیل کو حکم دیا کہ وہ سالم ابی حذیفہ کو دودھ پلا دیں، اور یہ

سالم سن شعور کو پہنچ چکے تھے اور داڑھی مونچھ والے تھے، آپ نے فرمایا،

"سالم کو دودھ پلا دو پھر تم اس پر حرام ہو جاؤ گی ——— !"

حدیث سہلہ بنت سہیل سے استدلال

دو سال کی مدت کے جو لوگ قائل ہیں وہ حدیث سہلہ بنت سہیل کے بارے میں باہم مختلف الارا ہیں۔

ان مختلف الآرا اصحاب کے مسالک کو تین صورتوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے، !

(۱) یہ حکم منسوخ ہے

ایک مسلک تو یہ ہے کہ یہ حکم (سہلہ بنت سہیل کو جو حکم دیا گیا تھا کہ وہ سالم مولیٰ ابو حذیفہ کو دودھ پلائیں تو ان پر حرام ہو جائیں گی) منسوخ ہے۔

لیکن یہ نسخ پر کوئی دلیل یا حجت سوا دعوے کے نہیں لاتے، !

(۲) یہ حکم صرف سالم کے ساتھ مخصوص ہے

دوسرا مسلک یہ ہے کہ یہ حکم صرف سالم کے ساتھ مخصوص ہے، سالم کے علاوہ کسی اور پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

یہ مسلک ام المومنین ام سلمہ اور دوسری ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

کوئی شبہ نہیں یہ مسلک، پہلے مسلک کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، اس مسلک کے اصحاب کہتے ہیں کہ سہلہ نے سالم کے بڑے ہونے کا جو عذر پیش کیا تھا، وہ آیۂ حجاب کے نازل ہونے کے بعد کیا تھا، جس کا اقتضا یہ ہے کہ عورت اپنی زینت کی نمائش کسی غیر کے سامنے نہیں کر سکتی، سوا ان لوگوں کے جن کا ذکر مذکورہ آیت میں آیا ہے[1] اور عورت اگر کسی اجنبی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے گی، تو یہ فعل عموم آیت کے باعث ناجائز ہوگا،

پس اگر سہلہ نے اپنی زینت کا سالم کے سامنے اظہار کیا، تو یہ ایک خاص واقعہ تھا، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی بات کا حکم دیں یا اس سے منع کریں اور شریعت میں

---

[1] یعنی باپ اور شوہر وغیرہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے زینت کی نمائش جائز نہیں ہے۔

اس کا حکم معارض کوئی حکم نہ ہو تو اس حکم یا ممانعت کا اطلاق پوری امت پہ ہوگا،

لیکن اگر صورت یہ ہو کہ کسی بات کا آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا ہو یا کسی کام سے منع کیا ہو، اور پھر کسی ایک شخص کو اس امر یا نہی کے خلاف حکم دیا ہو تو یہ حکم صرف اسی شخص کے لیے خاص ہوگا، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی خاص شخص کو آپؐ نے جو حکم دیا ہے، سا ری امت کے لیے، یا کسی چیز کی اباحت آپؐ نے کسی خاص شخص کے لیے کی ہے تو اس کا اطلاق تمام مسلمانوں پہ ہوگا، کیونکہ اس کا نتیجہ حکم یا نہی اول کے ساقط ہونے کی صورت میں رونما ہوگا، لہٰذا ہم کہیں گے کہ یہ نیا حکم اس شخص کے لیے خاص ہے تاکہ نصوص میں توافق قائم رہے، اور ان میں تعارض لاحق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں غیر محرم کے لیے اظہار زینت کو حرام قرار دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سالم کی وجہ سے سہلہ کے لیے مباح کر دیا، لہٰذا اسے سالم کے لیے رخصت خاص قرار دیا جائے گا، یعنی عموم تحریم سے مخصوص استثناء، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اباحت عام ہے کیونکہ پھر اس سے آیۂ محرمہ کا ابطال لازم آئے گا، پس اگر ہم حدیث سہلہ کو رخصت خاص قرار دیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ان کے عموم پہ رہنے دیں تو پھر نہ تعارض کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ نسخ کا۔

(۳) یہ حکم نہ منسوخ ہے نہ عام حسب مصلحت جائز ہے

تیسرا مسلک یہ ہے کہ حدیث سہلہ (بنت سہیل) سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے، نہ وہ منسوخ ہے، نہ مخصوص، نہ عام، بلکہ اگر ضرورت کا تقاضا ہو، تو جائز ہے۔ یعنی اگر حالات ایسے ہیں کہ ایک شخص کے سامنے کوئی عورت بے پردہ آنے پر مجبور ہے یا کوئی شخص کسی عورت سے پردہ نہ کرنے پر مجبور ہے، ——— جیسا کہ سہلہ بنت سعید اور سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے واقعہ سے ظاہر ہے ——— تو ایسے بڑی عمر والے شخص کو اگر عورت اپنا دودھ پلا دے گی تو اثر رضاعت مرتب ہوگا، اور وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے (رضاعی رشتہ کے باعث) حرام ہو جائیں گے۔

لیکن اگر ایسی خاص اور مستثنیٰ صورت واقع نہ ہو تو پھر موصل مسئلہ قائم رہے گا، یعنی صرف رضاع صغیر سے تحریم واجب ہوگی۔

بشیخ السلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کا مسلک یہی ہے۔

تخصیص وتقیید کا قبول کر لینا نسخ کے قبول کرنے سے اولیٰ ہے

باقی رہیں احادیث نافیہ

رضاع کبیر تو یا انہیں مطلق مانا جائے گا، اور حدیث سہلہ سے ان کی تقیید کی جائے گی، یا ان کا عموم احوال تسلیم کیا جائے گا، اس صورت میں حدیث سہلہ سے ان کی تخصیص کی جائے گی، اور اس صورت کا تسلیم کر لینا، نسخ کے تسلیم کر لینے سے کہیں بہتر اور انسب ہے، کیونکہ جمیع احادیث طرفین پر عمل میں اس سے بہت زیادہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اور قواعد شرع سے بھی موافقت قائم رہتی ہے ـــــ واللہ الموفق!

مسئلہ عدّت

عورت کی عدّت اور اس کی مدّت کے بارے میں مسائل متعلقہ

عدّت کے اقسام از روئے قرآن کریم | عدت سے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو بیان فرمایا ہے وہ بہت زیادہ واضح، اور جامع ہے، قرآن حکیم سے عدّت کی چار قسمیں معلوم ہوتی ہیں'؛

۱- عدّت کی پہلی قسم | عدّت کی پہلی قسم حاملہ کی عدّت ہے، یہ عدّت وضع حمل کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، خواہ عورت بائنہ ہو یا رجعیہ، میاں اور بیوی کے مابین تفارقت زندگی میں ہو یا موت کے باعث،

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے'؛

واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن یعنی حاملہ عورتوں کی مدت وضع حمل ہے۔

۲- عدّت کی دوسری قسم | دوسری قسم مطلقہ کی عدت ہے'! مطلقہ کی عدت، اگر ابھی وہ عمر کی اس منزل میں ہو کہ حیض بند نہ ہوا ہو، تو تین قروء ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے'؛

والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء یعنی مطلقہ عورتوں کی عدت تین قروء ہے، [1]

---

[1] قروء سے مراد حیض ہے۔

۳۔ عدّت کی تیسری قسم

تیسری قسم اس عورت کی ہے جو حیض والی نہ ہو، ایسی عورت جو حیض والی نہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔

—: کم عمر لڑکی حیض ابھی جاری نہ ہوا ہو،

—: مسن عورت، جس کا حیض آنا بند ہو چکا ہو، اور وہ آئسہ[1] بن گئی ہو،

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں کی عدت بیان فرما دی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے: واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن ....

یعنی جو عورتیں آئسہ ہو چکی ہیں، اور جن کا حیض ابھی جاری نہیں ہوا ہے، ان کی عدت تین مہینے ہے۔

۴۔ عدّت کی چوتھی قسم

چوتھی قسم اس عورت کی ہے جس کا شوہر وفات پا چکا ہو، ایسی عورت کی عدت قرآن کریم نے چار مہینے دس روز مقرر فرمائی ہے، فرمایا ہے:

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا،

یہ عدت اس عورت کی ہے جو مدخول بہا[2] ہو یا نہ ہو[3]، کم سن ہو[4]، یا مُسن ہو[5]۔

---

[1] فقہ کی اصطلاح میں آئسہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی عمر ڈھل چکی ہو، حیض آنا بند ہو چکا ہو، اور توالد وتناسل کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو، یعنی اب وہ اولاد سے مایوس ہو چکی ہو، ایسی عورت کی عدت حیض کے بجائے تین مہینے رکھی ہے۔

[2] مدخول بہا سے مراد وہ عورت ہے جس سے شوہر تمتع کر چکا ہو۔

[3] غیر مدخول بہا سے مراد وہ عورت ہے جس سے شوہر نے ابھی مجامعت نہ کی ہو۔

[4] کم سن سے مراد وہ عورت ہے جو بلوغ کی منزل تک نہ پہنچی ہو،

[5] مسن سے مراد وہ عورت ہے جو حد بلوغ کو پہنچ چکی ہو۔

لیکن اس میں حاملہ عورت شامل نہیں ہے، وہ آیہ کریمہ واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن کے مطابق خارج ہو گئی، کیونکہ اس کی عدت وضع حمل قرار دی گئی ہے،

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن ہے (یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا ..... اس کا تعلق بالاتفاق غیر حاملہ عورت سے ہے۔

فہم مراد قرآن میں اختلاف بہر حال یہ ہے عدت کا اصول جسے واضح اور بیّن طور پر قرآن حکیم نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

لیکن فہم مراد قرآن میں اختلاف ہے، چنانچہ وفات پائے ہوئے شخص کی بیوی کی عدت اگر وہ حاملہ ہو کیا ہوگی؟ اس میں سلف کا اختلاف ہے۔

حضرت علی، ابن عباس اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حاملہ بیوہ کی مدت ابعد الاجلین[1] رکھتی ہے، امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے جسے سحنون نے اختیار کیا ہے، امام احمد بھی ابعد الاجلین ہی کو عدت مانتے ہیں،

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تاویل ابن مسعود رضی اللہ عنہ آیہ کریمہ کی تاویل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن نے جزء "اجل" یعنی عدت کی مدت مقرر کی ہے، وہ بیوہ اور مطلقہ کے لیے ایک ہی ہے، یعنی مطلقہ عورت کی عدت بھی وضع حمل کے ساتھ ختم ہو جائے گی، اور وہ حلال ہو جائے گی، یعنی جس سے چاہے نکاح کر لے، کیونکہ اس کی عدت تو ختم ہو چکی ہے۔

اسقاط حمل کی صورت میں عدت کیا ہوگی؟ لیکن اگر حاملہ عورت کا اسقاط ہو جائے تو اس کی عدت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک بچہ کی جسمیت ظاہر نہ ہو جائے۔ مثلاً، ہاتھ یا پاؤں، اگر یہ صورت

---

[1] "ابعد الاجلین" سے مراد یہ ہے کہ وضع حمل اور چار مہینے اور دس دن کے مابین جو مدت زیادہ طویل ہو وہ عدت قرار پائے گی۔

ہو گی تو باندی آزاد ہو جائے گی[1] اور عدت ختم ہو جائے گی۔

اگر پیٹ میں دو بچے ہوں تو عدت کب ختم ہو گی

لیکن اگر کوئی عورت بچہ جنتی ہے اور ابھی اس کے پیٹ میں دوسرا بچہ ہو، تو عدت اس وقت تک ختم نہیں ہو گی، جب تک وہ دوسرا بچہ بھی نہ جن لے۔

ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اختلاف

اس مسئلہ میں ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وضع حمل کو عدت قرار دیتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ابعد الاجلین کو، چنانچہ ان دونوں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حکم بنایا، انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے موافق فیصلہ کیا، اور دلیل میں حدیث سبیعہ پیش کی، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔

صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین اور آئمہ اربعہ کا فتویٰ

لیکن صحابہ، تابعین، اور ان کے بعد آنے والے آئمہ، اور آئمہ اربعہ کا فتویٰ یہ ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، اگرچہ شوہر کے جنازے کو غسل کیوں نہ دیا جا رہا ہو، جیسے ہی وضع حمل ہوا، عورت حلال ہوئی، اب اسے اختیار ہے جس سے چاہے شادی کر لے۔

جمہور فقہا کا مسلک اور اس کی تفصیل

جمہور فقہا کا اس مسئلہ میں جو مسلک ہے وہ چند امور پر مشتمل ہے:

عدت میں وضع حمل کا اعتبار ہے

۱۔ سنت صریحہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عدت میں وضع حمل کا اعتبار ہے، جیسا کہ صحیحین میں سبیعہ اسمیہ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد انھوں

---

[1] باندی سے اگر ہم بستری کی جائے، وہ حاملہ ہو جائے تو وضع حمل کے ساتھ ہی اس کی غلامی ختم ہو جائے گی، اور وہ خود بخود آزاد ہو جائے گی۔

نے نکاح کا ارادہ کیا، ان سے ابو السنابل نے کہا۔

"تم نکاح نہیں کر سکتیں، جب تک دونوں مدتوں میں سے آخری عدت بھی پوری نہ کر لو"[1]

سبیعہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا، آپؐ نے فرمایا:

"ابو السنابل نے غلط کہا، تم وضع حمل کے بعد، حلال ہو چکیں، جس سے چاہو نکاح کر لو!"

۲۔ قرآن کریم کی آیت "واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (یعنی حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے) موخر ہے اس آیۂ کریمہ سے " والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا (یعنی بیوہ عورتوں کی عدت چار مہینے دس دن ہے)

استبراء کی صورت میں بھی عدت وضع حمل ہے

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "ان یضعن حملھن" اس بات پر دال ہے کہ اگر عورت کے پیٹ میں دو بچے ہوں، تو جب تک وہ دونوں بچے نہ جن لے، عدت ختم نہیں ہوگی۔

یہ آیت اس بات پر بھی دال ہے کہ استبراء کی صورت میں بھی عدت، وضع حمل ہی ہوگی۔

نیز اس بات پر بھی یہ آیۂ کریمہ دال ہے کہ بچہ خواہ مردہ پیدا ہو یا زندہ، تام الخلقت ہو یا ناقص، اس میں روح پیدا ہو چکی ہو، یا نہ ہوئی ہو، وضع حمل کے ساتھ ہی عدت ختم

---

[1] "البعد الاجلین" کی رُو سے وضع حمل کے بعد بھی چار مہینے دس دن کی عدت پوری کرنی چاہیے تھی۔

ہو جائے گی ۔

علاوہ ازیں یہ کہ اگر کسی عورت کو کئی مہینے یا سال سال بھر حیض نہیں آتا، تو امام مالک کے نزدیک جب تک حیض نہ آئے، عدّت ختم نہیں ہوگی، لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ عورت حیض کا انتظار نہیں کرے گی، چار مہینے دس دن کے بعد اس کی عدّت ختم ہو جائے گی ۔

لفظ "قروء" کی تفسیر

اختلاف ـــــ دلائل ـــــ بیان!

لفظ "اقراء" کی تفسیر ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، آیا اس سے مراد حیض ہے یا اطہار؟ اکابر صحابہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حیض ہے، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابوموسیٰ عبادہ بن صامت، ابوالدرداء، ابن عباس، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا قول یہی ہے، نیز عبداللہ بن مسعودؓ کے جملہ اصحاب کا بھی یہی قول ہے، مثلاً علقمہ، اسود، ابراہیم، اور شریح وغیرہ، شعبی اور حسن کا قول بھی یہی ہے، نیز قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں، ابن عباس کے اصحاب میں سعید بن جبیر اور طاؤس کا یہی قول ہے، سعید بن المسیب بھی یہی فرماتے ہیں، آئمہ حدیث مثلاً اسحاق بن ابراہیم ابوعبید القاسم، اور امام احمد کا قول بھی یہی ہے، ـــ!

امام احمدؒ "اطہار" مراد لیتے تھے

امام احمد اس لفظ سے مراد اطہار لیا کرتے تھے، اثرم کی روایت ہے کہ امام احمد پہلے اس لفظ سے مراد اطہار ہی لیا کرتے تھے، بعد میں اس قول سے رجوع کر لیا، ابن ہانی کی روایت ہے، کہ امام احمد نے فرمایا!

"پہلے میں اس لفظ سے مراد اطہار لیا کرتا تھا، لیکن اب میں کہتا ہوں کہ اس لفظ سے مراد حیض ہے"!

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مراد حیض ہے

آئمہ اہل الرائے مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب بھی اقراء سے مراد اطہار نہیں بلکہ حیض لیتے ہیں،

امام مالک اور امام شافعی کا مسلک

لیکن ایک جماعت ہے جس کا قول ہے کہ اقراء سے مراد حیض نہیں اطہار ہے، یہ قول ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر کا ہے۔

فقہاء سبعہ، اور ابان بن عثمان، اور زہری، اور عامۃ فقہاء مدینہ بھی اطہار مراد لیتے ہیں،۔

امام مالک اور شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔

مسئلہ عدت پر تین اقوال

ایک سوال یہ ہے کہ آیا مطلقہ عورت کی عدت اس وقت ختم ہوگی، جب (وہ حیض سے فارغ ہو کر) غسل کرلے؟ اس مسئلہ میں تین قول ہیں،:

۱۔ جب تک عورت غسل نہ کرلے، عدت ختم نہیں ہوگی،

اکابر صحابہ کا مسلک یہی ہے، امام احمد بھی یہی کہتے ہیں۔

شوہر کو حق رجعت کب تک حاصل ہے

۱۔ عمرؓ، علیؓ، اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ شوہر کو حق رجعت حاصل ہے جب تک عورت حیض سے فارغ ہو کر غسل نہ کرلے، ابوبکرؓ صدیق، عثمان بن عفان، ابوموسیٰ، ابوالدرداء اور معاذ بن جبل سے بھی یہی ثابت ہے۔ کہ جب تک مطلقہ عورت تیسرے حیض سے فارغ ہو کر غسل نہ کرلے شوہر کو حق رجعت حاصل ہے،

مصنف عبدالرزاق میں عمر زید بن رفیع سے، وہ ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عثمان نے ابی کعب سے اس مسئلہ میں دریافت کرایا، ابی بن کعب نے جواب دیا کہ:

میرا خیال ہے کہ شوہر کو اس وقت تک رجعت کا حق حاصل ہے جب تک مطلقہ تیسرے حیض سے فارغ ہو کر غسل نہ کرلے'! اور نماز اس پر حلال نہ ہو جائے،

کیا مجرد طہر سے عدت ختم ہو جائے گی؟

۲۔ حیض سے فارغ ہونے کے بعد مجرد طہر سے عدت ختم ہو جائے گی، غسل کا لحاظ نہیں

کیا جائے گا۔

یہ قول سعید بن جبیر، اوزاعی، اور شافعی رحمہم اللہ کا ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے جسے ابوالخطاب نے اختیار کیا ہے ۔۔۔!

انقطاع خون کے ساتھ ختم عدت

۳ ۔۔۔ انقطاع خون کے بعد بھی مطلقہ کی عدت اس وقت تک قائم رہے گی، اور شوہر کو حق رجعت حاصل رہے گا جب تک طہر میں آنے کے بعد نماز کا وقت نہ گذر جائے، ۔۔۔ یہ ثوری کا قول ہے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ انقطاع خون کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی۔

قرآن مجید میں جو "قرء" کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد، طہر یا حیض میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے، دونوں نہیں ہو سکتے، لیکن بوجوہ (سیاق، لغت، اور عرف کے لحاظ سے) حیض ہی کا مراد ہونا اولیٰ ہے۔

علاوہ ازیں "قرء" کا استعمال حیض کے لیے جتنا عام ہے طہر کے لیے نہیں، اس لفظ کے معنی حیض کے لیے، مستفتی معلوم، اور مستفیض ہیں، لیکن طہر کے لیے یہ صورت نہیں ہے،

"القرء" کا مفہوم و مقصد کیا ہے؟

جوہری کا قول ہے، "القرءُ" ۔۔۔ اس لفظ سے مراد حیض ہے، اس کی جمع اقراء بھی آتی ہے اور قروء بھی، حدیث میں آیا ہے لاصلوۃ ایام اقرائک (یعنی ایام اقراء میں نماز واجب نہیں ہے) [1]

نیز یہ لفظ "طہر" کے معنی میں بھی آتا ہے، یہ ایسا لفظ ہے جو صنعت اضداد رکھتا ہے، یعنی متضاد معنی کا حامل ہے۔

ابوعبید کا قول ہے:

"اقراء" کے معنی حیض کے ہیں، یہ لفظ اطہار کے معنی میں بھی آتا ہے،

---

[1] حالانکہ طہر میں ہے۔

نسائی لے کہتے ہیں:
"جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو کہتے ہیں،" اقرأت امرأة "۔"
ابن فارس کا قول ہے:
"القرء" سے مراد ایسے اوقات ہیں جو طہر کے لیے بھی مفہوم ہوتے ہیں اور حیض کے لیے بھی، اس لفظ کا واحد "قرء" ہے جس سے مراد طہر بھی لیا جاتا ہے، لیکن ایک جماعت اس سے حیض مراد لیتی ہے، نیز اوقات طہر و حیض کے مابین یہ لفظ مشترک بھی ہے" اور صرف اوقات حیض، اور صرف اوقات طہر کے لیے بھی بولا جاتا ہے، گویا کسی ایک کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ دونوں کے لیے بولا جا سکتا ہے، جب عورت حیض سے نکل کر طہر میں، اور طہر سے حیض میں داخل ہوتی ہے تو کہتے ہیں" اقرأت امرأة "۔

شارع نے اسے کس معنیٰ میں استعمال کیا ہے؟

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ لفظ قرء کلام شارع میں صرف حیض کے لیے آیا ہے، کسی ایک موقع پر بھی طہر کے لیے نہیں آیا ہے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مستحاضہ سے فرمایا:
دع الصلوٰۃ ایام اقرائک (یعنی اپنے ایام اقراء میں نماز چھوڑ دے)
پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بہتر کلام الٰہی کی تعبیر اور کون کر سکتا ہے؟ آپ سے زیادہ اپنی قوم کے لغت کا ماہر کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟ یہی لغت جس پر قرآن نازل ہوا، پس جب ثابت ہو گیا کہ شارع نے اسے حیض کے لیے استعمال کیا ہے، تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ قرء کا حمل درحقیقت کس معنیٰ پر کیا جائے گا؟

کیا "خلق" سے مراد حیض ہے؟

اسی طرح " لا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن .... " میں " خلق " سے مراد حیض ہے، اور عامۂ مفسرین کے نزدیک حمل، رحم میں جو مخلوق ہے وہ درحقیقت حیض وجودی ہے۔

لے حیض وجودی — یعنی بطن مادر میں جو مخلوق ہے، وہ درحقیقت حیض ہی ہے (نہ کہ طہر) جس نے ایک پیکر کی صورت اختیار کر لی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سلف اور خلف نے اسے حمل اور حیض قرار دیا ہے، البتہ بعض اسے صرف حیض اور بعض صرف حمل کہتے ہیں۔ لیکن کسی نے بھی طہر نہیں کہا ہے۔

عدت کا حکم عدم حیض پر معلق ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'!
واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن
گویا اللہ نے عدم حیض پر عدت کے حکم کو معلق رکھا ہے نہ کہ عدم طہر پر'

عدت: تین حیض تک

اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتھا حیضتان ... (یعنی باندی کے لیے دو طلاقیں ہیں، اور اس کی عدت دو حیض ہیں) اس حدیث کو ابن ماجہ، ترمذی، اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضؓ کی ایک اور حدیث ہے وہ فرماتی ہیں کہ:
"بریرہ کو حکم دیا گیا کہ تین حیض تک کی عدت گزاریں'!"
نیز ایک اور حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کو جب انھوں نے اپنے شوہر سے خلع لے لی، ایک حیض تک اپنے تئیں روکے رہنے کا حکم دیا، ابن عباس کی ایک روایت میں ایک حیض تک عدت گزارنے کا لفظ آیا ہے، اسی طرح کی روایت ترمذی کی بھی ہے'

باندی کا استبراء ایک حیض ہے

اسی طرح استبراء کا معاملہ ہے' ابن عبدالبر کا قول ہے کہ بالاجماع باندی کا استبراء ایک حیض کی مدت ہے۔

غرض سنن صحیحہ سے ثابت ہے کہ استبراء حیض کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ طہر کے ساتھ، امام شافعی کا بھی صحیح قول یہی ہے کہ باندی کا استبراء ایک حیض کا زمانہ ہے ۔۔۔۔!'

استبراء اور حیض میں مماثلت

غرض جمہور کا مسلک یہی ہے کہ عدت استبراء حیض ہے نہ کہ طہر، اور یہ استبراء باندی کے حق میں وہی حیثیت رکھتا ہے، جو ایک آزاد عورت کے حق میں عدت کی ہے۔

بہرحال امر متمیز حیض ہے، ایک عورت جب حائضہ ہوتی ہے تو اس کے بلوغ کے ساتھ ہی اس کے احکام میں تغیر واقع ہوجاتا ہے، اس پر بعض عبادتیں اس دوران میں حرام ہوجاتی ہیں، مثلاً نماز اور روزہ، اور طواف، اور مسجد میں داخلہ، وغیرہ وغیرہ، لیکن جب خون بند ہوجاتا ہے وہ غسل کرلیتی ہے، اور طہر میں داخل ہوجاتی ہے، تو تجدد طہر سے احکام میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، بلکہ زمانۂ حیض کے احکام بغیرہ زوال آشنا ہوجاتے ہیں، یعنی طہر کے بعد، وہ اس حالت پر واپس آجاتی ہے جس پر حیض سے قبل تھی، غرض طہر سے احکام نہیں بدلتے، وہ قروء (حیض) ہے جو عورت کے احکام بدل دیتا ہے، اور یہ تغیر صرف حیض ہی سے حاصل ہوتا ہے، طہر سے نہیں۔

"قرء" کو طہر سمجھنے والوں کے استدلال کا جواب

ہم اس مسئلہ میں اکابر صحابہ تک اپنی گفتگو محدود رکھیں گے، یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ قرء سے مراد (طہر نہیں) حیض ہے،

طلاق قبل از عدت

طہر سے استدلال کرنے والے "فطلقوھن لعدتھن" سے حجت لاتے ہیں، حالانکہ یہ حجت ان کے خلاف جاتی ہے، درحقیقت آیت سے مراد طلاق قبل از عدت ہے، نہ کہ در عدت، لہٰذا آیت کا حمل، طلاق در عدت پر نہیں کیا جاسکتا، وجہ یہ ہے کہ ایقاع طلاق زمانۂ عدت میں ممکن نہیں ہے، کیونکہ وہ سبب ہے اور سبب حکم پر متقدم ہوتا ہے، لہٰذا جب یہ ثابت ہوگیا تو اقراء کو حیض کہنے والا صحیح معنی میں آیت پر عمل کرتا ہے، اور قبل از عدت طلاق دیتا ہے، لہٰذا ہم کہتے ہیں تمہارا احتجاج باطل ہوگیا۔ اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ مراد طلاق قبل از عدت ہے نہ کہ در عدت۔

اور "قرأت امرأۃ" میں قرء سے مراد حیض ہے، اس لیے کہ حیض اس چیز کا ظہور ہے جو چھپی ہوئی تھی، جیسے جنین کا ظہور مثلاً "قرء الثریا" اور "قرء المرتع"، وہ وقت ہے جب بارش اور

ہوا کا ظہور ہوتا ہے یہ دونوں چیزیں وقت مخصوص پر ظاہر ہوتی ہیں، لہذا کوئی شبہ نہیں کہ قرا کے معنی حیض کے زیادہ واضح ہیں بہ نسبت طہر کے۔

استدلال حضرت عائشہ کے کلام سے

رہا یہ استدلال کہ عائشہ رضی اللہ عنہا قرا سے مراد اطہار لیتی ہیں، اور مردوں کے مقابلہ میں عورتیں اس بات کی زیادہ عالم ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھلا کون شخص اس بات کو باور کرے گا کہ کلام الٰہی کے مفہوم سے عورتیں بہ نسبت مردوں کے زیادہ واقف ہیں، فہم کتاب (قرآن) میں ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود اور ابو درداء رضی اللہ عنہم، اور اکابر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فہم پر عورتوں کے علم و فہم کو کس طرح ترجیح دی جا سکتی ہے۔

اور یہ بات کہ یہ آیت انہی (عورتوں) کی شان میں نازل ہوئی ہے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ رجال سے زیادہ عالم ہیں، ایسا ہوتا تو ہر آیت جو عورتوں کے بارے میں نازل ہوتی اس کے مفہوم و معنی سے مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ واقف ہوتیں، اور مردوں پر ان کی تقلید واجب ہوتی، چنانچہ آیۂ رضاع، آیۂ حیض، اور تحریم جماع حائض اور آیۂ عدت بیوہ، اور آیۂ حمل اور فصال اور حمل فصال کی مدت، آیۂ تحریم ابراز زینت (غیر محرموں پر) اور اسی طرح کی دوسری آیتیں جو عورتوں سے متعلق ہیں ان کے علم و فہم کے بارے میں عورتوں کا علم اعلیٰ اور افضل ہوتا اور مردوں پر ان کی تقلید واجب ہوتی۔

پھر جب کہ صورت احوال یہ ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں عورتوں اور مردوں کے مابین اختلاف رونما ہوا، تو صواب مردوں ہی کے دامن سے وابستہ رہا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، یہ حضرت عائشہ رض ہیں، جن کا خیال ہے کہ رضاع کبیر سے حرمت منتشر ہوتی ہے، اور محرمیت ثابت ہو جاتی ہے، کچھ صحابہ عائشہ رض کے ساتھ بھی ہیں، اور ان کے اس خیال کے مخالف بھی لیکن تم نے کبھی نہیں کہا کہ عائشہ ان اختلاف رکھنے والے مردوں سے زیادہ عالم ہیں، بلکہ تم نے وہی قول قبول کیا، اور اسی کو مقدم رکھا جو ان سے اختلاف رکھنے والوں کا ہے۔

طہر حیض سے اسبق ہے

تمہارا یہ قول کہ طہر حیض سے اسبق ہے۔ لہٰذا یہ اولیٰ بالاسم بھی ہے، یہ عجیب قسم کی ترجیح ہے، یہ دعویٰ اگر مان لیا جائے تو قرآن کے ارشاد "واللیل اذا عسعس" میں پھر اولیٰ یہ ہوگا کہ ظلمت کو روشنی پر سابق مان لیا جائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

کیا آنحضرتؐ نے قروء کی تفسیر "اطہار" کی ہے؟

تمہارا یہ قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قروء کی تفسیر اطہار سے کی ہے، اگر ایسا ہوتا تو اس لفظ کے معنی اطہار مراد لینے میں تم ہم سے سبقت نہ لے جا سکتے، اور ہم خود ہی اس قول کو لے کر تم سے آگے بڑھ جاتے، اعتقاد کے لحاظ سے بھی، اور عمل کے لحاظ سے بھی، ـــــ!

واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کے صریح کلام سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے قروء کی تفسیر حیض سے کی ہے،

طہر سے خون مسبوق نہیں ہوتا

تم کہتے ہو کہ طہر وہ ہے جس سے خون مسبوق نہ ہو، لیکن اس لفظ کی یہ تفسیر نہ از روئے لغت ثابت ہے نہ عرف سے، نہ شریعت سے، دم (خون) قرء کے مسمیٰ میں داخل ہے، اقراء بغیر اس کے وجود کے کچھ ہے ہی نہیں۔

لسان شارع پر یہ لفظ کس معنی میں آیا ہے

تمہارا یہ کہنا کہ لسان شارع پر قرء حیض کے معنی میں نہیں آیا ہے غلط ہے، لسان شارع پر یہ لفظ حیض کے معنی میں آیا ہے، اور کئی مرتبہ آیا ہے، بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ طہر کے معنی میں کبھی نہیں آیا ہے،

سفیان بن عیینہ نے ایوب سے، انھوں نے سلیمان بن یسار سے انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے ایک حیض والی عورت سے فرمایا،

"ایام قرأ میں نماز نہ پڑھا کر"!!

آئسہ کی عدّت مہینوں کے حساب سے،

تم کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آئسہ[1] کی عدّت مہینوں کے حساب سے رکھی ہے،

پھر یہ بات کیسے لازم ہوسکتی ہے کہ قرو، سے مراد حیض لیا جائے،

ہمارا جواب یہ ہے کہ آئسہ کی عدّت اللہ تعالیٰ نے تین مہینے جو رکھی ہے، وہ تین قرو، (حیض) کے عوض میں ہے،

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ :

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم

تو اس میں مہینوں کی طرف ان (کی عدت) کا انتقال تعذر، مبدل، یعنی حیض کے باعث ہے، ورنہ آئسہ نہ ہونے کی صورت میں قرو، (حیض) ہی سے ان کی عدّت کا تعین ہوتا،

پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "اشہر" (مہینے) حیض کا بدل ہیں، جس سے اب وہ مایوس ہوچکی ہیں، نہ کہ طہر کا، اور یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے!

ایک اعتراض اور اس کا جواب

تمہارا قول ہے کہ "ثلاثۃ" کی "ت" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا واحد مذکر ہے، اور وہ طہر ہی ہوسکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ قرو، کا واحد قرء ہے، اور یہ مذکر ہے "ت" مراعات لفظ کے باعث آتی ہے،

---

[1] آئسہ — وہ عورت جو حیض سے مایوس ہوچکی ہو یعنی تقاضائے عمر کے باعث جس کے حیض کا زمانہ ختم ہوچکا ہو، اور اب وہ حائضہ نہ ہوتی ہو۔

دو ہیں تھوماہ۔ ۲ حیض۔ وضع حمل۔

باندی کی عدّت

آزاد عورت کے برابر ہو گی یا اس سے نصف؟

فقہہ اسلامی کا ایک نزاعی مسئلہ عموم عدد ثلاث (تین) کی بنا پر، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باندی اور حرہ (آزاد عورت) کی عدت ایک ہی ہے۔

ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں:

شادی شدہ باندی کی عدت، اگر اسے طلاق دے دی جائے آزاد عورت کے مانند ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالٰے نے یہ عدد (تین کا عدد) ہمیں اپنی کتاب (قرآن) سے سکھایا ہے، وہ فرماتا ہے:

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء۔ والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا

یعنی مطلقات کی مدت تین حیض ہے، اور بیوہ عورتوں کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن

یعنی، آئسہ کی عدّت تین مہینے ہے۔ اور جسے ابھی حیض نہ آیا ہو اس کو بھی۔ اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

پس جب اللہ سبحانہٗ تعالٰے نے باندیوں کے ساتھ ہمیں شادی کی اجازت دی ہے، تو ان کی طلاق کا بھی وہی اصول ہو گا جو دوسروں کا ہے، کیونکہ اللہ تعالٰے نے حرہ (آزاد عورت) اور

باندی کے مابین کوئی تفریق اس معاملہ میں نہیں کی ہے۔ اور اس سے بھول چوک نہیں ہو سکتی۔

ابن حزم کی روایت

ابن حزم کہتے ہیں سلف سے بھی وہی ثابت ہے جو ہم کہتے ہیں چنانچہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"میرے خیال میں باندی کی عدت بھی وہی ہے، جو حرہ کی ہے۔"

آگے چل کر ابن حزم نے کہا ہے۔

احمد بن حنبلؒ نے قول مکحول کا ذکر کیا ہے جو یہ ہے کہ ہر صورت میں باندی کی عدت حرہ کے مانند ہے۔

ابوسلیمان اور ہمارے دوسرے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

جمہور امت کا مسلک کیا ہے؟

لیکن جمہور امت کی رائے اس باب میں دوسری ہے، وہ کہتے ہیں باندی کی عدت، حرہ کی عدت سے آدھی ہے، فقہاء مدینہ، سعید بن المسیب، قاسم، سالم، زید بن اسلم، عبداللہ بن عتبہ، زہری مالک، اور فقہاء اہل مکہ، مثلاً، عطا بن ابی رباح، مسلم بن خالد، وغیرہ اور فقہاء بصرہ مثلاً قتادہ اور فقہا کوفہ، مثلاً، ثوری، ابوحنیفہ، اور ان کے اصحاب اور فقہاء حدیث، مثلاً احمد، اسحاق، شافعی۔ ابوثور رحمہم اللہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔

اور ان سب سے بھی پہلے کے بزرگ خلفاء راشد، عمر بن الخطاب، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے، جیسا کہ مالکؒ نے نافع سے، اور انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ:

"باندی کی عدت دو حیض، اور حرہ کی عدت تین حیض ہے۔"

باندی کی عدت کیا ڈیڑھ حیض ہو سکتی ہے؟

حماد بن زید نے عمرو بن اوس الثقفی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، "اگر میرا بس ہوتا تو میں باندی کی عدت ڈیڑھ حیض کر دیتا۔"

ایک شخص نے کہا،

" یا امیر المومنین پھر ڈیڑھ مہینہ کر دیجئے۔"

جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مطلقہ باندی کی عدت دو حیض رکھی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

" غلام (چار کے بجائے) دو شادیاں کر سکتا ہے، وہ (تین کے بجائے) دو طلاقیں دے سکتا ہے، اور باندی کی عدت دو حیض ہے، اور اگر حیض نہ آتا ہو تو پھر دو مہینے" اور ایک دوسری روایت کے الفاظ میں "ڈیڑھ ماہ"!

باندی کی عدت کے بارے میں دو حیض کی روایت

ابن وہب کہتے ہیں مجھ سے اہل علم اصحاب نے روایت کی کہ نافع، ابن قسیط، یحییٰ بن سعید، ربیعہ اور متعدد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کا قول ہے کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، اور اس پر ہمیشہ مسلمانوں کا عمل رہا۔

ابن وہب کہتے ہیں مجھ سے ہشام بن سعید نے، انھوں نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، حالانکہ یہ عدت اللہ عزوجل کی کتاب (قرآن) میں مذکور نہیں ہے۔ نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سراغ ملتا ہے، لیکن مسلمانوں میں ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔

باندی اور حرّہ کے درمیان عدت یکساں ہے

باندی اور حرّہ کے مابین عدت میں مساوات، سلف میں سے محمد بن سیرین اور مکحول کے سوا کسی سے مذکور نہیں ہے۔

جہاں تک ابن سیرین کا تعلق ہے، ان کی یہ رائے جازم نہیں ہے۔ انھوں نے اس کو عدم سنت متبعہ پر معلق کیا ہے۔

باقی رہے مکحول تو ان کے اس قول کی کوئی سند نہیں بیان کی گئی ہے ان سے احمد رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ روایت اہل ظاہر کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

لیکن بلاشبہ اس باب میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنت، سنت متبعہ ہے صحابہ رضی میں سے کسی کی طرف سے بھی اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

نابالغہ باندی کی عدت

اگر کہا جائے کہ اس مسئلہ میں تم اجماع صحابہ اور جماہیر امت کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو حالانکہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نابالغہ باندی کی عدت تین ماہ ہے اور عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، حسن، ربیعہ، اللیث بن سعید، زہری، بکر بن الاشج اور مالک رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب، اور احمدؒ بن حنبل کی ایک روایت بھی یہی ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ آئسہ اور صغیرہ کے حق میں مہینوں کی مدت اقراء ثلاثہ (تین حیض) کے بدلے میں ہے، پس ثابت ہوا کہ باندی کے حق میں بھی تین مہینے بدل ہوں گے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ خود بھی درحقیقت اس کے قائل ہیں کہ باندی کی عدت دو حیض ہے۔ یہی انھوں نے فتویٰ بھی دیا ہے۔ رہی مہینوں کے اعتبار سے عدت سو اس بارے میں تین قوی ہیں:

ہر حیض کے مقابلہ میں ایک مہینہ

(۱) حضرت عمرؓ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت جو اثرم وغیرہ سے مروی ہے یہ ہے کہ باندی کی عدت اقراء اعتبار سے دو حیض ہے۔ لہٰذا ہر حیض کے مقابلہ میں ایک مہینہ شمار کیا جائے گا۔

اثرم اور میمون کی روایت

(۲) دوسری روایت یہ ہے کہ باندی کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہے اسے اثرم اور میمونی نے حضرت عمر سے نقل کیا ہے۔

علی بن ابی طالب، ابن عمر، ابن المسیب، ابوحنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ مہینہ کی آدھوں آدھ تقسیم ممکن ہے۔ لیکن حیض کی اس طرح تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ محرم اگر شکار کرلے تو کفارہ کے طور پر، نصف مد، دے اور اگر نصف کے بدلے میں روزہ رکھنا چاہے تو پھر پورے دن کا روزہ رکھنا پڑے گا۔

۳۔ باندی کی عدت تین مہینے ہے، پورے تین مہینے۔ حضرت عمرؓ کی دو روایتوں میں سے دوسری روایت یہی ہے۔

مہینوں کے اعتبار سے اور حیض کے اعتبار سے عدت کا فرق

مہینوں کے اعتبار سے

عدت، اور حیض کے اعتبار سے عدت کا فرق یہ ہے کہ مہینوں سے برارۃ رحم کا، جو علم ہوگا وہ تین ماہ سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ صورت حرہ اور باندی دونوں کے لیے یکساں ہے، کیونکہ حمل میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے، پھر چالیس دن تک علقہ، پھر چالیس دن تک مضغہ۔ اس تیسری صورت میں حمل صحیح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس نسبت سے حرہ اور باندی برابر ہیں بخلاف اقرار کے، کیونکہ پہلا حیض استبراء کے لیے کافی ہے، مملوکہ کے حق میں اور جب اس کی شادی ہوگئی تو وہ حرائر سے مشابہ ہوگئی۔ اور ملک یمین (باندیوں) میں اسے ایک خاص مرتبہ حاصل ہوگیا لہٰذا اس کی عدت "بین العدتین" (دو عدتوں کے درمیان) ہوگئی۔

کیا یہ اجماع ہے؟ یا حضرت عمرؓ کا دوسرا قول

شیخ نے مغنی میں کہا ہے جو اس قول کا رد کرتا ہے، وہ اجماع صحابہ کا مخالف ہے، کیونکہ ان کا اختلاف پہلے دو اقوال میں محدود ہے۔ اس صورت میں کوئی تیسرا قول پیدا کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اقوال صحابہ کے دائرہ سے وہ باہر نکل گیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تیسری روایت احداث (نئی بات) نہیں ہے، بلکہ حضرت عمرؓ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے جسے ابن وہب وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔

3 ماہ

آئسہ اور غیر حائضہ کی عدّت

دور رس نتائج پر متضمن بیان اور تحقیق

آئسہ اور غیر حائضہ کی عدت کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے بدیں الفاظ کیا ہے۔

واللائی یئسن عن المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن (یعنی آئسہ اور غیر حائضہ کی عدت تین ماہ ہے)

عورت آئسہ کس عمر میں ہوتی ہے؟ عورت کی حد ایاس کیا ہے؟ اس باب میں لوگ شدید اضطراب فکر میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ عورت پچاس سال کی عمر میں آئسہ ہوتی ہے۔ اس عمر کے بعد عورت حائضہ نہیں ہوتی یہ اسحاق کا قول ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اس قول کے اصحاب حضرت عائشہ رضؓ کے قول سے حجت لاتے ہیں کہ عورت جب پچاس سال کی ہو جائے تو حد حیض سے خارج ہو جاتی ہے۔

ساٹھ سال کی عمر کا تعین ایک دوسرا گروہ ہے جو ساٹھ سال کی عمر قرار دیتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ساٹھ سال کے بعد عورت کو حیض نہیں آتا۔

یہ دوسری روایت بھی امام احمد کی ہے۔ ان سے ایک تیسری روایت بھی ہے جس میں وہ عرب اور غیر عرب عورتوں میں فرق کرتے ہیں کہ عرب عورتوں کی حد ایاس ساٹھ سال ہے اور نساء عجم کی پچاس سال، ان سے ایک چوتھی روایت بھی ہے کہ اگر پچاس اور ساٹھ سال کی عمر کے مابین مشکوک قسم کا خون ظاہر ہو تو عورت بدستور نماز پڑھے گی۔ روزہ رکھے گی، خرقی نے یہی قول اختیار کیا ہے، امام احمد بن حنبل سے ایک پانچویں روایت بھی ہے کہ اگر پچاس سال کی عمر کے بعد خون پھر ظاہر ہو۔ اور بار بار ظاہر ہو

تو وہ حیض ہے، ورنہ نہیں۔

امام شافعیؒ کے دو قول

امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی نص نہیں ثابت ہے۔ لیکن بعد کے دو قول مروی ہیں۔

ایک یہ کہ عورت اس عمر میں آئسہ قرار دی جائے گی جس عمر میں اس کی قرابت دار عورتیں آئسہ ہوا کرتی ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ سن ایاس وہی قرار دیا جائے گا، جو عام طور پر عورتوں کا ہوا کرتا ہے۔

اصحاب امام مالکؒ کا مسلک

اصحاب امام مالک رحمہ اللہ نے سن ایاس کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مسلک

بعض دوسرے علماء جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی شامل ہیں۔ کہتے ہیں کہ زمانۂ یاس اختلاف نساء کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کی کوئی خاص حد مقرر نہیں کی جاسکتی، جو سب عورتوں پر چسپاں ہوسکے۔ آیت قرآنی سے مراد یہ ہے کہ ہر عورت کا سن ایاس خود اس کے ذاتی اعتبار سے مانا جائے گا کیونکہ یاس رجا کی ضد ہے، پس جب عورت حیض سے مایوس ہوجائے، اور اب اس کی امید نہ رکھے تو وہ آئسہ ہے، خواہ اس کی عمر چالیس سال کی کیوں نہ ہو، ہوسکتا ہے کہ ایک دوسری عورت پچاس سال کی عمر میں بھی آئسہ نہ ہو!

زبیر بن بکار کہتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عربی عورت کے سوا کوئی عورت پچاس کی عمر میں زچہ نہیں بنتی۔ اور قرشیہ عورت کے سوا ساٹھ سال کی عمر میں کوئی عورت بچہ نہیں جنتی۔ چنانچہ ہند بنت ابی عبیدہ بن عبیدہ بن ربیعہ نے موسیٰ بن عبداللہ، بن حسن بن حسن، بن علی، بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کو جب جنا تو ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے بارے میں جسے طلاق کے بعد ایک یا دو مرتبہ حیض آیا پھر آنا بند ہوگیا، فرمایا:

"ہم نہیں جانتے۔ اس کا حیض کیوں بند ہوا یا یہ نو مہینے تک انتظار کرے گی، اگر حمل ظاہر ہوگیا تو

ورنہ ، تین مہینے کی عدت گزارے گی ۔"

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے فقہاء و علماء کی جماعت کثیر نے موافقت کی ہے ، جن میں امام مالک اور احمد اور شافعی رحمہم اللہ بھی ہیں ۔ ان کا قول ہے کہ ایسی عورت غالب مدت حمل تک انتظار کرے گی ۔ پھر آئسہ کی عدت گزارے گی ۔ پھر وہ دوسرے شوہر کے لیئے حلال ہوگی اگرچہ اس کی عمر تیس یا چالیس سال ہی کی کیوں نہ ہو ۔

اس سے ثابت ہوا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور سلف و خلف میں سے ان کے ہم خیال اصحاب کے نزدیک عورت پچاس اور چالیس سال کی عمر سے پہلے بھی آئسہ ہوسکتی ہے ۔ ان کے نزدیک سن ایاس کوئی خاص وقت نہیں ہے جو عورتوں کے لیے محدود ہو ، بلکہ عورت تیس سال کی عمر میں بھی آئسہ ہوسکتی ہے ، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ جائے اور آئسہ نہ ہو ، اور اگر اس کا حیض آنا بند ہو جائے ، اور یہ نہ معلوم ہو کہ اس کی علت کیا ہے تو نو مہینے کی مدت گزرنے کے بعد وہ آئسہ قرار دی جائے گی ۔ بخلاف اس عورت کے جس کا کسی رضی کے باعث ، یا رضاع کے سبب ، یا حمل کی وجہ سے ، حیض آنا بند ہو گیا ہو ، اسے آئسہ نہیں تسلیم کیا جائے گا ۔

عدت طلاق آئسہ کی

پس وہ آئسہ جس کا مستقل طور پر حیض بند ہو جائے ، یا کئی کئی سال تک منقطع رہے ۔ ایسی عورت کو اگر طلاق دی جائے گی تو وہ نص قرآن کے مطابق تین مہینے عدت گزارے گی ، چاہے اس کی عمر چالیس سال کی ہو یا اس سے کم یا زیادہ ۔ اگر شک ہوگا تو نو مہینے کی پھر تین مہینے کی ۔ عورتیں جس طرح ابتدائے حیض میں مساوی نہیں ہوتیں بعض دس سال کی عمر میں ، بعض بارہ سال کی عمر میں ، بعض پندرہ سال کی عمر میں حائضہ ہوتی ہیں ۔ اس طرح آخر سن حیض میں بھی وہ یکساں نہیں ہوتیں ۔ کوئی کسی عمر میں آئسہ ہوتی ہے کوئی کسی میں ۔

جسے ابھی حیض نہ آتا ہو اس کی عدت

اسی طرح اس عورت کے بارے میں اختلاف ہے جو حائضہ نہیں ہوئی ۔ آیا اس کی عدت تین ماہ ہوگی ، یا پہلے نو ماہ پھر تین ماہ ، گویا سال بھر کامل ۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس کی عدت تین ماہ ہوگی ۔

چار ماہ دس دن

عدّت وفات

تفصیل ـــ شرائط ـــ اصول

عدت وفات شوہر کی موت سے واجب ہوتی ہے، عام اس سے کہ اس نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو، جیسا کہ عموم قرآن اور سنت صحیحہ صریحہ سے ثابت ہوتا ہے۔

عدم اجماع کی صورت میں بھی عدت واجب ہے

اس امر پر اتفاق ہے کہ شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو تو بھی وفات کے بعد، دونوں ایک دوسرے کے وارث بن جاتے ہیں،

نیز یہ کہ مہر بھی واجب الادا ہوتا ہے، اگر وہ معین اور طے شدہ ہو،[1] اس لیے کہ موت انقضاء اور انتہاء عقد کا نام ہے، اس کے بعد احکام مرتب ہوجاتے اور مستقر بن جاتے ہیں چنانچہ دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہوجاتے ہیں، اور مہر بھی لازم ہوجاتا ہے، اور عدت بھی واجب ہوجاتی ہے۔

استقرار مہر سے متعلق مسائل مختلفہ

استقرار مہر کے بارے میں فقہا اور آئمہ کے مابین اختلاف ہے، یہ اختلاف دو[2] مسئلوں میں ہے

---

[1] نکاح تعین مہر کے بغیر بھی جائز ہے، اس صورت میں، مہر خود بخود لازم ہوجاتا ہے، طلاق یا موت کی صورت میں عورت کو مہر مثل، یعنی خاندانی مہر دلایا جائے گا، یعنی وہ مہر جو اس عورت کے خاندان میں رائج ہو،

پہلا مسئلہ ہے وجوب مہر مثل کا،

امام احمد اور امام ابوحنیفہ، رحمہا اللہ، اسے واجب قرار دیتے ہیں! امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے،

لیکن امام مالک اسے واجب نہیں قرار دیتے، امام شافعیؒ کا دوسرا قول اسی عدم وجوب مہر مثل کا ہے۔

سنت صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب مہر مثل کا فیصلہ صادر فرمایا، جیسا کہ بروع بنت واثق کی حدیث سے ظاہر ہے،

تحریم ربیبہ کس صورت میں ہوتی ہے

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ماں کی موت سے کیا تحریم ربیبہ ثابت ہو جاتی ہے جس طرح اس سے تمتع سے ثابت ہو جاتی ہے؟

اس باب میں صحابہ کے دو اقوال ہیں، جو امام احمد سے مروی ہیں، مقصود یہ ہے کہ جب عدت میں برأت رحم کا علم نہ ہو، [redacted] قبل از تمتع و مباشرت واجب ہوتی ہے بخلاف عدت طلاق کے۔

عدت وفات کی عدت وغیرہ کے حکم کے بارے میں لوگ اضطراب خیال میں مبتلا ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ برأت رحم کے لیے ہے، اور اس قول پر وجوہ کثیرہ وارد ہوتے ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ بصورت وفات قبل از تمتع یہ عدت واجب ہو جاتی ہے،

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عدت تین قرو، (حیض) پر مشتمل ہوتی ہے، اور برأت رحم کے لیے ایک حیض کافی ہے، جیسا کہ مستبراۃ میں ہوتا ہے۔

ایک اور قول یہ ہے کہ وہ عورت جو صغر سنی یا کبر سنی کے باعث برأت رحم سے منقطع ہو چکی ہے، اس کی عدت تین مہینے ہے۔

عدت تعبد سے ہے

ایک اور گروہ ہے جو کہتا ہے کہ عدت کا معاملہ تعبد سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ تعلق سے، —— لیکن یہ دعوے دو وجوہ سے فاسد ہے،

ایک وجہ یہ ہے کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو حکمت سے خالی ہو، یہ دوسری

بات ہے لوگوں کی ایک جماعت کثیر پر وہ حکمت منکشف نہ ہو سکے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عدت کا شمار صرف عبادات میں نہیں ہے بلکہ اس میں حق زوجیت اور اولاد اور نکاح کی رعایت بھی مضمر ہے۔

رعایت حق زوج کی پابندی

ہمارے شیخ کہتے ہیں کہ صواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ عدت وفات انقضاء نکاح اور رعایت حق زوج سے عبارت ہے، بیوہ عورت عدت وفات میں رعایت حق زوج کی پابند ہوتی ہے، لہذا یہ عدت اس عقد کے لیے حریم بن جاتی ہے جس میں اس کے لیے شان وخطر ہے، اس طرح نکاح اول اور نکاح ثانی میں فصل پیدا ہو جاتا ہے، اور دونوں نکاح متصل نہیں ہونے پاتے،

کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عظیم حق کے باعث ازواج مطہرات کو اپنے بعد محرمات قرار دیا، لیکن یہ بات صرف رسول کے ساتھ خاص ہے، اس لیے کہ جو خواتین اس دنیا میں آپ کی ازواج تھیں وہ آخرت میں بھی آپ کی ازواج ہوں گی، لیکن دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ صورت نہیں ہے، کیونکہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی یہ اجازت ہوتی کہ وہ اپنی وفات کے بعد اپنی بیویوں کو دوسروں پر حرام کر جائیں تو بیوہ عورتیں سخت دشواری اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ عورت کا دوسرا شوہر پہلے شوہر سے بہتر ہو اور وہ اس سے محروم رہ جائے۔

اولاد کے لیے ماں کے ایثار کی فضیلت

لیکن اگر اولاد کی فلاح و تربیت کے لیے وہ رضا کارانہ طور پر بیوگی کی زندگی گزار دے تو یہ ایک مستحسن چیز ہے اور بالکل الگ بات ہے، حدیث میں ایسی عورت کے لیے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس صاحب منصب وجمال بیوہ عورت نے اپنے بچوں (کی فلاح و تربیت کے لیے) اپنے کو (دوسری شادی سے روک لیا) قیامت کے دن میں اور وہ ان دو انگلیوں (انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی) کی طرح ہوں گے،!

عہد جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدت

جاہلیت (عہد قبل از اسلام) میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال

ہوتی تھی، لیکن اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے تخفیف کرکے اسے چار مہینے دس دن کردیا، کیونکہ اس عرصہ میں مدح کے اندر روح پیدا ہوجاتی ہے، اور اس مدت میں برأت رحم حاصل ہوجاتی ہے، اور یہی مقصد ہے عدّت وفات کا،[۱]

---

[۱] یوں تو عورت کو شوہر کی وفات کے بعد، دوسری شادی کرلینے کا پورا پورا حق ہے، اور اس حق پر کسی طرح کی پابندی نہیں، لیکن جو عورت اپنے بچوں کے لیے ایثار کرتی ہے، اور اپنا مستقبل ان کے مستقبل پر، اپنی راحت ان کی راحت پر قربان کردیتی ہے، وہ بہرحال انسانیت کبریٰ کے مرتبہ پر فائز ہے، اور اس کا یہ کارنامہ اس قابل ہے کہ اللہ اور رسول کی بارگاہ سے اسے نوازا جائے۔

خلع کی بحث

مختلعہ کی عدت ایک حیض

تین حیض

صفحہ 295 (آخری سطریں)

عدّت طلاق ،

ایک پیچیدہ اور مختلف فیہ مسئلہ اور اس کے متعلقات

عدت طلاق ایک مشکل مسئلہ ہے ، کیونکہ اس کی تعلیل بایں طور ممکن نہیں ۔ عدت طلاق مسیس (تمتع) کے بعد واجب ہوتی ہے ، چونکہ طلاق نکاح کو منقطع کردیتی ہے ۔ لہٰذا اس میں مسمّٰی بھی تنصیف ہوجاتی ہے ۔ اور مہر مثل ساقط ہوجاتا ہے ، عدت طلاق بایں طور واجب ہوتی ہے کہ دوران عدت میں رجعت ممکن ہو ، کیونکہ اس عدت میں شوہر کا حق ہے ، اللہ کا حق ہے ، اولاد کا حق ہے اور ناکح ثانی کا حق ہے ۔

حقوق سہ گانہ

شوہر کا حق یہ ہے کہ عدت کے زمانہ میں اس کا حق قائم ہے ۔

اللہ کا حق یہ ہے کہ دوران عدت میں شوہر اسے گھر کے اندر عزت اور احترام کے ساتھ رکھے ، جیساکہ اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کی نص ہے ۔ امام احمدؒ سے بھی یہی منصوص ہے ، اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے ۔

اولاد کا حق یہ ہے کہ اس کا نسب ضائع نہ ہو ۔ پدر صحیح کی طرف اس کی نسبت ہوسکے ۔

خود عورت کا حق یہ ہے کہ زمانۂ عدت میں اپنا نفقہ حاصل کرسکے اور اس اثنا میں اسے بیوی کے حقوق حاصل رہیں ۔ موت کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوسکیں ۔

عدت درحقیقت شوہر کا حق ہے

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے ۔ عدت درحقیقت شوہر کا حق ہے ، جیساکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

یاایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا ۔

اس آیت میں " فما لکم علیھن عدۃ " (یعنی اگر تم قبل از تمتع بیوی کو طلاق دے

تو پھر اس پر تمہاری عدت نہیں ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ عدت مرد کے لیے ہے جو عورت پر واجب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وبعولتھن احق بردھن

اس آیت میں شوہر کو دوران مدت میں اسے واپس لینے کا حق دیا۔ یہ ہے اس کا حق، اور عدت، تین قروء (حیض) یا تین مہینے تک طویل ہوجائے تو یہ اس لیے ہے کہ شوہر اچھی طرح رائے قائم کرلے کہ طلاق واپس لے کر اسے روک لے، یا معقولیت اور شرافت کے ساتھ رخصت کردے۔ یہ تخییر مطلق ہے۔

بلوغ اجل سے مراد کیا ہے

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف

بلوغ اجل سے مراد اس آیت میں مجاوزت ہے۔

نیز اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف

یہاں مراد شوہر کی مقاربت اور مشارفت ہے۔

اغتسال شرط رجعت ہے

جمہور صحابہؓ کا قول ہے کہ عورت کا حیض سے فارغ ہو کر غسل کرلینا شرط رجعت ہے۔ اس کے بعد ہی شوہر اس سے تمتع کرسکتا ہے۔ گویا صحابہؓ کے نزدیک اغتسال شرط نکاح ہے، خواہ وہ صرف عقد ہو، یا ایسا نکاح ہو جو تمتع کا ہو۔

اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں:

۱۔ اغتسال شرط نہیں ہے، نہ عقد میں، نہ نکاح وطی (جماع) میں، جیسا اہل ظاہر کہتے ہیں۔

۲۔ اغتسال دونوں نکاحوں (عقدہ اور نکاح وطی) میں شرط ہے، یہ احمد رحمۃ اللہ، اور جمہور صحابہؓ کا مسلک ہے۔

۳۔ اغتسال صرف نکاح وطءؒ میں شرط ہے۔ نکاح عقد میں نہیں۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی قول اور مسلک ہے۔

۴۔ اغتسال دونوں نکاحوں میں شرط ہے، خواہ وہ نکاح عقد ہو، یا نکاح وطء۔

اغتسال فراغت از حیض کا ثبوت ہے

عورت کا اغتسال اس بات کا ثبوت ہے کہ اب وہ غسل سے فارغ ہوگئی اور حیض کی مدت مکمل طور پر پوری ہوگئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تقربوھن حتیٰ یطھرن فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللّٰہ

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عورت کو حکم دیا ہے کہ وہ تین قروء تک انتظار کرے، جب تیسرا قرء (حیض) گزر جائے، تو اس کی اجل (عدت) ختم ہوگئی۔

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے دو حیضوں کے بعد کا لفظ نہیں فرمایا، بلکہ بلوغ اجل کے وقت شوہر کو امساک[1] اور تسریح[2] کا اختیار دیا۔

پس ظاہر قرآن سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو کچھ سمجھا ہے یہ ہے کہ تیسرے قرء کے اختتام پر، شوہر کو، امساک بالمعروف[3] اور تسریح بالاحسان[4] کا اختیار ہے۔

اس اعتبار سے قرآن میں بلوغ اجل ایک ہے۔ اس کی دو قسمیں نہیں ہیں، اور وہ ہے مدت کا استیفا اور استکمال، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف

حیض سے فراغت کے بعد عورت حلال ہو جاتی ہے

جو لوگ بلوغ اجل سے مراد مقارنت لیتے ہیں

---

[1] یعنی طلاق دینے کے بعد رجعت کر لینا۔

[2] یعنی طلاق دینے کے بعد رجعت نہ کرنا، اور بیوی کو چھوڑ دینا۔

[3] امساک بالمعروف سے مراد ہے، معقولیت اور قاعدے کے مطابق بیوی کو روک لینا یعنی رجعت کر لینا۔

[4] تسریح بالاحسان سے مراد ہے، بیوی کو اچھی طرح دے دلا کر، اخلاق اور شائستگی کے ساتھ رخصت کر دینا۔

ان کے نزدیک حیض سے فارغ ہونے کے بعد عورت حلال ہے اور اب اسے جو چاہے پیغام نکاح دے سکتا ہے اور وہ جس کا چاہے پیام نکاح قبول کر سکتی ہے اور اب شوہر کو رجعت کا حق باقی نہیں رہا۔ یہ حق صرف اس وقت تک تھا جب تک وہ دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوئی تھی اس ظن کا منشا یہ ہے کہ عورت بلوغ اجل کے ساتھ ہی دوسرے مرد کے لیے حلال ہوجاتی ہے

مطلقہ کو تین قروء تک انتظار کرنا چاہیے

لیکن قرآن سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، کہ بلوغ اجل ہی کے ساتھ عورت دوسرے مرد پر حلال ہوجاتی ہے، بلکہ قرآن نے یہ لازم قرار دیا ہے کہ مطلقہ تین قروء تک انتظار کرے۔

اور پھر ارشاد فرمایا:

" اذا بلغت اجلها فاما ان تمسك بمعروف ، واما ان تسرح باحسان (یعنی، بلوغ اجل کے بعد، یا تو قاعدے کے موافق وہ روک لی جائے ، یا معقولیت کے ساتھ رخصت کر دی جائے۔)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس امساک اور تسریح کو طلاق کے فوراً بعد ذکر فرمایا ہے۔

الطلاق مرتان ، فامساك بمعروف ، اوتسریح باحسان (یعنی طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر تو قاعدے کے موافق رجعت ہے یا معقولیت کے ساتھ رخصت)

پھر ارشاد فرمایا:

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن

یہاں " ان ینکحن ازواجهن (یعنی انھیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو) سے مراد پہلے شوہر سے تزویج ہے اور مطلق طور پر اسے حق رجعت حاصل ہے اور " عضل " (روکنا) کی ممانعت شوہر کے حق کو اور زیادہ موکد طور پر ثابت کرتی ہے

بلوغ اجل اور قرآن کریم

قرآن میں یہ کہیں وارد نہیں ہوا ہے کہ بلوغ اجل کے فوراً بعد عورت حلال ہوجاتی ہے ، اور اسے منگنی کرنے یا منگنی قبول کرنے کا حق حاصل ہوجاتا ہے، بلکہ اس حالت میں (بلوغ اجل کے بعد) شوہر کو حق حاصل ہے کہ یا تو اُسے روک لے ، یعنی اس سے رجعت کرلے ، قاعدے کے موافق ، یا اسے شرافت ، اور

بھلنسایت کے ساتھ رخصت کر دے، جب شوہر معقولیت اور شرافت کے ساتھ رخصت کر دے تب وہ دوسرے مرد کے لیے حلال ہوگی۔ اور اسے دوسرے مرد سے شادی کرنے یا اس کا پیام قبول کرنے کی اجازت ہوگی۔

پس قرآن کی دلالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی عدت جب ختم ہو جائے ــــ اور یہ عدت تین قروء کا انقطاع دم کے ساتھ پورا ہوتا ہے ــــ تب یا تو غسل طہارت کرنے سے پہلے روک لی جائے، یعنی اس سے رجعت کر لی جائے۔ پھر وہ غسل کر لے گی۔ یا رخصت کر دی جائے۔ اس صورت میں بھی بعد میں وہ غسل کرے گی اور پھر اسے حق ہوگا کہ جس سے چاہے شادی کر لے۔

صحابۂ کرام کی فہم و قدر کا اندازہ

اس سے فہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر کا بھی اندازہ ہوتا ہے ؛ انھوں نے جو کچھ سمجھا، اور جو کچھ فرمایا، وہ ان کے غایت اجتہاد کا ثبوت ہے۔

بلوغ اجل کے ساتھ تخییر کی شرط کیوں ؟

اگر یہ کہا جائے کہ عورت سے اس ساری مدت میں جب تک وہ غسل نہ کرلے شوہر کو رجعت کر لینے کا حق حاصل تھا پھر بلوغ اجل کے ساتھ تخییر کی قید کیوں لگائی گئی ؟

جواب یہ ہے کہ یہ قید مدت عدت کی تبیین اور وضاحت کے لیے لگائی گئی کہ اتنے عرصہ تک اسے انتظار کرنا ہے۔ اور یہ انتظار حق زوج (شوہر) کے لیے ہے۔

"متربصن" کے معنی انتظار کے ہیں، اس عرصہ میں عورت گویا اس کی منتظر رہتی ہے کہ آیا وہ روک لی جائے گی یا رخصت کر دی جائے گی ؟ اور یہ تخییر اوّل مدت سے آخر مدت تک ثابت ہے اور احسان کے ساتھ رخصت کر دینا ممکن ہی اس وقت ہے جب بلوغ اجل ہو جائے۔ اس سے پہلے کا زمانہ تو درحقیقت عدت ہی کا زمانہ ہے۔

تسریح باحسان اور ظاہر قرآن

کہا گیا ہے کہ تسریح باحسان، انقضائے عدت کے وقت موثر ہے لیکن ظاہر قرآن اس کے خلاف ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تسریح باحسان کے لیے بلوغ اجل کا وقت مقرر کیا ہے اور معلوم ہے یہ ترک اوّل مدت

ثابت ہے۔ لہٰذا صواب اور درست صورت یہ ہے کہ بلوغ اجل کے بعد عورت کو اس کے اہل تک پہنچا دینا اور اس سے دستبردار ہو جانا تسریح ہے، کیونکہ مدت عدت تک عورت کو روکے رکھنا شوہر کے اختیار کی چیز ہے۔ پھر جب بلوغ اجل کا وقت آگیا تب شوہر کے لیے ضروری ہوگا کہ اسے روک لے جس کا اسے حق ہے، یا اسے رخصت کر دے جو اس پر واجب ہے۔

مطلقہ قبل مسیس اور قرآن | مطلقہ قبل مسیس (تمتع) کے بارے میں ارشاد خداوندی اس بات کی دلیل ہے۔

فما لكم عليهن من عدة تعتدونها فمتعوهن وسرحوهن سراحاً جميلا

اس آیت میں سراح جمیل کا حکم ہے نہ کہ عدت کا، پس معلوم ہوا کہ تخلیہ سبیل (راستہ چھوڑ دینے) کا مطلب ہوگا۔ عورت کو اس کے میکہ تک واپس پہنچا دینا، اس کے بعد ہی اس کی تطلیق اور اس کا راستہ چھوڑ دینے کی تکمیل ہوگی چونکہ اس سے قبل اطلاق تام نہیں تھا۔ اس سے قبل شوہر کو بس یہ حق تھا، یا روک لے یا رخصت کر دے، کیونکہ دوسرے مرد کے مقابلہ میں طلاق دینے والے شوہر کو بہ زمانۂ تربص (انتظار)، مطلقہ عورت پر (روک لینے یا رخصت کر دینے کا) پورا حق ہے۔ اور تربص کی مدت تین قروء ہے، اس کی تائید کئی باتوں سے ہوتی ہے۔

مختلعہ کی مدت ایک حیض | (۱) شارع نے عدت مختلعہ[1] صرف ایک حیض رکھی ہے، جیسا کہ سنت سے ثابت ہے، حضرت عثمان بن عفان، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی ثابت ہے۔ ابن جعفر النحاس نے اپنی کتاب ناسخ و منسوخ میں اس پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کیا ہے۔ اسحاق اور احمد بن حنبل کا مذہب یہی ہے۔

مختلعہ عدت کی پابند نہیں ہے | چونکہ مختلعہ سے شوہر رجعت نہیں کر سکتا، لہٰذا وہ عدت کی بھی پابند نہیں ہے، صرف ایک حیض سے استبراء کافی ہے۔ اس کے بعد وہ بائنہ ہو جائے گی اور اپنی مالک ہو جائے گی۔ چونکہ اب شوہر کو اسے روکنے یعنی اس سے رجعت کرنے کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا عورت کو تطویل عدت میں مبتلا کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ مقصود برأت رحم تھا۔ وہ ایک حیض کے بعد استبراء سے حاصل ہو گیا۔ لہٰذا

[1] جس عورت نے خلع لی ہو

مجرد استبراء کافی ہے۔

طلاق بائن کی شرط مشروعیت

(۲) اللہ تعالیٰ نے تمتع اور مباشرت کے بعد، طلاق بائن صرف تین کی صورت میں مشروع کی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں جس طلاق کا مذکور ہے وہ رجعی ہے۔

طلاق محرم میں تربص حریم نکاح ہے

اگر کہا جائے کہ استیفاء عدت قروء ثلاثہ اور تخییر کے باعث یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ازروئے حدیث واقعہ بریرہ سے ثابت ہے۔ تو جواب میں ہم کہیں گے کہ زوجہ کے لیے طلاق محرم میں تربص شوہر کے حق رجعت کے باعث نہیں ہے۔ بلکہ یہ حریم ہے نکاح کے لیے اور عقوبت ہے شوہر کے لیے۔ کیونکہ اگر اسے یہ اجازت ہوتی کہ ایک حیض کے بعد مجرد استبراء سے وہ پھر دوسری مرتبہ شادی کرلے اور پھر طلاق دے دے، خواہ قصد تحلیل سے، یا اس کے بغیر تو بڑی آسانی سے عورت شوہر کے ہاتھ پھر آجاتی، اور شارع نے تیسری طلاق کے بعد اسے حرام کر دیا ہے تاکہ شوہر کو سزا مل سکے۔ کیونکہ طلاق اللہ کے نزدیک ابغض الحلال ہے۔ یہ صرف (شدید) ضرورت کے وقت مباح ہے۔ اس کے بعد عورت اس وقت تک پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک دوسرے مرد سے نکاح کر کے آزاد نہ ہو جائے۔

اور یہ عین حکمت ہے، وہ دوسرے مرد سے شادی نہیں کر سکتی جب تک تین قروء تک انتظار نہ کرلے اور اس میں اسے کوئی ضرر نہیں کیونکہ ہر مرتبہ کی طلاق کے بعد تین قروء تک بہر حال اسے انتظار کرنا ہے۔ یہ تربص ایک مصلحت کے ماتحت ہے، اور یہ تربص جو تین قروء کا ہے، تمام عقوبت ہے شوہر کے لیے۔ اسے جو عقوبت ملی ہے وہ تین طرح سے ہے۔

شوہر کی عقوبت سہ گانہ

طلاق مغلظہ کے باعث شوہر کو جو تین طرح کی عقوبت پہنچتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

تین قروء تک تربص

(۱) اس پر اس کی رفیقہ حیات حرام ہو جاتی ہے۔ اور وہ تین قروء تک تربص کرتی ہے۔

حلالہ کی شرط

(۲) اب وہ اس وقت تک شوہر کے لیے جائز نہیں ہو سکتی جب تک اس سے

دوسرا شوہر لذت اندوز نہ ہو لے۔

(۳) الیقاع بغیض (طلاق مغلظہ) کی یہ بہت بڑی عقوبت ہو کہ ہے کیونکہ دوسرے آدمی سے نکاح کیے، اور اس سے لذت اندوز ہوئے بغیر وہ اب اس پر حلال نہیں ہوسکتی۔ اور دوسرے شوہر سے چھٹکارا صرف اس کی مرضی پر ہے، نہ کہ عورت کی مرضی پر۔

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ دوسرا نکاح اس اصول کے مطابق ہوا ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے اور جسے ان کی معاش و معاد، اور حصول رحمت اور وداد کا سبب بنایا ہے۔ اس صورت میں دوسرا شوہر، محض سابقہ شوہر کے خیال سے اپنی بیوی کو طلاق دینے سے رہا، بلکہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روک کے رکھے گا۔ دنیا میں کسی شخص کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ اس سے اسے چھین کر سابقہ شوہر کے حوالے کر دے۔

البتہ عدت یا طلاق کے باعث بطور خود یہ دونوں جدا ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔ اب سابقہ شوہر کے لیے اس سے نکاح کرنا ممکن ہے۔

شریعت محمدیؐ اور شریعت موسویؑ و عیسویؑ کا فرق

اور یہ وہ امر ہے جسے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی شریعت کاملہ و مہیمنہ میں حرام نہیں قرار دیا ہے۔ بہ خلاف ہماری شریعت کے دوسری شریعتوں میں یہ سہولت موجود نہیں ہے۔

چنانچہ شریعت توراۃ میں یہ حکم ہے کہ طلاق اور افتراق کے بعد بیوی اگر دوسرے شخص سے شادی کر لے، تو اب زندگی میں پھر کبھی اور کسی صورت میں بھی سابقہ شوہر سے شادی نہیں کر سکتی۔ اب اس کے لیے تا ابد حلال نہیں ہوگی۔

شریعت انجیل کا حکم یہ ہے کہ بیوی کو سرے سے طلاق ہی نہیں دی جا سکتی۔

پھر ہماری شریعت کاملہ فاضلہ جو ہر اعتبار سے کامل، مکمل، جامع اور مجموعہ حسنات ہے، نمودار ہوئی اور اس نے خلق کے مناسب احوال احکام دیئے۔

حلالہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے

چنانچہ گو نکاح ثانی کے فسخ یا انقطاع کے بعد سابق شوہر کو مطلقہ بیوی سے نکاح کی اجازت دے دی۔ لیکن

حلالہ[1] کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

---

[1] حلالہ سے مراد ہے۔ طلاق مغلظہ دے کر، چور دروازہ سے مطلقہ بیوی کو حاصل کرلینا۔ مثلاً زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی۔ پھر اپنے کیے پر نادم ہوا، اور پچھتایا، چاہا کہ اسے پھر حاصل کرے، لیکن کس طرح حاصل کرے؟ رجعت کا حق اب اسے حاصل نہیں رہا۔ تجدید نکاح بھی شرعی طور پر اب ممکن نہیں پھر کیا ہو؟

اس نے سوچا کسی طرح پہلے بیوی کو راضی کرلے۔ جب وہ راضی ہوجائے تو کسی آدمی کو کچھ دے دلا کر، اس پر آمادہ کرے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرلے، لیکن اسے ہاتھ نہ لگائے۔ اس کی صورت نہ دیکھے۔ اس سے حق شوہری نہ حاصل کرے۔ وہ اس پر راضی ہوگیا، اس نے نکاح کرلیا اور طلاق دے دی، سابقہ شوہر نے اس طلاق کے بعد پھر نکاح کرلیا، کیونکہ قانونی خانہ پری ہوگئی ـــــ لیکن ظاہر ہے یہ شریعت کے ساتھ مذاق ہے۔

نکاح کوئی آدمی کسی عورت سے طلاق دینے کے لیے تو نہیں کرتا۔ یہ تو عہد ہے، جو میاں بیوی حسن سلوک، نباہ اور وفا کا باندھتا ہے یہ عہد عمل میں آنے سے پہلے کس طرح ٹوٹ سکتا ہے؟

یہ دوسرا نکاح کامیاب نہ ثابت ہو، تو بے شک دوسرا شوہر طلاق دے سکتا ہے اور وہ عورت سابق شوہر پر حلال ہوسکتی ہے۔ لیکن اس نکاح کا کامیاب نہ ہونا تو تجربہ کے بعد ہی معلوم ہوسکتا ہے دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہیں بسیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ کوئی اختلاف یا بدمزگی پیدا ہوجائے تو اسے دور کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ اس کے بعد بھی اگر اندازہ ہو، کہ نباہ نہیں ہوسکتا تو دونوں جدا ہوجائیں۔ یہ الگ بات ہے لیکن یہ کچھ نہ ہو، قاضی نے نکاح کے دو بول پڑھائے اور دوسرے شوہر نے "ہاں" کہنے کے بعد ہی طلاق دے دی، اگر اسے شریعت کے ساتھ تمسخر نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے گا؟

پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھیے کہ طلاق اندھا دھند نہیں دی جاسکتی۔ اس کے کچھ شرائط ہیں، کچھ آداب ہیں، کچھ اصول ہیں۔ ان سب کو یکسر نظر انداز کردینا، اور کچھ روپے لے کر سابق شوہر کو پھر حق زوجیت حاصل کرنے میں مدد دینا کیا مکر و فریب نہیں ہے۔

اور مکر و فریب بھی کس کے ساتھ؟ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محلِّل[1] اور محلَّل[2] پر لعنت ہو!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پر لعنت کی ہے۔ یہ لعنت یا تو خبر ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے دونوں پر وقوعِ لعنت کی، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بددعا ہے دونوں کے لیے۔

(بقیہ حاشیہ) خدا کے ساتھ

یہ کتنی بڑی جرأت اور دیدہ دلیری ہے، جو کوئی شخص خدا اور شریعت حقہ اور شارع کے ساتھ روا رکھ سکتا ہے؟

کیا ایسا شخص بھی لعنت کا مستحق نہیں ہوگا؟

طلاق ویسے بھی ابغض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ نامرغوب اور ناپسندیدہ اور مکروہ فعل۔

یہ حال تو اس طلاق کا ہے، جو "مرتان" ہے، یعنی دو مرتبہ کر کے دی جاتی ہے اور از روئے شرع ہر اعتبار سے جائز اور مکمل ہے۔ لیکن جو طلاق، ان حدود و شروط کو توڑ کر دی جائے، وہ تو قریب قریب ناجائز کے درجہ میں ہے۔ چنانچہ بعض اہل ائمہ فقہ اس کے قائل ہی نہیں ہیں۔ یعنی وہ اسے جائز نہیں سمجھتے، لہٰذا اس کا لفظ ہی نہیں رکھتے۔

طلاق مغلظہ کا جواز یا عدم جواز ایک دوسری چیز ہے، اس پر بحث کرنے کا یہ محل نہیں، لیکن طلاق بائن کی صورت میں بھی، شوہر یہ حق کھو بیٹھتا ہے کہ اس سے شادی کر سکے۔ جب تک عورت کسی دوسرے مرد سے باقاعدہ شادی نہ کرے اور باقاعدہ بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کر کے کسی حسن اتفاق — موت یا طلاق — کے باعث، وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو جاتی۔

شریعت نے طلاق کے جو حدود و شرائط مقرر کیے ہیں ان سے تجاوز کرنا کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی ذمہ داری پر ایسا کرتا ہے تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو ۔۔۔ گندم از گندم بروید جو ز جو،

گندم بو کر جو، اور جو بو کر گندم نہیں حاصل کیا جا سکتا۔

[1] محلِّل وہ مرد ہے، جو (اجرت لے کر) حلالہ کرے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس سے ثابت ہوا کہ حلالہ حرام ہے۔ اور اس کا شمار گناہ کبیرہ میں ہے۔

ابن اللبان کا بیان

لیکن اس مسئلہ میں بعض دوسرے مسلک بھی ہیں ابن اللبان الفرضی صاحب "الایجاز" وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں، وہ تین قروء تک انتظار نہیں کرے گی، صرف ایک حیض کے بعد استبراء رحم کافی ہے۔ اسے حسین بن قاضی ابی یعلیٰ نے کہا ہے۔

مسئلہ یوں ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اس سے تمتع اور مباشرت کے بعد دیں تو اس کی عدت تین قروء ہے۔

ابن اللبان کہتے ہیں اس پر ایک حیض کے بعد استبراء ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء

ابوالحسین اس کے خلاف کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

آئسہ اور غیر حائضہ کی عدت کا مسئلہ

مسئلہ یوں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیتا ہے اور وہ ایسی ہے کہ ابھی اسے حیض نہیں آتا، یا بوڑھی ہے اور آئسہ ہو چکی ہے، تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی، لیکن ابن لبان، اس کے لیے عدت ہی نہیں تسلیم کرتے وہ کہتے ہیں ایک حیض کے بعد استبراء کافی ہے۔ اور دلیل دیتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:۔

(باقی حاشیہ) محلل وہ عورت ہے، جو ایسے شخص سے شادی کرنے پر رضا مند ہوتی ہے۔

عورت اس لیے لعنت کی سزاوار ٹھیری کہ اس نے بھی اس معاملہ میں شریعت کے خلاف سابق شوہر کا ساتھ دیا، حالانکہ اسے کسی طرح بھی حلالہ کرانے پر، یعنی غلط اور ناجائز طور پر سابق شوہر کی خاطر، دوسرے شخص کی عارضی اور وقتی بیوی بن کر طلاق نہیں لینا چاہیے تھی۔

اسی طرح وہ بھی برابر کی مجرم ٹھہری، لہٰذا جس طرح حلالہ کرنے والا سزاوار لعنت ہے اسی طرح حلالہ کرانے والی بھی مستحق لعن ہوگی۔

واللائی یئسن عن المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن ۔

سنت تین قروء ہے ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ جب سنت تین قروء ہے تو اس کی مخالفت جائز نہیں ہے ، اگرچہ اس پر اجماع نہ ہو ۔ آپؐ نے فاطمہ بنت قیس کو جو حکم دیا تھا وہ عدت کا تھا ، جس سے علماء نے تین قروء کا معنی لیا ہے ۔

باقی رہی حدیث عائشہ ، تو وہ منکر ہے ، کیونکہ حضرت عائشہ اقراء سے اطہار مراد لیتی ہیں

عدّت رجعیہ اور بائن

وہ عورت جس سے رجعت ہو سکے اور وہ عورت جس سے رجعت کا وقت نکل جائے

بائن اور رجعیہ[1] کی عدت میں جو فرق بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے:

عدت رجعیہ زوج (شوہر) کے لیے ہے، دوران عدت میں عورت کے قیام وطعام (نفقہ اور سکنیٰ) کا انتظام مرد پر ہوگا، اس مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

عورت کے لیے شرط مکان کا مسئلہ مہمہ

سکنیٰ (جائے قیام) کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ سکنیٰ وہی ہے جو زوجہ کا ہوتا ہے؟ اور بایں صورت کیا عورت اپنی حسب مرضی جہاں چاہے جا سکتی اور جہاں چاہے رہ سکتی ہے یا وہ شوہر کے گھر میں رہنے پر مجبور ہے، نہ وہ خود جا سکتی ہے، نہ اسے جانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے،

اس مسئلہ میں دو قول ہیں،

دوسرا قول یہی آخری قول ہے، یہ امام احمد، اور امام ابو حنیفہ، رحمہا اللہ سے منصوص

---

[1] رجعیہ سے مراد وہ عورت ہے، جسے طلاق رجعی دی گئی ہو، یعنی دوران عدت میں شوہر طلاق واپس لے سکے، اور اسے پھر بیوی بنا لے۔

[2] بائن سے مراد وہ عورت ہے، جسے طلاق بائن یعنی جدا کر دینے والی طلاق ملی ہو، اور پھر وہ بیوی نہ بنائی جا سکے۔

ہے، قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے،

پہلا قول امام شافعی رحمۃ اللہ کا ہے، بعض اصحاب امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

رجعیہ اور بیوہ کا سکنیٰ یکساں ہے

لیکن مبنی برصواب قول وہ ہے جس کی تائید قرآن سے ہوتی ہے، کیونکہ رجعیہ کا سکنیٰ ایسا ہی ہے جیسا بیوہ کا ہوتا ہے، دونوں اگر اس کے اسقاط پر راضی ہو جائیں تو بھی جائز نہیں ہوگا، جس طرح عدت میں ہوتا ہے۔

بائن کو سکنیٰ کا حق نہیں حاصل ہے

بہ خلاف بائن کے، کیونکہ اسے سکنیٰ کا حق نہیں ہے، شوہر کو حق ہے کہ اسے اپنے گھر میں نہ رہنے دے۔ اور اسے خود بھی چاہئے کہ نہ رہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا تھا۔

"اب نہ تجھے نفقہ کا حق ہے نہ سکنیٰ کا"!

رجعت شوہر کا حق ہے یا خدا؟

لیکن رجعت! — آیا یہ زوج (شوہر) کا حق ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک مرتبہ طلاق بائنہ دے کر اسے ساقط کر دے یا یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے۔ جو ساقط نہیں ہو سکتا؟ اگر شوہر بیوی سے یہ کہے کہ:

"تجھے بائنہ طلاق ہے"!

تو بھی چونکہ حق رجعت ساقط نہیں ہوا، اس لیے طلاق رجعی واقعہ ہوگی؟ یا دونوں کو یہ حق ہوگا کہ اگر چاہیں تو باہمی رضامندی سے خلع بلاعوض کر لیں؟ آیا اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور رجعت کا حق شوہر کو نہیں رہے گا؟

اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں،

پہلا قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ عنہ کا مذہب ہے، اور روایات امام احمدؒ میں سے ایک روایت یہ بھی ہے،

دوسرا قول امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور روایات امام احمدؒ میں سے دوسری روایت

یہی ہے۔

تیسرا قول امام مالک کا ہے، اور روایات احمد میں سے تیسری روایت ہے۔

رجعت درحقیقت خدائے تعالیٰ کا حق ہے

لیکن صواب یہ ہے کہ رجعت اللہ تعالیٰ کا حق ہے، دونوں اس کے اسقاط کا حق نہیں رکھتے، اور شوہر کو یہ حق بھی نہیں ہے کہ بیوی کو طلاق بائنہ دیدے اگرچہ وہ خود بھی کیوں نہ رضا مند ہوگئی ہو، بالکل اسی طرح جیسے دونوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ فسخ نکاح بلا عوض پر متفق ہو جائیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر خلع بلا عوض کیسے جائز ہوگی؟ جیسا کہ مالک اور احمد رحمہا اللہ کا مسلک ہے، اور کیا خلع بلا عوض اور فسخ نکاح بلا عوض یکساں نہیں ہیں؟ دونوں میں رضا مندی طرفین پائی جاتی ہے،

طلاق بہ صورت فسخ جائز نہیں

جواب میں کہا گیا ہے کہ احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق خلع بلا عوض جائز ہے، لیکن طلاق اگر بہ صورت فسخ ہو تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ جائز ہو جائے تو پھر عدد طلاق میں کمی کیے بغیر بار بار یہ کھیل کھیلا جا سکتا ہے، اور ان دونوں کو حق رہے گا کہ جب مرضی ہو چاہیں کرتے رہیں، جب چاہیں تین طلاقوں کے مابین جدائی اختیار کرلیں جب چاہیں ایک ہو جائیں، اور شوہر کو یہ حق تخییر مل جائے کہ جب عورت طلاق کے بعد اس کی نوعیت کے بارے میں سوال کرے۔ تو جب چاہے رجعی کہہ کر واپس لے لے، اور جب چاہے، بائن کہہ کر اسے رخصت کرے اور یہ ممتنع ہے، کیونکہ عملی طور پر اسے حق مل گیا کہ تین مرتبہ کے بعد بھی جب چاہے بیوی کو حرام کرلے جب چاہے حلال کرلے۔

اور قبول کا اختیار صرف مباحات میں ہے

اور ممتنع یوں ہے کہ کسی شخص کو حلال حرام کے مابین اور قبول کا اختیار دے دیا جائے، یہ اختیار رد مباح باتوں میں تو دیا جا سکتا ہے، لیکن انشاء تحلیل و تحریم کا حق نہیں دیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے ایک کے بعد ایک طلاق مشروع کی ہے، ایک ہی مرتبہ میں اس

کا ایقاع مشروع نہیں کیا ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے، کہ بعد میں اگر نادم ہو، تو اپنے فعل کی بہ آسانی تلافی کر سکے، اگر شارع نے ابتدا ہی میں سے طلاق بائنہ کا حق دیدیا ہوتا تو محذور (خطرہ) لعینہ موجود رہتا، چونکہ شریعت مصالح عیار پر مشتمل ہے، لہٰذا وہ یہ حق دینے سے انکار کرتی ہے کیونکہ اس صورت میں اختیار عورت کے ہاتھ میں چلا جاتا، اگر وہ چاہتی تو رجعت پر رضامند ہوتی، نہ چاہتی تو نہ ہوتی، اور اللہ نے طلاق کا اختیار زوج (شوہر) کے ہاتھ میں رکھا ہے، عورت کے ہاتھ میں نہیں، اور یہ اس کی رحمت اور احسان ہے۔

مراعات مصلحت زوجین

اس میں مراعات مصلحت زوجین ملحوظ رکھی گئی ہیں، ہاں یہ درست ہے کہ شوہر چاہے تو وہ بیوی کو یہ اختیار دیدے کہ چاہے اس کے ساتھ رہے چاہے نہ رہے، لیکن اگر معاملہ شوہر کے ہاتھ سے بالکلیہ (طلاق بائنہ کی صورت میں) نکل جائے تو یہ بات ممکن نہ ہوگی، لہٰذا نہ وہ حق رجعت ساقط کر سکتا ہے نہ اس کا مالک ہے۔

شارع نے بندے کو نافع کی ملکیت دی ہے مضر کی نہیں

شارع نے بندے کو اس چیز کا مالک بنایا ہے جس سے اسے نفع پہنچے، اس کا نہیں جس سے اسے ضرر پہنچے، یہی وجہ ہے کہ اسے تین طلاقوں سے زیادہ کا مالک نہیں بنایا، لیکن تینوں کا بیک وقت مالک نہیں بنایا، نہ زمانہ حیض میں اسے طلاق کا مالک بنایا، نہ چار سے زیادہ شادیاں کرنے کا مالک بنایا، نہ عورت کو طلاق کا مالک بنایا، جب طلاق کا مالک عورت کو نہیں بنایا تو رجعت کا بھی نہیں بنایا، اور مرد کو جس طرح طلاق بائنہ کا مالک نہیں بنایا، یک مرتبہ محرم کا مالک بھی نہیں بنایا، پس جب وہ اسقاط رجعت کا مالک نہیں ہے اثبات کا مالک کیسے ہو سکتا ہے؟

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ پھر تو مرد دو طلاقیں دینے کے بعد بھی تیسری کا مالک نہیں ہوا، تو یہ غلط ہے، اللہ نے اسے طلاق کا حکم اس طرح دیا ہے کہ پہلے ایک طلاق دے، اب انقضائے عدت تک اسے رجعت کا حق حاصل ہے، پھر مناسب سمجھے تو دوسری اسی طرح دیدے، اب

ایک طلاق کی ملکیت باقی رہ گئی، اسے بھی استعمال کرلے تو عورت اس تدریج کے بعد اس پر حرام ہوگئی، جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔ اللہ نے ملکیت یوں دی ہے نہ کہ یوں کہ دوسرے مدارج چھوڑ کر بیک جست طلاق حرام کو، بغیر دو[2] طلاقیں دیتے ہوئے اختیار کرلے[1]۔

---

[1] جو طلاق فوری طور پر دی جائے، اور وہ بھی مغلظہ، ظاہر ہے وہ وقتی برہمی اور اشتعال کا نتیجہ ہوتی ہے، جس پر بعد میں پچھتانا لازمی ہے،

میاں بیوی کی تفریق ہنسی کھیل ہے، یہ دو ہستیوں کا معاملہ نہیں ہے، یہ انفرادی معاملہ بھی نہیں یہ یکسر ذاتی معاملہ بھی نہیں کہا جاسکتا، اس کے ساتھ خاندان کی عزت، ذاتی حرمت، اولاد کا مستقبل، بہت سی چیزیں وابستہ ہوتی ہیں، لہذا مصلحت عمل کا تقاضا یہی ہے کہ تفریق کے راستے میں سہولتوں کے بجائے دشواریاں پیدا کی جائیں، ساتھ ہی ساتھ، اسلام غیر رضا کارانہ اجتماع و اتصال کا بھی قائل نہیں ہے، اگر میاں بیوی میں نہیں نبھ سکتی، تو علیحدگی ہوجانی چاہیے، لیکن اس طرح کہ دونوں تمام پہلوؤں پر اچھی طرح سے غور کرلیں، تاکہ بعد میں پشیمانی کی ضرورت نہ پڑے، چنانچہ تدریجی طلاق میں یہی مصلحت ہے۔!

عدّت مختلعہ

ایک حیض

شوہر سے خلع حاصل کرنے والی عورت کے مسائل

اس سے قبل بعض مواقع پر ہم بتا چکے ہیں کہ مختلعہ[1] کی عدّت ایک حیض ہے، ـــــ عثمان بن عفان، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک یہی ہے، اسحاق بن راہویہ اور امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے، ہمارے شیخ[2] کا بھی اسی پر فتویٰ ہے۔

شوہر کی مار پیٹ کے باعث عورت خلع لے سکتی ہے

اب ہم اسناد کے ساتھ اس سلسلہ میں کچھ حدیثیں پیش کرتے ہیں،:

نسائی نے اپنی مسند کبیر میں ایک باب عدت مختلعہ کے بارے میں باندھا ہے، اس میں ایک حدیث مروی ہے، جو ان سے ابو علی محمد بن یحییٰ المروزی نے، انھوں نے شاذان بن عثمان ابو عبدان سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے علی بن مبارک سے، یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی، وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن عبدالرحمان نے خبر دی، کہ ربیع بنت معوذ بن عفراء نے بتایا کہ ثابت بن قیس بن شماس نے اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا، ان کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی فجار، تھا۔

---

[1] مختلعہ وہ عورت ہے جس نے شوہر سے خلع حاصل کر لیا ہو،

[2] ابن قیم جب "ہمارے شیخ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تو امام ابن تیمیہ مراد ہوتے ہیں۔

جمیلہ کے بھائی نے اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو طلب فرمایا۔

"جو کچھ یہ دیتی ہے اسے لے لو، اور اس کا راستہ چھوڑ دو!"

ثابت نے جواب میں عرض کیا،

"بہت بہتر!"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ کو حکم دیا کہ ایک حیض تک وہ رکی رہیں، اور اپنے میکہ چلی جائیں۔!ل

ل اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے "حقوق الزوجین" کا کتنا لحاظ رکھا ہے؟ اور خاص طور پر، عورت کو ظلم و تعدی سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا کیا وسائل اختیار کیے ہیں؟

اسلام کے پہلے مذاہب نے، عورت کا وجود تک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسے کسی طرح کے حقوق نہیں دے سکتے، اس کی انفرادیت اور شخصیت کو کسی درجہ میں بھی تسلیم نہیں کیا تھا، وہ مال تجارت کی طرح ادھر سے ادھر منتقل ہوتی رہتی تھیں۔

لیکن اسلام نے دفعتہً اسے پستی سے بلندی پر پہنچا دیا، اسے مردوں کا ہم پایہ بنا دیا، اور اسے وہ حقوق دیے جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی!

انہی عدیم المثال حقوق میں سے ایک خلع کا حق بھی ہے۔

گزشتہ اوراق میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ طلاق کا حق مرد کو ہے، عورت کو نہیں، لیکن عورت کو طلاق کا بدل حاصل ہے، اور وہ خلع ہے، عورت طلاق نہیں دے سکتی، لیکن خلع لے سکتی ہے۔

مرد جب طلاق دیتا ہے، تو عورت کو مہر دیتا ہے جو کچھ بطور تحفہ اور عطیہ کے اب تک وہ زیورات یا زر نقد، یا جائداد کی صورت میں دے چکا ہے، وہ واپس نہیں لے سکتا، اختتام عدت تک اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہے، اس کے لیے سکنیٰ کا انتظام کرنے پر مجبور ہے۔

اس کے برعکس عورت جب مرد سے خلع لیتی ہے، تو اسے ان ذمہ داریوں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

خلع حاصل کرنے والی عورت کی عدّت کا مسئلہ

عکرمہؓ ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے ان سے جب خلع حاصل کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) عہدہ برآ نہیں ہونا پڑتا، جو شوہر کے ذمہ از روئے شرع عائد ہیں، جو کچھ وہ آسانی سے دے کر خلع حاصل کرلیتی ہے، گویا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ مرد طلاق دے کر گھاٹے میں رہتا ہے، اور عورت خلع لے کر فائدہ میں رہتی ہے، مرد کو طلاق کے وقت سے لے کر عدت کے ختم ہونے تک برابر صرف کرنا پڑتا ہے، خواہ یہ اس کی استطاعت کے اندر ہو یا باہر، لیکن عورت صرف برائے نام کچھ تھوڑا بہت شوہر کو، اسی کی دی ہوئی چیزوں میں سے لوٹا دیتی ہے، اور خلع حاصل کرکے آزاد ہو جاتی ہے۔

یہ عورت کے لیے اتنی بڑی سہولت ہے، جس کا اسلام سے پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مرد اگر طلاق دینا چاہے تو از روئے قرآن کریم پہلے اسے نباہ کی کوشش کرنی چاہیے۔ اختلافات اور شکایات ہوں تو فریقین کے نمائندوں کو حالات روبراہ کرنے کی حکم کی حیثیت سے سعی کرنی چاہیے۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو۔ اور نباہ کی کوئی صورت ممکن نہ نظر آئے۔ تو شوہر طلاق دے سکتا ہے۔ لیکن شرعی طلاق۔ بیک وقت تین طلاقیں نہیں ہیں، ایک ایک مرتبہ کرکے دو طلاقیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اطلاق مرتان، فامساك بمعروف، او تسريح باحسان

(یعنی طلاق ایک ایک کرکے دو مرتبہ ہے اس کے بعد یا تو قاعدے کے مطابق شوہر بیوی کو روک لے، (رجعت کرلے) یا بھلنا ہٹ اور شرافت کے ساتھ اسے رخصت کردے) غرض اسی طرح کے کئی مرحلے ہیں جو شوہر کو طے کرنا پڑتے ہیں، بخلاف اس کے عورت کے لیے یہ مرحلے ختم کردیئے گئے ہیں، وہ ان مرحلوں سے گزرے بغیر نہایت سادہ اور آسان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علت ایک حیض قرار دی۔

فیصلۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس حدیث کو ابوداؤد نے دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ترمذی نے بالکل یہی سند لی ہے، اور اس حدیث کو "حسن غریب" کہا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

طریقہ پر حکم حاصل کرکے نامرغوب اور نامطبوع شوہر سے نجات حاصل کرسکتی ہے۔

کیا دنیا کا کوئی مذہب بھی عورت کو وہ حقوق آج تک دے سکا ہے جو اسلام نے آج سے ۱۴سو برس پہلے اسے عطا کر دیئے تھے۔ ؟

اس حدیث سے جو فقہی نکتے پیدا ہوتے ہیں یہ ہیں:

۱۔ شوہر اگر بیوی کو مارے تو وہ اس سے خلع لے سکتی ہے۔

۲۔ مہر معین ہوتا ہے، معین نہ ہو تو مہر مثل شوہر کو ادا کرنا پڑتا ہے، لیکن خلع کے لئے کوئی رقم معین نہیں ہے، نہ اس میں عرف، اور مثل کا قاعدہ چلتا ہے، بیوی جو کچھ آسانی سے دے سکے پیش کردیتی ہے، اور وہ شوہر کو قبول کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ خلع کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت خود فریادی بن کر عدالت میں پہنچے، اس کا کوئی قرابت دار بھی، مدعی بن کر پہنچ سکتا ہے، اور اس کی نالش پر، عدالت مدعا علیہ کو طلب کرکے فیصلہ کرسکتی ہے۔

۴۔ شوہر اگر طلاق دینا چاہے تو عورت طلاق لینے سے انکار نہیں کرسکتی، اسی طرح عورت اگر خلع لینا چاہے تو شوہر انکار نہیں کرسکتا، عورت کی پیشکش قبول کرکے خلع دینے پر مجبور ہے۔ اور اگر انکار کرے، تو فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ قاضی خود اپنے اختیارات خصوصی سے کام لے کر نکاح فسخ کرسکتا ہے اور میاں بیوی میں تفریق کرا سکتا ہے۔

یہ حدیث موجب سنت و قضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور موافق اقوال صحابہ ہے، اور مقتضائے قیاس بھی ہے، اس کی عدت کے لیے ایک حیض کافی ہے۔ جس سے برأت رحم ہوجاتی ہے[1]!

---

[1] درحقیقت عدت کا مقصد صرف اتنا ہے کہ معلوم ہوجائے عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ تاکہ نسب میں اختلاط اور اشتباہ واقع نہ ہو، عدت وفات اور طلاق میں، پہلی صورت سوگ کی ہوتی ہے، اور دوسری صورت مظلومیت کی، اور ان دونوں صورتوں میں عقد جدید کے لیئے دل و دماغ کو تیار کرنے کے لیئے نسبتاً زیادہ مہلت درکار ہوتی ہے اس لیئے ان کی عدت ذرا طویل ہے، اور خلع چونکہ عورت خود لیتی ہے، لہٰذا اس کے لیئے ایک ماہ کی عدت بہت کافی ہے،

اما ما ۔ دس دن

بیوہ عورت کا زمانہ عدت

شوہر کے گھر میں گزارنے کے احکام وشرائط

آں حضرتؐ کا فرمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے جہاں اس کی وفات ہوئی ہے، اور آپؐ کا یہ حکم اس حکم کے خلاف نہیں جاتا، جس کی رو سے آپؐ نے مبتوتہ عورت کو حکم دیا ہے کہ وہ جہاں چاہے سکتی، اور جہاں مرضی ہو عدت گزار سکتی ہے۔

فریعہ بنت مالک کی حدیث

سنن میں زینب بنت کعب بن عجرہ کی فریعہ بنت مالک اخت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، انھوں نے اپنے میکہ بنی حذرہ واپس جانے کی اجازت چاہی، ان کے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلے، راستے میں دشمن کے ہاتھ پڑ گئے، جس نے انہیں قتل کر ڈالا ۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میں اپنے گھر والوں کے پاس جا کر رہنا چاہتی ہوں، کیونکہ میرے شوہر نے کوئی ایسا مکان نہیں چھوڑا ہے جس کے مالک ہوتے، نہ نفقہ کا کوئی بندوبست ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "ہاں ٹھیک ہے"!

یہ سن کر میں واپس چلی، ابھی حجرۂ نبوی یا مسجد نبوی میں ہی تھی کہ آپؐ نے مجھے واپس بلایا، اور پوچھا،

"تم کیا کہہ رہی تھیں؟"

میں نے ماجرا پھر سے کہہ سنایا،

آپؐ نے فرمایا: "اپنے گھر میں بیٹھو، جب تک عدت پوری نہ ہو جائے"!
چنانچہ میں نے چار مہینے دس دن کی عدت وہاں گزارلی،
وہ کہتی ہیں جب حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت شروع ہوا، تو انھوں نے میرے پاس ایک آدمی بھیجکر میرا قصہ دریافت کرایا، میں نے پوری پوری بات بتادی، انھوں نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

اس حدیث پر جرح وتعدیل

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے — !!
ابوعمر بن عبدالبر کہتے ہیں علماء حجاز وعراق کے نزدیک یہ حدیث معروف ومشہور ہے،

ابومحمد بن حزم کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ زینب ایک مجہول عورت ہیں، اور ان سے سعید بن اسحاق بن کعب کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی ہے، اور وہ عدالت کے اعتبار سے غیر مشہور ہیں۔
امام مالک وغیرہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

موطا میں یہ حدیث موجود ہے

ابومحمد ابن حزم نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث، صحیح ہے، حجاز اور عراق میں مشہور ہے، امام مالک نے اسے اپنی موطا میں مدرج کیا ہے، اس سے دلیل لاتے ہیں، اسی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔

ابن حزم کی جرح کا جواب

باقی رہا، ابن حزم کا یہ قول کہ زینب مجہول عورت ہیں، تو بے شک وہ ان کے نزدیک مجہول ہوں گی، ورنہ زینب تابعیات میں بلند درجہ رکھتی ہیں، وہ ابوسعیدؓ کی بیوی ہیں، ان سے سعد بن کعب بن اسحاق نے روایت کیا ہے۔
سعید نے نہیں، ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے،
ابومحمد ابن حزم نے علی بن المدینی کے قول سے دھوکا کھایا ہے، ورنہ ان سے سعد بن اسحاق کے سوا کسی نے روایت نہیں کی ہے۔

مسند امام احمد میں یعقوب کی حدیث ہے، وہ اپنے والد سے [redacted] ابن اسحاق سے، وہ عبداللہ بن عبدالرحمان سے۔ وہ معمر بن حزم سے وہ سلمان بن محمد بن کعب بن عجرہ سے، [redacted] اپنی پھپھی زینب بنت کعب بن عجرہ سے جو ابوسعید الخدری کی بیوی تھیں، وہ ابوسعید سے روایت کرتی ہیں کہ بعض لوگوں

نے حضرت علی کی شکایت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے کھڑے ہوئے، انھوں نے سنا آپ فرما رہے تھے۔

"لوگو، علی کی شکایت نہ کرو۔ خدا کی قسم وہ ذات الٰہی (ایک روایت میں راہ خدا) کے معاملہ میں بہت سخت ہے۔"

اور یہ زینب ایک تابعی خاتون ہیں، اور ایک صحابی کی بیوی ہیں، ان سے بہت سے ثقات نے روایت کی ہے، اور کسی نے ان کے ایک حرف پر بھی طعن نہیں کیا ہے، ائمہ نے ان کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے،

ابن حزم کی جرح، پر تنقید

(۱) ابن حزم کا یہ قول کہ سعید بن اسحاق عدالت کے اعتبار سے غیر مشہور ہیں تو اسحاق بن منصور نے یحییٰ بن لیث سے ان کے ثقہ ہونے کی روایت کی ہے،

نسائی کا قول بھی یہی ہے،

دار قطنی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ابو حاتم ان کو صالح کہتے ہیں،

ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے مثلاً حماد بن زید، سفیان ثوری، عبدالعزیز دراوردی، ابن جریج، مالک بن انس، یحییٰ بن سعید الانصاری، زہری، حاتم بن اسماعیل، داؤد بن قیس اور جماعت کثیر نے ان کی روایت قبول کی ہے، نہ کسی نے ان پر قدح کی ہے، نہ جرح، بالاتفاق ایسے شخص سے احتجاج کیا جائے گا، اور دلیل لائی جائے گی، !

صحابہ اور تابعین کا اختلاف فکر و نظر

اس مسئلہ کے حکم میں صحابہ، اور تابعین کا اختلاف ہے۔

عبدالرزاق معمر سے، وہ زہری سے، وہ عروہ بن زبیر سے، وہ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ عورت زمانۂ عدت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اس کا فتویٰ دیا کرتی تھیں، بلکہ خود بھی، اپنی بہن ام کلثوم کو اپنے ساتھ لے گئیں، جب ان کے شوہر طلحہ بن عبیداللہ قتل ہوئے۔

چار مہینے دس دن کی عدت

ابن جریج عطاء سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن رکھی ہے، یہ کہیں نہیں فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھر میں عدت پوری کرے، لہٰذا اسے اختیار ہے کہ جہاں چاہے عدت گزارے،

ابوالزبیر جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بیوہ عورت جہاں اس کی مرضی ہو عدت کا زمانہ بسر کرے۔

حضرت علی کا فیصلہ

عبدالرزاق ثوری سے، وہ اسمٰعیل بن ابی خالد سے، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیوہ عورتوں کو ان کے زمانۂ عدت میں سفر کی اجازت دیا کرتے تھے،

عبدالرزاق نے محمد بن مسلم سے، انھوں نے عمرو بن دینار سے روایت کی ہے کہ طاؤس اور عطا دونوں کہا کرتے تھے مبتوتہ اور بیوہ عورتیں حج و عمرہ کر سکتی ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتی ہیں، جہاں چاہیں رات گزار سکتی ہیں،

ابن جریج عطا سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ عورت جہاں کہیں بھی عدت کا زمانہ بسر کرے کوئی حرج نہیں۔

ابن عیینہ عمرو بن دینار سے، اور وہ عطا اور ابوالشعثاء سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ عورت زمانۂ عدت میں جہاں چاہے آجا سکتی ہے۔

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالوہاب ثقفی نے عطا سے تین طلاق والی مطلقہ اور بیوہ عورت کے بارے میں سوال کیا کہ آیا یہ عورتیں حج کر سکتی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا "ہاں، کر سکتی ہیں،"!"

حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے۔

کیا بیوہ عورت میکہ میں عدت گزار سکتی ہے؟

ابن وہب کہتے ہیں، مجھے ابن لہیعہ نے خبر دی، اور انھیں حنین بن ابی حکیم سے روایت پہنچی کہ مزاحم کی بیوہ جب حاصرہ میں بیوہ ہو گئیں، تو انھوں نے عمر بن عبدالعزیز

سے سوال کیا،

"کیا میں انقضائے عدت تک یہیں ٹھہروں؟"

اُنھوں نے جواب دیا، "اپنے میکہ چلی جاؤ، اپنے باپ کے گھر رہو جاکر! اور وہیں عدت پوری کرلو۔"

ابن وہب ہی کی ایک روایت ہے کہ مجھے یحیٰی بن ایوب نے خبر دی، اور انھیں یحیٰی بن سعید الانصاری سے روایت پہنچی انھوں نے ایک آدمی کے بارے میں بتایا کہ اس کا اسکندریہ میں انتقال ہوگیا، اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، اس شخص کا ایک گھر اسکندریہ میں تھا ایک فسطاط میں تھا، انھوں نے اس سے کہا،

"اگر تم چاہو تو وہاں عدت گزارو جہاں تمہارے شوہر کا انتقال ہوا تھا، جی چاہے تو اپنے شوہر کے گھر فسطاط میں چلی جاؤ، اور وہاں عدت بسر کرو، وہ فسطاط چلی گئیں۔

ابن وہب کی ایک اور روایت ہے کہ مجھے عمرو بن حارث نے خبر دی اور انھیں بکیر بن الاشج سے روایت ملی، انھوں نے کہا کہ میں نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے ایک عورت کے بارے میں سوال کیا، جسے اس کا شوہر اپنے ساتھ ایک شہر میں لے گیا، اور وہاں اس کا انتقال ہوگیا، تو اب وہ کیا کرے؟

سالم نے جواب دیا، "جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے وہاں بھی عدت گزار سکتی ہے، اور اپنے شوہر کے گھر بھی واپس جاسکتی ہے، وہاں عدت گزارے۔

اہلِ ظاہر کے مذہب کی دو دلیلیں

یہ اہلِ ظاہر کا مذہب ہے۔ جو لوگ اس مسلک کے پیرو ہیں، وہ دو دلیلیں دیتے ہیں۔

ایک دلیل تو وہی ابن عباس والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کے لیے چار مہینے دس دن کی عدت مقرر کی ہے، مگر یہ نہیں فرمایا ہے کہ کسی مکان معین میں عدت گزارے۔

دوسری دلیل وہ ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں ہم سے، احمد بن محمد المروزی نے، ان سے موسیٰ بن مسعود نے، ان سے شبل نے، ان سے ابن ابی نجیح نے کہا کہ عطا بتایا کرتے

کہ ابن عباس کا قول ہے کہ آیت قرآنی نے شوہر کے گھر عدّت گزارنے کی پابندی منسوخ کر دی۔ اب وہ جہاں چاہے عدّت گزار سکتی ہے۔ چاہے تو اپنے اہل میں عدّت گزارے، جی چاہے چلی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن

عطا کہتے ہیں اس کے بعد میراث کا حکم نازل ہوا جس نے سکنیٰ کو منسوخ کر دیا، اب وہ جہاں چاہے زمانہ عدّت بسر کر سکتی ہے۔

صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین کا مسلک

لیکن صحابہ اور تابعین کا اور تبع تابعین کا ایک اور گروہ ہے، جو کہتا ہے کہ بیوہ عورت کو عدّت شوہر ہی کے گھر میں بسر کرنی چاہیئے، جہاں اس کا انتقال ہوا، اور جہاں انتقال کے وقت وہ تھی۔

وکیع کہتے ہیں ہم سے ثوری نے ان سے منصور نے، ان سے مجاہد نے ان سے سعید المسیب نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے حج اور عمرہ کرنے والی بیوہ عورتوں کو ذی الحلیفہ سے واپس کر دیا۔

عبدالرزاق کہتے ہیں ہم سے ابن جریج نے، ان سے حمید الاعرج نے، ان سے مجاہد نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ جحفہ اور ذی الحلیفہ سے، حاجات اور معتمرات (حج کرنے والی اور عمرہ کرنے والی عورتوں) کو واپس کر دیا کرتے تھے[1]

عبدالرزاق معمر سے، وہ ایوب سے، وہ یوسف بن ماہک سے، وہ اپنی والدہ مسیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بیوہ عورت اپنے قرابت داروں سے ملنے آئی، یہ بات حضرت عثمانؓ تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا۔

"اس عورت کو اس کے گھر پہنچا دو، اس کی مثال مکلفہ کی ہے"!

یہ ہی معمر کی، اور ان کو ایوب سے، اور ان کو نافع سے اور ان کی ابن عمر سے روایت ہے کہ ان کی ایک لڑکی تھی جو بیوہ تھی، اور عدّت گزار رہی تھی، وہ دن کو آجاتی، اور بات چیت کرتی۔

---

[1] یعنی، پہلے عدت کا زمانہ شوہر کے گھر میں ختم کر لیں پھر باہر قدم نکالیں۔

جب رات ہوتی تو اسے حکم دیتے کہ اپنے گھر واپس چلی جائے۔

حضرت عمرؓ کی اجازت

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں ہم سے وکیع نے، ان سے علی بن المبارک نے ان سے یحییٰ بن ابی کثیر نے، ان سے ابو ثوبان نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے بیوہ عورت کو اس کی اجازت دے رکھی تھی کہ دن دن میں اپنے قرابت داروں سے ملنے آسکتی ہے۔

عبدالرزاق سفیان ثوری سے وہ منصور بن المعمر سے، وہ ابراہیم نخعی سے، وہ علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود سے ہمدان کی بعض بیوہ عورتوں نے کہا کہ ہم یہاں (اپنے گھروں میں) گھبراتے ہیں ابن مسعود جواب دیا۔

"دن میں آجایا کرو، رات کو اپنے اپنے گھر واپس چلی جایا کرو۔"

حجاج بن المنہال بیان کرتے ہیں کہ ہم سے ابو عوانہ نے، ان سے منصور نے، ان سے ابراہیم نے بیان کیا کہ ایک عورت نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس کہلایا کہ میرا باپ بیمار ہے، اور میں عدت میں ہوں کیا میں اس کی تیمارداری کو آسکتی ہوں؟

ام المومنین نے جواب دیا، "ہاں، کیوں نہیں!" لیکن رات اپنے گھر میں بسر کرنا!"

سعید بن منصور کہتے ہیں ہم سے ہیثم نے بیان کیا، اور انھیں اسماعیل بن ابی خالد سے خبر پہنچی، اور انھیں شعبی سے روایت ملی کہ ان سے ایک بیوہ عورت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا وہ اپنے زمانۂ عدت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟

انھوں نے جواب دیا،

اصحاب ابن مسعود کا مسلک

ابن مسعود کے اکثر اصحاب اس معاملہ میں بہت سخت تھے ان کا قول تھا کہ عدت والی عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی، لیکن شیخ، یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسے سفر کی اجازت دیتے تھے۔

ابن عیینہ عمرو بن دینار سے، اور وہ عطا اور جابر سے روایت کرتے ہیں کہ،

"بیوہ عورت اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔"

وکیع حسن بن صالح سے، وہ مغیرہ سے، وہ ابراہیم سے بیوہ عورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

• اگر وہ ان میں باہر نکلے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن رات کو گھر سے باہر نہ رہے۔

فقہائے مذاہب کا مسلک

حماد بن زید ابوایوب سختیانی سے، وہ محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا، وہ بیمار تھی اس کے گھر والے شوہر کے گھر سے اسے منتقل کر کے اپنے ہاں لے آئے، پھر مسئلہ دریافت کیا، سب نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنے شوہر کے گھر واپس بھیج دی جائے،

ابن سیرین کہتے ہیں پھر ہم نے اسے واپس کر دیا۔

امام احمد، امام مالک، امام شافعی، اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب نیز اوزاعی ابو عبید اور اسحاق کا مسلک بھی یہی ہے۔ شام، حجاز، مصر، اور عراق کے فقہاء امصار بھی اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، ان سب کی دلیل فریعہ بنت مالک کی حدیث پر ہے، حضرت عثمان نے بھی اسے قبول کیا اور اسی پر مہاجرین و انصار کی موجودگی میں فیصلہ فرمایا۔

اہل مدینہ، حجاز و شام و مصر کے اہل علم نے اسے قبول کیا، اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اس حدیث میں کوئی طعن ہے،

قبول روایت کے بارے میں امام مالکؒ کے تشدد اور سختی کا حال معلوم ہے، ان سے ایک آدمی نے کسی شخص کے بارے میں سوال کیا۔

"کیا وہ ثقہ ہے؟"

امام مالکؒ نے جواب دیا، اگر ثقہ ہے تو میری کتاب میں موجود ملے گا۔

چنانچہ امام مالکؒ نے اپنی کتاب "موطا" میں اس روایت کو شامل کیا ہے اور اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔

سنت کا فیصلہ آخری ہے

اس قول کے اصحاب کہتے ہیں کسی مسئلہ میں ہم سلف سے نزاع نہیں کرتے لیکن سنت تنازعہ کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دیتی ہے،

ابوعمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جہاں تک سنت کا تعلق ہے بحمداللہ اس سے یہ مسلک ثابت ہے، رہا اجماع سو اس کی ثبوت سنت کے بعد ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف

رونما ہو تو وہ قول قبول کیا جائے گا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو۔!

اہل رخصت و عزیمت کا فرق

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ ہمیں معمر نے زہری سے خبر دی وہ کہتے ہیں جو لوگ صاحب رخصت[1] ہیں، وہ حضرت عائشہ کے قول پر عمل کرتے ہیں، جو اہل عزیمت ہیں[2] وہ ابن عمر کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ دوران عدت بیوہ کا شوہر کے گھر رہنا عورت پر حق ہے، یا عورت کا حق ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ عورت پر حق ہے، اگر ورثاء نے اس کے لیے جگہ چھوڑ دی ہو اور اس میں اس کے لیے کوئی ضرر بھی نہیں ہے، لیکن اب اس کے لیے مسکن موجود ہے، لیکن وارث اس میں مداخلت کریں، یا اس سے کرایہ طلب کریں، تو وہ شوہر کا مسکن چھوڑ سکتی ہے، پھر اس پر وہاں رہنا لازم نہیں ہے؟ جائز ہے۔

ایک استفتا اور اس کا جواب

اس قول کے اصحاب کے مابین پھر ایک اختلاف پیدا ہوتا ہے، کہ ایسی صورت میں بیوہ جہاں چاہے جا سکتی ہے، یا اسے شوہر کے گھر سے قریب ترین مسکن میں رہنا چاہیے؟

اس صورت مسئلہ میں جواب یہ ہے:

اگر عورت کو مکان کے منہدم ہو جانے، یا غرق ہو جانے کا یا کسی اور طرح کا خطرہ ہو، یا صاحب منزل نے اسے ترک مسکن پر مجبور کیا ہو، اور وہ واپس آ جائے، یا وہ مکان کرایہ پر ہو، اور جتنے دنوں کے لیے کرایہ پر دیا گیا تھا اس کی مدت ختم ہو گئی ہو یا وہاں ازراہ تعدی اسے قیام کرنے سے روکا جائے، یا اس کا کرایہ دینا اس کے بس سے باہر ہو، یا اس سے عام نرخ سے زیادہ کرایہ طلب کیا جائے

---

[1] اہل رخصت، وہ لوگ جو ہمت کے کچے ہوں، اور جنھیں کمزوری طبعی کی بنا پر از روئے شریعت قانون میں لچک پیدا کر کے سہولت دیدی جائے، مثلاً تیسرے فاقہ مردار کھانے کی اجازت۔

[2] اہل عزیمت — جو باحوصلہ ہوں اور رعایت و سہولت کے طالب نہ ہوں، مثلاً مرجانا لیکن مردار چیز نہ کھانا۔

لیکن امام احمدؒ کے نزدیک بیوہ عورت کا شوہر کے گھر میں عدت گزارنا، رجعیہ کے مقابلہ میں زیادہ مؤکد ہے اور بائن میں واجب نہیں ہے،

اصحاب شافعیؒ اور امام احمدؒ کی نص

اصحاب شافعیؒ نے امام احمدؒ کی نص پر، جو بیوہ عورت کے لیے شوہر کے گھر میں لازم ہونے پر دال ہے اور ایک دوسری روایت کے مطابق نص آخر پر، جس میں حق سکنیٰ سے انھوں نے انکار کیا ہے، اعتراض وارد کیا ہے، کہتے ہیں، ایک ساتھ دو نصیں کیونکر واجب ہو سکتی ہیں۔

اس کا جواب اصحاب احمدؒ دو طرح سے دیتے ہیں!

ایک جواب تو یہ ہے کہ اس قول کے مطابق لزوم مسکن بیوہ عورت پر واجب نہیں ہے، لیکن وارث اجرت مسکن اپنے اوپر عائد کر لیں، تو اس صورت میں عدت پر لزوم مسکن واجب ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ لزوم مسکن عورت پر بایں صورت واجب ہے کہ اسے کوئی ضرر نہ ہو یعنی اگر اس سے کرایہ طلب کیا جائے، یا وارث اسے نکال دیں یا مالک مکان اسے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دے، تو یہ ضرر ہے، اور اس صورت میں لزوم مسکن ساقط ہو جائے گا۔

اصحاب ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول

لیکن اصحاب ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مطلقہ رجعیہ اور بائن کے لیے، زمانۂ عدت میں دن ہو یا رات کو کسی وقت بھی، شوہر کے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے،

لیکن بیوہ عورت دن میں، اور رات کے شروع کے حصہ میں بہ ضرورت باہر نکل سکتی ہے، لیکن ساری رات اپنے مسکن کے سوا کہیں اور نہیں گزار سکتی۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مطلقہ کا نفقہ مال زوج (شوہر) پر ہوتا ہے، لہذا اس کے لیے خروج بہ خلاف زوجۂ متوفی عنہا (بیوہ) جائز نہیں، کیونکہ بیوہ عورت کا نفقہ نہیں ہوتا، لہذا ضروری ہے کہ دن دن میں اپنی ضروریات اور احتیاجات پوری کرنے کے لیے باہر نکل سکے، البتہ اس پر یہ لازم ہے کہ اس مکان میں اقامت رکھے جہاں اس کا شوہر مرا تھا، لیکن اگر اس کے حصہ میں اتنا آئے جو اس کی اقامت کے لیے کافی نہ ہو، یا میت کے وارث اسے نکال دیں تو وہ جہاں چاہے منتقل ہو سکتی

البتہ سکنائے نکاح دوسری چیز ہے۔

نکاح کا سکنیٰ زوجین کا حق ہے،

اور صحیح و منصوص روایت یہ بھی ہے کہ رجعیہ کا سکنیٰ بھی اسی طرح کا ہے وہ بھی دونوں کے اتفاق سے باطل نہیں ہو سکتا ہے، نص آیت کا اقتضا بھی یہی ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی منصوص ہے۔

امام احمد کی روایات سہ گانہ

لیکن امام احمدؒ سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ بیوہ عورت کا سکنیٰ ہر حالت میں واجب ہے، خواہ وہ حمل سے ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ سے تین روایتیں مذکور ہیں، یا

۱۔ وجوب حق سکنیٰ حائل اور حامل (حاملہ اور غیر حاملہ) دونوں کے لیے۔

۲۔ حق سکنیٰ کا اسقاط دونوں کے حق میں۔

۳۔ حق سکنیٰ کا وجوب صرف حاملہ عورت کے لیے، غیر حاملہ عورت کے لیے نہیں۔

یہ ہے متوفیٰ عنہا (بیوہ) عورت کے لیے امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب اور اس کے مختلف پہلو۔ یا

امام مالکؒ کا مسلک

اب رہے امام مالک رحمہ اللہ، سو ان کا مذہب یہ ہے کہ بیوہ عورت کا حق سکنیٰ واجب ہے، خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، اور یہ سکنیٰ اس وقت تک واجب رہے گا جب تک عدت کی مدت ختم نہ ہو جائے۔

لہ نکاح کا سکنیٰ یہ ہے کہ شادی کے بعد، بیوی کے لیے مسکن کا انتظام کرنا اور اس کے مصارف برداشت کرنا شوہر پر واجب ہے، لیکن اگر بیوی اس ذمہ داری سے شوہر کو سبکدوش کر دے، اور دستبردار ہو جائے، تو یہ حق ساقط ہو جائے گا، از روئے شرع شوہر پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

لیکن بیوہ یا مطلقہ رجعیہ کا سکنیٰ اللہ کا حق ہے، یہ کسی صورت میں ساقط نہیں ہو سکتا۔

ابوعمر کا قول ہے کہ اگر مسکن کرایہ پر ہو تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیوہ عورت کا یہ حق سکنیٰ، قرضخواہوں، اور وارثوں پر متقدم ہوگا، پہلے یہ دیا جائے گا، پھر دوسرے مدات پر توجہ کی جائے گی۔ اور سکنیٰ کے مصارف میت کے راس المال سے ادا کیے جائیں گے، بجز اس صورت کے کہ مسکن کرایہ پر ہو، اور اہل مسکن عورت کو نکالنے کے درپے ہوں، لیکن اگر مسکن شوہر کی ملکیت ہو، تو اسے اس وقت تک قرض چکتا کرنے کے لیے فروخت نہیں کیا جا سکتا، جب تک عدت پوری نہ ہو جائے،

عدت کا سکنیٰ زیادہ قوی حق ہے

بعض اصحاب مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بیوہ عورت کا سکنیٰ قرضخواہوں اور وارثوں کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، بشرطیکہ مکان شوہر کی ملکیت ہو، یا اگر کرایہ پر ہو تو اس کا کرایہ ادا کیا جا چکا ہو، لیکن اگر کرایہ نہ ادا کیا گیا ہو تو تہذیب میں ہے کہ مال میت میں سے سکنیٰ کے مصارف نہیں دیئے جائیں گے، اگرچہ مرحوم شوہر نے کافی دولت کیوں نہ چھوڑی ہو۔

محمد مالکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کرایۂ مسکن میت پر لازم ہے، زوجہ اس پر کوئی حق نہیں رکھتی، وہ وارثوں سے اس بابت نہیں جھگڑ سکتی، وارث اگر چاہیں تو اسے نکال سکتے ہیں، بجز اس صورت کے کہ وہ اپنے حصہ میں اقامت گاہ میں آجائے اس کا کرایہ ادا کرے۔

امام شافعی کے ۲ دو قول

امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں بیوہ عورت کے سکنیٰ کے بارے میں۔!

ایک قول تو یہ ہے کہ اس کا حق سکنیٰ واجب ہے، خواہ وہ پیٹ سے ہو یا نہ ہو،

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں خواہ وہ پیٹ سے ہو یا نہ ہو، حق سکنیٰ واجب نہیں ہے، لیکن وہ شوہر کے گھر میں رہنے پر عدت کے ختم ہونے تک رہنے پر مجبور ہوا خواہ وہ بیوہ ہو یا بائن، اور یہ پابندی بیوہ کے مقابلے میں بائن عورت کے لیے زیادہ مؤکد ہے، کیونکہ بیوہ عورت دن دن میں اپنے احتیاجات پورے کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہے، لیکن بائن نہیں نکل سکتی۔

البتہ رجعیہ کا جہاں تک تعلق ہے، اس کا حق سکنیٰ واجب نہیں ہے، مستحب ہے۔

یا اس کی حالت اس کی مقتضی نہ ہو کہ کرایہ دے سکے یا یہ کرایہ اسے اپنی جیب خاص سے ادا کرنا پڑے تو وہ شوہر کے مسکن سے منتقل ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ معقول عذر ہے، کیونکہ اس کے ذمہ شوہر کے گھر رہ کر عدّت پوری کرنا ہے، عدت پوری کرنے کے لیے گرہ سے درم خرچ کرنا نہیں ہے، کیونکہ اس پر واجب جو کچھ تھا وہ سکونت کا فعل تھا نہ کہ تحصیل مسکن، اور جب یہ چیز اس کے بس سے باہر ہو تو پھر یہ پابندی بھی ساقط ہو جائے گی۔

امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول یہی ہے۔

زمانۂ عدّت کے مصارف

اور اگر کہا جائے کہ آیا بیوہ عورت کا شوہر کے گھر میں عدّت گزارنے کے مصارف کس پر ہوں گے؟ اور اس حق کے باعث زوجہ کو قرضخواہوں، یا میراث پر تقدم ہوگا؟ یا پھر یہ صورت ہے کہ اس کا ترکہ میں سوا میراث کے کوئی حق نہیں ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عورت حائل (حاملہ نہیں) ہے تو ترکہ میں سے سکنیٰ کے مصارف نہیں ادا کیے جائیں گے، لیکن اس کے لیے شوہر کے گھر میں رہ کر عدّت گزارنا لازم ہے، لیکن اگر وہ حاملہ ہو، تو اس میں دو روایتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس صورت میں حکم حمل کا توں ہے گا، دوسری یہ کہ عورت کا حق سکنیٰ شوہر کے مال میں ثابت ہے، یہ حق، قرضخواہوں، اور وارثوں پر مقدم ہے، یعنی پہلے یہ دیا جائے گا، پھر قرضخواہوں اور وارثوں کو ان کا حق ملے گا، اور یہ حق راس المال پر ہوگا۔ وہ گھر بیچ کر جس میں وہ رہتی ہے قرض نہیں ادا کیا جا سکتا، یہاں تک کہ وہ عدت گزار لے، اور اگر یہ متعذر ہو تو وارث پر یہ واجب ہے کہ مال میت میں اس کے لیے کرایہ پر مسکن حاصل کرے، اور اگر وارث ایسا کرنے سے انکار کر دے یا نہ کرے تو حاکم اسے مجبور کرے گا کہ مال میت میں سے یہ حق ادا کرے، وہ شدید ضرورت کے سوا کسی طرح بھی شوہر کا گھر نہیں چھوڑ سکتی، بلکہ اگر وارث اور عورت دونوں اس پر متفق ہو جائیں کہ عورت گھر چھوڑ دے تو یہ بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ سکنیٰ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہٰذا اس بارے میں ہر دو کا اتفاق بھی جائز نہیں ہوگا کہ اس حق کو باطل کر دیں۔

ہے کیونکہ یہ عذر واقعی ہے، اس کا اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارنا ایک طرح کی عبادت تھی، اور اگر کوئی معقول عذر موجود ہو تو عبادت ساقط ہو جاتی ہے۔

اصحاب ابو حنیفہ کا یہ قول بھی ہے کہ جس گھر میں وہ رہ رہی ہے اس کا کرایہ زیادہ ہے اور اسے ادا کرنے سے وہ عاجز ہے، تو وہ ایسے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے جس کا کرایہ کم ہو۔

اصحاب ابو حنیفہ کے اقوال سے کیا مستنبط ہوتا ہے

اصحاب ابو حنیفہ کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ:

— ۱: اجرت مسکن عورت پر ہے، اور اگر وہ اجرت ادا کرنے سے عاجز ہو تو سکنیٰ ساقط ہو جائے گا۔

— ۲: عورت کو شوہر کی جائداد میں سے جو ترکہ ملے گا، تو وہ اپنے حصہ میں اقامت کرے گی اگر وہ کفایت کرے، اور اگر اس کی اقامت گاہ میں دوسرے وارثوں کا بھی کچھ حصہ آ جائے گا تو اس کا کرایہ ادا کرے گی —! کیونکہ بیوہ عورت خواہ حاملہ ہو یا نہ ہو کسی صورت میں بھی اس کا حق سکنیٰ واجب نہیں ہے البتہ وہ اس گھر میں لازمی طور پر رہے گی، جہاں اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے وہیں دن رات اقامت رکھے گی، اگر وارثوں نے اجازت دے دی، نہ دی تو کرایہ دے گی —!"

شوہر کے گھر میں بیوہ عورت کا قیام لازم نہیں

فریعہ بنت مالک رحمہا اللہ کو اس حدیث کے سلسلہ میں اسی مثال سے دوچار ہونا پڑا، جو فاطمہ بنت قیس کو اپنی حدیث کے سلسلہ میں پیش آئی تھی، اس مسئلہ میں بھی بعض متنازعین کہتے ہیں ہم اپنے رب کی کتاب ایک عورت کے کہنے سے ترک نہیں کر سکتے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اعتداد (عدت) کی مدت چار مہینے دس دن لکھی ہے، اور شوہر کے گھر رہنے کا حکم نہیں دیا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی بیوہ عورت کے لیے شوہر کے گھر میں لزوم قیام سے انکار کیا ہے، بلکہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

حدیث فریعہ پر بحث: — بعض لوگ جو حدیث فریعہ میں منازعت کرتے

ہیں کہتے ہیں، عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک خلق کثیر صحابہ میں سے، جنگ احد، یوم بیر معونہ، یوم موتہ وغیرہ میں شہید ہوئے، اور ان کے قتل کے بعد ان کی ازواج (بیویوں) نے عدت بھی گزاری، پس اگر ان میں سے ہر عورت نے شوہر ہی کے گھر میں عدت گزاری ہوتی تو یہ بات چھپی نہ رہتی، ہر شخص کے علم میں ہوتی پھر یہ بات دوسرے جلیل القدر صحابہ سے کیسے چھپی رہتی، پھر یہ بات کہ اگر یہ سنت جاریہ ہوتی تو فریعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے میکہ جانے کی اور وہاں رہنے کی اجازت نہ طلب کی ہوتی، اور پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دی، پھر واپس لے لی، اگر یہ امر مستمر ہوتا، اور ہر طرح سے ثابت ہوتا تو ایسا کیونکر ہو سکتا تھا ـــــ؟

حضرت عثمان کا فیصلہ

دوسرے لوگ کہتے ہیں اس واقعہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے وہ سنت صحیحہ، صریحہ رد کر دی جائے، جسے امیر المومنین عثمان رضؓ اور دوسرے اکابر صحابہ نے قبول کیا، بلکہ حضرت عثمان رضؓ نے تو اسے نافذ بھی کیا۔

کیا عورتوں کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی؟

اور اگر یہ بات ہے کہ ہم عورتوں کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں قبول کر سکتے تو یہ بھی غلط ہے، سنن اسلام کی بہت سی سنتیں ہیں جن کی روایت صرف عورتوں ہی سے ہم تک پہنچی ہے۔

رہی یہ بات کہ کتاب اللہ میں لزوم منزل کا ذکر نہیں ہے اور سنت میں ہے اور سنت خلاف قرآن ہو، پھر کیسے قبول کر لی جائے گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنت قرآن کے خلاف کیا ہے، ؟ وہ تو محض اس کا بیان اور توضیح و تشریح ہے، ایک ایسے مسئلہ کے بارے میں جس پر وہ ساکت ہے، ایسی سنت کسی طرح بھی رد نہیں کی جا سکتی، اور یہ وہی چیز ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا ہے کہ ایسا نہ ہو جس حکم کی مثال قرآن میں نہ ہو، اور سنت میں ہو، اسے ترک کر دیا جائے۔

حضرت عائشہ اور حدیث فریعہ

رہا ام المؤمنین عائشہ رضؓ کا ترک حدیث فریعہ کو، یا تو یہ حدیث ان تک نہیں پہنچی۔

یا پہنچی مگر انھوں نے اس کی کوئی دوسری تاویل کر لی، یا ان کے سامنے اس کی معارض کوئی اور روایت ہو گی ـــ!"

ایک اعتراض اور اس کا جواب

باقی رہے وہ لوگ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں قتل ہوتے، یا آپ کے زمانہ میں فوت ہوتے تو ان کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ ان کی بیواؤں نے جہاں چاہا وہاں عدت گزاری، ان کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جو حدیث فریعہ کی مخالف ہو۔

عبدالرزاق ابن جریج سے، [redacted] عبداللہ بن کثیر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ مجاہد کی روایت ہے کہ جنگ احد کے مقتولین کی بعض بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں۔

"یا رسول اللہ ہم رات میں گھبراتے ہیں، لہٰذا ہم صبح تک اپنے میں سے کسی کے پاس رہتے ہیں، جب صبح ہوتی ہے اپنے گھر واپس چلے جاتے ہیں،!"

آپ نے فرمایا، "جب رات ہو اور تم سونا چاہو تو تم میں سے ہر ایک اپنے گھر میں رات بسر کرے![1]

---

[1] یہ ہدایت سراسر حکمت اور مصلحت عمری پر مبنی ہے، ایک بیوہ عورت کو لوگ بڑی آسانی سے بدنام کر سکتے ہیں، وہ بڑی آسانی سے متہم کی جا سکتی ہے، لہٰذا اسے قید مقامی کا پابند کیا گیا ہے تاکہ نہ اس پر انگلیاں اٹھ سکیں، نہ اس کے بارے میں چہ می گوئیاں ہو سکیں، نہ اس کے خلاف افواہ سازی کا سلسلہ جاری ہو سکے، بیوگی اور عدت کا زمانہ پوری احتیاط سے گزار لینا بہترین اور خوشی زندگی اور مستقبل کا ضامن ہے، لہٰذا اس عرصہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیئے جو، موضع تہمت بن سکے، کیونکہ ایک ذرا سی بات اگرچہ وہ بے بنیاد ہی کیوں نہ ہو اس کی زندگی اور مستقبل کو برباد کر سکتی ہے ـــ پس احتیاط اور دانش کا تقاضا یہی ہے کہ یہ زمانہ پوری احتیاط کے ساتھ گزارا جائے۔

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن ظاہر ہے مجاہد نے یا تو اسے کسی ثقہ تابعی سے سنا ہوگا، یا صحابی سے اور تابعین میں سے کسی سے کذب ثابت نہیں ہے، اور وہ فضیلت والے زمانہ کے دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بچشم خود دیکھا بھی ہے، ان سے علم حاصل کیا ہے، وہ صحابہ کے بعد خیر الامت ہیں، ان کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ آپ پر جھوٹ بولنے کی جرأت کریں گے، یا جھوٹوں کی روایت قبول کریں گے، خاص طور پر ایسا تابعی عالم جو روایت میں حد درجہ محتاط ہو۔

احدادِ معتدہ ـــــ نفیاً واثباتاً

شوہر اور قرابت داروں کا سوگ اور سوگ اور اس کے شرائط و مسائل

صحیحین میں حمید بن نافع زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ذیل کی تین حدیثیں روایت کیں،

۱- ام المومنین ام حبیبہؓ کی مثال

زینب کہتی ہیں :

میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئی جب ان کے والد ابوسفیان کی وفات ہوئی تھی، ام حبیبہ رضہ نے خوشبو منگوائی، ایک جاریہ نے ان کے لگائی، پھر ان کے دونوں رخسار پر اسے لگایا، حضرت ام حبیبہ نے فرمایا۔

« خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں تھی، مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بر سر منبر فرماتے سنا ہے، کہ آپ فرما رہے تھے جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے سوائے شوہر کے کہ اس کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے۔

۲- حضرت زینب بنت جحش کی مثال

زینب کہتی ہیں :

پھر میں زینب بنت جحش کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر ہوئی جب ان کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا، انھوں نے خوشبو منگائی، اور اسے لگایا، پھر فرمایا :

خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں تھی، مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے آپ برسر منبر فرما رہے تھے، کسی ایسی عورت کے لیے جو خدا، اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے حلال نہیں ہے کہ میت کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے، سوا شوہر کے کہ اس کے سوگ کی مدت چار مہینے

دس روز ہے۔

۴۔ حضرت ام سلمہ رضؓ واقعہ زینب کہتی ہیں میں نے اپنی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ فرماتی تھیں کہ ایک عورت ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ میری بیٹی بیوہ ہوگئی ہے، وہ مرض چشم میں مبتلا ہے کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے ——— ؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں ——— نہ ایک مرتبہ، نہ دو مرتبہ، نہ تین مرتبہ!"

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

شوہر کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے،

میت کا سوگ تین دن سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے صحیحین میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کا سوگ کوئی عورت تین دن سے زیادہ نہ منائے سوا شوہر کے، جس کا سوگ چار مہینے دس دن تک کا ہے، اور اس عرصہ میں نہ کوئی رنگا ہوا کپڑا استعمال کرے، نہ سرمہ لگائے، نہ خوشبو استعمال کرے، سوا طہارت کے لیے تھوڑی سی قسط یا اظفار کے۔

سوگ کی مدت میں سرمہ سے پرہیز سنن ابوداؤد میں ابن وہب کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں مجھے انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ میں نے مغیرہ بن ضحاک سے سنا، وہ کہتے تھے، مجھے ام حکیم بنت اسید نے اپنی ماں کے حوالہ سے خبر دی کہ ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا، اور ان کی آنکھیں خراب تھیں، تو انھوں نے جلا کا سرمہ لگایا! اور اپنی خادمہ کو، سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور دریافت کرایا وہ جلاء کا سرمہ لگا سکتی ہیں:

حضرت ام سلمہ نے جواب دیا، جب تک شدید ضرورت نہ ہو کوئی سرمہ نہ لگائیں، اور اگر لگائیں (شدید ضرورت کے باعث) تو رات کو لگائیں، اور دن کو پونچھ دیں،

اس سنت سے حاصل شدہ احکام

یہ سنت احکام عدیدہ کی حامل ہے،

۔ایک یہ کہ میت کا سوگ، خواہ وہ کیسا ہی قرابت دار کیوں نہ ہو، تین دن سے زیادہ نہ منانا چاہیے، سوا شوہر کے، اس کا سوگ چار مہینے دس دن کا ہے۔

۔سوگ کی دو قسمیں ہیں، ایک واجب ہے ایک جائز، شوہر کا سوگ واجب ہے، دوسروں کا جائز ہے،

۔دوسرا نکتہ مقدار احداد (سوگ) سے متعلق ہے، پس احداد زوج (شوہر کا سوگ) عزیمت ہے، اور دوسروں کا سوگ رخصت،!

بیوہ کے سوگ پر اجماع امت

بیوہ کے لیے سوگ منانے پر ساری امت کا اجماع ہے، بجز اس روایت کے جو حسن اور حکم بن عیینہ کی ہے۔

حسن کی روایت یوں ہے کہ حماد بن سلمہ حمید سے روایت کرتے ہیں کہ تین طلاقوں والی عورت اور بیوہ، سرمہ بھی لگا سکتی ہیں، کنگھی بھی کر سکتی ہیں، خوشبو بھی استعمال کر سکتی ہیں، خضاب بھی لگا سکتی ہیں، جہاں چاہیں نقل مکانی بھی کر سکتی ہیں، جو چاہیں کر سکتی ہیں،

حکم کی روایت یوں ہے کہ شعبہ ان سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ کے لیے کوئی سوگ نہیں ہے۔

تین دن کے بعد سوگ ختم

ابن حزم کہتے ہیں کہ اس قول کے جو لوگ علمبردار ہیں، وہ عبداللہ بن شداد بن الہاد کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں،!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب کی بیوی سے فرمایا کہ جب تین دن گزر جائیں، تو جو چاہو پہن سکتی ہو،!"

اور حماد بن سلمہ نے حجاج بن ارطاۃ سے انھوں نے حسن بن سعد سے انھوں نے عبداللہ بن شداد سے روایت کی کہ اسماء بنت عمیس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ جعفر پر روئیں۔ یہ اسماء ان کی بیوی تھیں، آپ نے تین دن کی اجازت دے دی، پھر تین دن کے بعد ان سے کہلایا

کہ اب غسل کریں، لباس بدلیں، اور سرمہ لگائیں۔"

لیکن یہ حدیث منسوخ ہے

لیکن اس استدلال کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث احادیث احداد سے منسوخ ہے، جن میں سوگ کی تفصیل بتائی گئی ہے اور جو اُوپر گزر چکی ہے۔

نیز اس استدلال میں ایک خامی یہ ہے کہ یہ منقطع ہے، کیونکہ اس کے آخری راوی عبداللہ بن شداد بن الہاد ہیں، اور انھوں نے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کچھ سنا، نہ آپ کی زیارت کی، پھر یہ حدیث ان احادیث صحیحہ پر کس طرح تقدم حاصل کرسکتی ہے، جن میں کوئی طعن نہیں ہے؟

اسی طرح حجاج بن ارطاۃ کی حدیث ان احادیث کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی، جو ائمہ حدیث کی روایت کردہ ہیں، اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالا ہیں،

سوگ عدت کا تابع ہے

سوگ، تابع ہے عدت کا، جو مہینوں کے حساب سے ہو، پس حاملہ کے وضع حمل کے بعد، عدت اور احداد دونوں ساقط ہو جائیں گے، اب وہ بناؤ سنگھار بھی کرسکتی ہے۔ خوشبو بھی استعمال کرسکتی ہے، اور شادی بھی کرسکتی ہے۔

ہر عورت پر احداد کا نفاذ ہوگا

احداد کا نفاذ ہر طرح کی بیویوں پر ہوگا، خواہ وہ مسلمہ ہوں، یا کافرہ، آزاد ہوں، یا باندی، کم سن ہوں، یا مسن، جمہور کا قول یہی ہے، امام احمد، امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہ قول ہے۔

لیکن ابن اشہب اور نافع اس سے اختلاف کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ذمیہ پر کوئی سوگ نہیں ہے۔

اشہب نے مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کا قول بھی یہی ہے۔ کہ صغیرہ

لہ دکم سن)

پر بھی سوگ نہیں ہے۔

کیا کافرہ اس حکم کی مکلف نہیں

اس قول کے جو اصحاب علمبردار ہیں وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ان عورتوں کو دیا ہے جو خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہوں، لہٰذا، کافرہ کو حکم احداد کا مکلف نہیں قرار دیا جا سکتا، وہ وہی کرے گی جو اس کے دین و شریعت کا تقاضا ہے۔

لیکن جو لوگ احداد کو ذمیہ پر واجب گردانتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ مسلمان شوہر کا حق ہے جو اسے ادا کرنا چاہیئے، اس کی مثال غیر مسلموں کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی ہے، اور معاہدے کی صورت میں غیر مسلم احکام اسلام کے تابع ہیں، اگرچہ ان کے باہمی عقود میں اسلام مداخلت نہیں کرے گا۔ اگر ذمیہ اپنے ذمی شوہر کی عدت نہ منائے تو اس سے باز پرس نہ ہوگی، لیکن مسلمان شوہر کی عدت گزارنے پر وہ مجبور ہے،

باندی اور ام ولد پر سوگ نہیں

: سوگ، باندی، اور ام ولد پر واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں باقی علاوہ بیویوں میں شمار نہیں کی جا سکتیں۔!

ابن منذر کہتے ہیں یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔

اگر سوال کیا جائے کیا باندی اور ام ولد تین دن کا سوگ منائے گی؟ تو جواب اثبات میں ہوگا، کیونکہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کیا جا سکتا، صرف شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن کا ہے، لہٰذا باندی اور ام ولد اس گروہ میں داخل ہیں جن کے لیئے احداد جائز ہے اس گروہ میں نہیں شمار ہوں گی، جس پر واجب نہیں ہے،

خوشبو سے سوگ کے درمیان میں اجتناب لازم ہے

—: وہ چیزیں جن سے حادہ (سوگ منانے والی) کو اجتناب کرنا چاہیئے، وہ نص سے ثابت ہیں، نہ کہ آراء و اقوال بے دلیل سے۔

ان میں ایک خوشبو ہے، خوشبو میں مشک، عنبر، کافور، بخور، اور خوشبودار تیل وغیرہ شامل ہیں، لیکن زیتون اور گھی وغیرہ شامل نہیں ہے۔

زینت بدن سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے

—: دوسری چیز زینت بدن ہے، لہٰذا

سوگ منانے والی عورت پر خضاب، نقش، تطریف وغیرہ حرام ہیں،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کے بارے میں خاص طور پر تنبیہ کی ہے، کیونکہ اس سے زینت کا بھرم بہت بڑھ جاتا ہے، درحقیقت یہ بہت بڑا فتنہ ہے، اور مقصود سوگ کی ضد ہے۔

اسی طرح سرمہ بھی ہے، اس کی ممانعت نص صحیح و صریح سے ثابت ہے۔

بعض اصحاب شافعی کا قول

چنانچہ سلف و خلف کے ایک گروہ نے جس میں ابو محمد ابن حزم بھی ہیں، کہا ہے کہ سوگ منانے والی عورت سرمہ نہ لگائے نہ دن کو، نہ رات کو، خواہ اس کی آنکھیں کیوں نہ ضائع ہو جائیں [1] کوئی شبہہ نہیں سرمہ خوشبو کی طرح بہت بڑی زینت ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ،

بعض شافعی اصحاب کا قول ہے کہ سیاہ رو عورت سرمہ لگا سکتی ہے لیکن یہ تصرف ہے اور مخالف نص ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اسود و ابیض کے مابین کوئی تفریق نہیں کرتے، جس طرح بلند قامت اور پستہ قد کے درمیان کسی طرح کا فرق جائز نہیں رکھتے۔

جمہور علماء کا مسلک

لیکن جمہور علماء، مثلاً مالک، احمد، شافعی، اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ عورت اگر مجبور ہو جائے سرمہ لگانے پر تو دوا کے طور پر نہ کہ زینت کے طور پر لگا سکتی ہے لیکن رات کو لگائے، اور دن کو پونچھ ڈالے، دلیل میں یہ حضرت ام سلمہ کی حدیث پیش کرتے ہیں، جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے،

زینت لباس بھی ممنوع ہے

ایک اور ممنوع چیز زینت لباس ہے، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ اس مدت میں رنگا ہوا کپڑا نہ استعمال کیا جائے، اور یہ عام ہے، اس میں تمام رنگے ہوئے کپڑے آجاتے ہیں

---

[1] یہ غیر ضروری قسم کی انتہا پسندی ہے، جو اسلام کی روح کے منافی ہے، اسلام کے نزدیک انسان کی جان سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں، اور زندگی بچانے کے لیے انسان منہیات شرع تک کا ارتکاب کر سکتا ہے۔

سرخ، زرد، سبز، نیلگوں سب، ہر وہ رنگ جس سے تحسین اور تزئین جھلکتی ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ کا قول

امام احمد رحمہ اللہ بحسب روایت ابوطالب فرماتے ہیں معتدہ عورت زمانۂ عدت میں نہ زینت کی طرف توجہ کرے، نہ خوشبو کا استعمال کرے، نہ سرمہ لگائے، نہ خوشبودار تیل برتے، صرف ایسا تیل استعمال کرسکتی ہے جو خوشبو نہ رکھتا ہو، نہ مشک اور زعفران کے قریب جائے، لیکن جس عورت کو ایک طلاق دی گئی ہو، یا دو طلاقیں دی گئی ہوں، وہ بناؤ سنگار کرسکتی ہے، کہ مبادا شوہر رجعت کرلے،

بناؤ سنگار سے احتراز کرنا چاہیئے

ایک اور ممنوع چیز نقاب ہے خرقی نے اپنی "مختصر" میں لکھا ہے،:

"بیوہ عورت کو خوشبو سے، زینت سے، اور کسی دوسرے گھر میں رات گزارنے سے اجتناب کرنا چاہیئے، نیز سرمہ اور نقاب سے مجتنب رہنا چاہیئے"!"

لیکن امام احمد سے اس طرح کی کوئی نص مجھے نہیں ملی، اسحاق بن ہانی نے "مسائل" میں لکھا ہے:

"میں نے ابوعبداللہ سے، دریافت کیا کیا عورت زمانۂ عدت میں نقاب استعمال کرسکتی ہے؟ تیل کا استعمال کرسکتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا، "کوئی حرج نہیں ہے — "! لیکن اسے مکروہ خیال کیا کہ بیوہ عورت زمانۂ عدت میں بناؤ سنگار کرے۔

ابومحمد نے مغنی میں کہا ہے کہ سوگ منانے والی عورت کو جن چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیئے ان میں نقاب بھی ہے، اور اس سے ملتی جلتی چیز بھی، مثلاً برقع اس لیے کہ معتدہ محرمہ سے مشابہ ہے، اور محرمہ کے لیے یہ چیزیں منع ہیں۔ اگر اسے منہ ڈھکنے کی ضرورت ہو تو چادر کا گوشہ لٹکالے، جیسے محرمہ کرتی ہے۔ [1]

---

[1] اسلام کے احکام مصالح عمومی، اور صلاح وفلاح افراد و معاشرہ پر مبنی ہیں، انہی میں سے شوہر کی وفات کے بعد سوگ منانا اور عدت گزارنا بھی ہے۔

دوسرے مذاہب میں بیوہ عورتوں کا چہرہ مسخ کر دیا جاتا ہے، ان کی زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے، انھیں نہ صرف سوسائٹی میں، بلکہ اپنے گھر میں، اپنے باپ اور بھائی کے گھر میں اچھوت کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، انہیں منحوس سمجھا جاتا ہے، ان کے سایہ سے بچا جاتا ہے۔ انھیں بدترین لعنت تصور کیا جاتا ہے۔

اسلام نے ان تمام چیزوں کو لغو اور باطل قرار دیا ہے، اور کسی حالت میں بھی بیوہ عورت کو سزاوار مصیبت نہیں قرار دیا ہے، عدت کی مصلحت یہ ہے کہ:

۱- اس مدت میں عورت اپنے تاثرات غم والم پر قابو پالے۔

۲- اگر حاملہ ہو تو اس کے بارے میں تیقن ہو جائے۔

اس مختصر سے مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد وہ آزاد ہے، جس سے چاہے شادی کر لے، پھر اسے نشاط حیات سے لطف اندوز ہونے کا اتنا ہی حق ہے، جتنا کسی اور کو ہو سکتا ہے۔

استبراء

ایک نہایت اہم اور فکر انگیز فقہی مسئلہ

ابوسعید خدریؓ کی حدیث صحیح مسلم میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے موقع پر ایک لشکر اوطاس بھیجا، دشمن سامنے آیا۔ جنگ ہوئی، مقاتلہ ہوا، مسلمان غالب آئے اور بہت سے قیدی ان کے ہاتھ آئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :-

والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم

"یعنی یہ (مشرکوں کی) عورتیں تم پر حلال ہیں جب یہ عدت کا زمانہ پورا کرلیں۔

ترمذی میں عرباض بن ساریہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی (مشرکین کی) عورتوں سے اس وقت تک تمتع کی ممانعت فرمائی جب تک وہ وضع حمل نہ کرلیں۔

مسند میں اور سنن ابوداؤد میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی قیدی عورتوں کے بارے میں فرمایا :

"کسی حاملہ عورت سے تمتع نہ کیا جائے جب تک وہ وضع حمل نہ کرلے۔ اور نہ غیر حاملہ سے خلوت کی جائے جب تک اسے ایک حیض نہ آجائے"

ترمذی میں رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جو شخص اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنا پانی دوسرے کے لڑکے کو نہ پلائے"

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے

سنن ابوداؤد کی ایک حدیث سنن ابوداؤد کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو کوئی اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میدان جنگ سے گرفتار ہو کر آنے والی عورتوں میں سے کسی سے اس وقت تک تمتع کرے جب تک اس سے استبراء نہ کر لے۔"

بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ابن عمرؓ کی ایک حدیث درج کی ہے، جس میں ہے کہ کنواری عورت کے لیے استبراء کی ضرورت نہیں ہے۔

عبدالرزاق معمر سے اور وہ طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مغازی کے موقع پر ایک منادی بھیجا جو ندا دے رہا تھا کہ کوئی شخص کسی حاملہ یا غیر حاملہ (میدان جنگ سے گرفتار کی ہوئی عورت سے) تمتع نہ کرے، جب تک اسے حیض نہ آجائے۔

سفیان ثوری، زکریا سے اور وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو جنگ اوطاس کے موقع پر بہت سے قیدی ہاتھ آئے (ان میں عورتیں بھی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حاملہ عورت سے اس وقت تک تمتع نہ کیا جائے جب تک وہ وضع حمل نہ کر لے، اور غیر حاملہ سے اس وقت تک تمتع نہ کیا جائے جب تک اسے حیض نہ آجائے۔

سنن بالا سے متضمن احکام عدیدہ

یہ سنن متعدد احکام و مسائل پر مشتمل ہیں:

استبراء کے بغیر تمتع کی اجازت نہیں

(۱) میدان جنگ سے گرفتار کی ہوئی کسی قیدی عورت[۲] سے اس وقت تک جماع نہیں کیا جا سکتا جب تک

---

[۱] استبراء کے لفظی معنی ہیں طلب برأت
اصطلاحی مفہوم اس کا یہ ہے کہ جب تک رحم کی برأت نہ حاصل کر لے۔ یعنی یہ نہ معلوم کر لے کہ یہ عورت کسی دوسرے شخص کے بیٹے کی ماں بننے والی تو نہیں ہے، اس سے تمتع نہ کرے، تاکہ نسب محفوظ رہے اور مشکوک نہ رہے۔

[۲] آج سے ۱۴ سو برس پہلے جب اسلام نمودار ہوا تھا۔ تب دنیا کا آئین جنگ کیا تھا؟
دنیا کا آئین جنگ یہ تھا کہ "جنگ میں سب کچھ جائز ہے" (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

استبراء یعنی رأفت رحم نہ کرلی جائے، بالفاظ دیگر یہ نہ معلوم ہوجائے کہ یہ کسی کے حمل سے تو نہیں ہے

چنانچہ بغیر اعلان کے جنگ کردینا، جنگ مطلوب ہو تو معاہدہ صلح کو بغیر کسی سبب کے توڑ دینا، دورانِ جنگ میں اچانک دشمن پر جا پڑنا۔ جنگ کی حالت میں ان لوگوں کو بھی قتل کردینا جو جنگ آزما نہ ہوں، مغلوب حریف کے کھیتوں کو جلادینا، مکانوں کو لوٹ لینا، زن و فرزند کو غلام اور باندی بنالینا، مملوکہ چیزوں پر قبضہ کرلینا، بوڑھے، زخمی، ناکارہ، مردوں اور بوڑھی، ناکارہ اور بدصورت عورتوں کو قتل کردینا۔ مغلوب حریف کی عورتوں سے بدکاری اور زنا کا ارتکاب کرنا شعارِ عام تھا!

اور اب کہ دنیا، نہضت وارتقا کی تمام منزلیں طے کرچکی ہے، انسان حد درجہ شائستہ اور مہذب ہوچکا ہے۔ اقدارِ انسان کی عظمت اور تقدس کا سورج چمک رہا ہے، بربریت کا دور ختم ہوچکا ہے اور انسانیت کبریٰ سریر فرماں روائی پر متمکن ہے۔ دنیا کا آئین جنگ و پیکار کیا ہے؟

پہلی جنگ عظیم سنہ ۱۹۱۸-۱۴ اور دوسری جنگ عظیم سنہ ۱۹۴۵-۳۹ء اسی صدی کا واقعہ ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے اثرات دیکھنے والے ...... میدانِ جنگ میں شریک ہوکر دادِ وغا یا دادِ شجاعت دینے والے ہزارہا لوگ ابھی زندہ ہیں۔

دوسری جنگ عظیم تو گویا ابھی کل کا واقعہ ہے اس کے واقعات و حوادث، خون آشامیاں، اور سفاکیاں لوگوں کے حافظے میں ابھی تازہ ہیں، اخبارات کے فائلوں میں موجود ہیں۔ تازہ بتازہ اور نو بو فلموں میں ان کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے۔

پہلی جنگ عظیم میں قیصر ولیم نے بلجیم اور دوسرے معاہد ملکوں کی سرزمین اس لیے پامال کردی کہ اس کے "مصالح جنگ" کا تقاضہ یہی تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں، ہٹلر نے، یہودیوں پر جو مظالم توڑے، اور جمہوریت پسندوں کے ساتھ جو سلوک کیا، جنگی قیدیوں کو جس طرح تڑپا تڑپا کر مارا اور ہلاک کیا اور ان کے خاک و خون میں غلطاں ہونے کا تماشہ دیکھا۔ مسولینی نے جس طرح اعلانِ دوستی کے باوجود یورپ کے واحد مسلم ملک البانیہ کو فتح کرلیا، اور اس کامرانی پر نازاں رہا۔ طرابلس الغرب کے حریت مآب عربوں پر جو ننگ انسانیت مظالم توڑے، روس نے جس طرح بے وجہ اور بے سبب مفتوح "قوموں" کی عزت و آبرو، اور ثروت و دولت لوٹی اور اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ جو لرزہ خیز مظالم روا رکھے ـــ حد یہ ہے کہ جاپان کے ہزاروں جنگی قیدیوں کا جو روس نے گرفتار کرلیے تھے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(تاکہ پیدا ہونے والی اولاد کا نسب محفوظ رہے) اگر وہ حاملہ ہے تو استبراء رحم کے لیے وضع حمل

(حاشیہ) آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ انھیں زمین کھا گئی، یا آسمان نگل گیا — جاپان نے دوسری جنگ عظیم سے حاصل شدہ دور کشورکشائی اور جہاں بانی میں، اپنے مفتوحہ ممالک، برما، ملایا، جاوا سماٹرا، بورنیو، وغیرہ (یہ علاقہ اب انڈونیشیا کہلاتا ہے) کے ناکردہ گناہوں کے ساتھ جو سلوک مرعی رکھا، ان کے مردوں، عورتوں اور بچوں پر، جو بے پناہ مظالم توڑے۔ ان کے نام نہاد جنگی قیدیوں کے ساتھ جو رحم فرساسفاکیاں جائز رکھیں، جنگی کیمپوں میں، ہندوستانی اور پاکستانی قیدیوں کو جس طرح ہدف ستم بنایا، جس درندگی اور بربریت کے ساتھ ان کی متاع حیات اور متاع عصمت لوٹی، وہ تاریخ کا ایک ناقابل فراموش صفحہ ہے۔

اس طرح امریکہ نے ایٹم بم پھینک کر، جس طرح ناگاساکی اور ہیروشیما کو پیوند زمین بنایا اور دوسری جنگ عظیم کو کامیابی کے ساتھ ختم کرنے کا سہرا اپنے سر باندھا، اس سے کون ناواقف ہے؟

اس دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے بعد، امریکہ، برطانیہ، فرانس، اور روس نے جس طرح جرمنی اور کوریا اور چین کے حصے بخرے کیے، وہ اس وقت تک فراموش نہیں ہو سکتے، جب تک مغربی اور مشرقی جرمنی، شمالی اور جنوبی کوریا کمیونسٹ چین اور فارموسا موجود ہیں۔

مانا کہ وقت ذبح تپیدن گناہ من
دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست؟

آج کی دنیا، آج کا یورپ، اور آج کی ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن اقوام کی زبان پر عظمت انسانیت کے ترانے ہیں، اس نے دونوں جنگوں میں انسانیت کی عظمت کو کس طرح پاؤں تلے روندا یہ معلوم ہو گیا۔

آج کی دنیا، آج کے یورپ، اور آج کی ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن اقوام کی زبان پر، عورت کی عظمت کا ترانہ ہے۔

لیکن اس نے اس دور جنگ آزمائی میں، مظلوم، بے گناہ، مقدس مآب اور باعظمت عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا اسے بتانے کی ضرورت ہے؟

جاپان کے دلاوروں نے جس طرح اقوام مفتوحہ کی خواتین کی آبروریزی کی اس سے دیاتی لگا مغرب

کافی ہے ۔ اگر حاملہ نہیں ہے تو استبراء رحم کے لیے ، ایک حیض کا آنا ضروری ہے ۔

(بقیہ حاشیہ) کون ناواقف ہے ؟

مسولینی کے مردان جنگی نے حبش میں ، بدکاری کا ریکارڈ قائم کردیا ، یہاں تک کہ نمائندگان صحافت چیخ اُٹھے ، اس ملک میں ۱۲ سال سے زیادہ عمر کی کسی لڑکی کے لیے دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ باعصمت ہے ۔

جاپان اختتام جنگ کے بعد امریکہ کے قبضہ میں چلا گیا ، امریکی فوجیں جنرل میکارتھر کی سربراہی میں جاپان پر قابض ہوگئیں ۔ مقبوضہ جاپان (اکوپائیڈ جاپان) میں امریکی سپاہیوں نے بدکاری ، اور آبروریزی کے جو شاندار کارنامے انجام دیئے انھیں دیکھ کر جاپانی قوم کی طرح غلام جاپانی پریس تک خاموش نہ رہ سکا ۔ وہ فریاد کرنے پر مجبور ہوگیا کہ آج جاپان میں کوئی باعصمت عورت ڈھونڈنے سے بھی بہ مشکل دستیاب ہوسکے گی ۔

پھر یہی نہیں فاتح قوم کے عیاش سپاہی ، جب اپنے ملک ، شاداں اور کامراں واپس ہوئے تو وہ ان عورتوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکے ، جن سے انھوں نے بہ رضا و رغبت نہیں بہ جبر و اکراہ تعلقات قائم کیے تھے ، اور ان تعلقات کی یادگار کی صورت میں ، ان کے صلب اور عورتوں کے بطن سے اولادیں بھی پیدا ہوچکی تھیں ۔

ان ہزارہا ہزار لڑکوں اور لڑکیوں کو چھوڑیئے جن کی مائیں نامعلوم سپاہیوں کے طفیل ماں بننے پر مجبور ہوئیں ۔ ان ہزارہا لڑکوں اور لڑکیوں کو نگاہ کے سامنے لائیے ، جو معلوم اور معروف سپاہیوں کی رفیقۂ عشرت بنیں ، جن کے صلب اور بطن سے باقاعدہ اولادیں پیدا ہوئیں ، پھر بھی ، دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہے ۔

فاتح قوم کا وقار بھی تو کوئی چیز ہے ۔

مفتوح قوم کو شکست کی ذلت سے بھی تو دوچار ہونا چاہیے ، کیا انسانیت کی عظمت فاتح اور مفتوح کو ایک کردے گی ؟

نہیں ایسا نہیں ہوسکتا ـــــ فاتح ، فاتح ہے ، مفتوح ، مفتوح ، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکتے ۔

یہ حال تو ہے آج کا ! ـــــ جب کہ غلامی ختم ہوچکی ہے ۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر جنگی قیدی عورت غیر حائضہ ہو (۲) لیکن گرفتار شدہ عورت اگر ذوات ..... میں سے نہ ہو، یعنی اس عمر کو نہ پہنچی ہو کہ حائضہ ہو سکے۔ تو

(بقیہ حاشیہ) لیکن ذرا آج سے ۱۴ سو برس پہلے کے عہد مظلمہ پر ایک نظر ڈالیے، جب اسلام نمودار ہوا تھا!

اسلام کا آئین جنگ کیا تھا؟

(۱) بغیر اعلان کے جنگ نہیں کی جا سکتی۔

(۲) اپنی طرف سے معاہدہ فسخ نہیں کیا جا سکتا، دشمن خود فسخ کر دے تو یہ دوسری بات ہے۔

(۳) مسلمان فوجیں دشمن کے علاقہ میں ہرے درخت نہیں کاٹ سکتیں، کھیت نہیں جلا سکتیں، کشت و خون کا بازار نہیں گرم کر سکتیں،

(۴) دشمن قوم کی عورت نہیں قتل کی جا سکتی، بچہ نہیں قتل کیا جا سکتا، بوڑھا نہیں قتل کیا جا سکتا۔

(۵) بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) طالب اماں دشمن کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

(۷) جو ہتھیار ڈال دے اسے قتل نہیں کیا جا سکتا،

(۸) دشمن کی درخواست صلح رد نہیں کی جا سکتی۔

(۹) جو لوگ میدان جنگ میں گرفتار ہوں، انھیں "کنسنٹریشن کیمپ" میں قید نہیں رکھا جا سکتا، جب تک ان کے فدیہ یا رہائی کا فیصلہ نہ ہو جائے وہ مہمان ہیں۔ وہ مسلمانوں میں تقسیم ہو جائیں گے، اور وہ انھیں مہمان کی طرح رکھیں گے، جو خود کھائیں گے وہی کھلائیں گے، بلکہ اگر مالی حالت درست نہ ہو تو مہمان کو کھلائیں گے، خود فاقہ کر لیں گے، جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں نے کیا تھا

(۱۰) دشمن کے جو سپاہی، گرفتار ہو کر، غلام بن جائیں، ان سے کوئی ایسی مشقت نہیں لی جا سکتی، جو ان پر گراں ہو۔ اور اگر ایسی مشقت لی جائے تو مالک خود بھی ان کا ہاتھ بٹائے، جیسا کہ بخاری اور مسلم کی احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔

(۱۱) ان غلاموں کو بھی آقا وہی کھلائے گا جو خود کھائے گا، وہی پہنائے گا جو خود پہنے گا۔

(۱۲) جو عورتیں باندی بنیں گی، ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو گا، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (باقی اگلے صفحہ)

اس کے بارے میں اختلاف ہے

وہ عورت جو باکرہ ہو (کنواری ہو) اور جس کی برأت رحم کا علم ہو، اس سے تمتع جائز ہے۔

(بقیہ حاشیہ) (۱۳) ماں اور بچہ میں تفریق نہیں کی جاسکتی۔

(۱۴) اس سے اس وقت تک جماع نہیں کیا جاسکتا، جب تک استبراء رحم نہ کرلیا جائے۔

یہ نہیں کہ ادھر فاتح فوج نے قدم رکھا، ادھر جو عورت سامنے آئی وہ باندی بن گئی،

غیر مصافی علاقہ کی کوئی عورت باندی نہیں بنائی جاسکتی۔ صرف قیدی عورتیں باندی بنائی جاسکتی ہیں۔

اور ان سے بھی باندی بننے کے فوراً بعد مباشرت نہیں کی جاسکتی۔ کم ازکم ایک حیض تک آقا کو انتظار کرنا پڑے گا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ آیا یہ حاملہ ہے یا نہیں؟

اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک حرام ہے۔ حاملہ نہیں ہے تو ایک حیض تک حرام ہے۔

یہ احتیاط، یہ انتظار، یہ پابندی کیوں؟

کیا باندیوں کے لیے بھی احتیاط، انتظار، اور پابندی کی ضرورت ہے؟ وہ تو جانور ہیں انھیں ہر وقت اور ہر طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

لیکن اسلام اسے نہیں مانتا۔

اسلام کے نزدیک عورت محترم ہے، اس کا ہونے والا بچہ محترم ہے اور جس نے اسے خریدا یا پایا ہے۔ وہ بھی محترم ہے۔

اور اس احترام کا تقاضا یہ ہے کہ احتیاط، انتظار اور پابندی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب محفوظ رہے۔ اس پر زبان طعن نہ دراز کی جاسکے۔

اگر مسولینی کی فوجوں نے حبش میں، ہٹلر کی فوجوں نے فرانس میں، امریکی سپاہیوں نے جاپان میں روس کے جوانان تیغ زن نے مفتوحہ علاقوں میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہوتا تو کیا پھر بھی ان کی مفتوحہ قوموں اور ملکوں میں جبری بدکاری اتنی عام ہوسکتی تھی؟

غلامی، غلاموں اور باندیوں کے بارے میں اسلام کے احکام، انسانیت کی عظمت کا وہ چارٹر ہیں جو آج بھی دنیا کی ہر قوم کے لیے دلیل راہ ہیں۔ اور آئندہ بھی اسی شمع کی روشنی سے رہبری کی جائے گی۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ استبراء کا مقصد یہ ہے کہ برأت رحم کا علم حاصل ہو جائے۔ پس جب مالک کو برأت رحم کا یقین ہو گیا، تو وہ اس سے تمتع کر سکتا ہے۔ اب استبراء کی ضرورت نہیں، جیسا کہ عبدالرزاق معمر سے، وہ ایوب سے، وہ نافع سے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ باندی اگر عذرا (کنواری، دوشیزہ) ہو تو اس سے استبراء رحم کی ضرورت نہیں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث

بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حماد بن سمد علی بن زید سے، وہ ایوب سے، وہ عبداللہ اللخمی سے وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ جلولاء میں ایک جاریہ میرے حصہ میں آئی، اس کی گردن ایسی تھی جیسے چاندی کی صراحی، ابن عمر کہتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو اس کا بوسہ لینے سے نہ روک سکا، حالانکہ لوگ کھڑے دیکھ رہے تھے۔

استبراء کے قواعد اور فروع

اب ہم استبراء کے قواعد اور فروع ذکر کرتے ہیں۔ ابوعبداللہ مازنیؒ نے اس موضوع پر ایک پورا باب باندھا ہے۔ ہم اسے بلفظہ نقل کرتے ہیں:

" اس مسئلہ میں قول جامع یہ ہے کہ ہر باندی جس کے حاملہ نہ ہونے کے بارے میں اطمینان ہو، اس پر استبراء واجب نہیں ہے اور جس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ حاملہ ہے، یا اس کے حاملہ ہونے کا شک ہو یا تردد ہو تو اس کے لیے استبراء لازم ہے۔

اور جس کے بارے میں ظن غالب تو برأت رحم کا ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ آقا اگر چاہے تو استبراء کر سکتا ہے۔ غرض اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک ثبوت

(بقیہ حاشیہ) اور اسلام کے یہ احکام، صرف صفحۂ قرطاس کی زینت نہیں ہیں ان پر عمل بھی ہوا۔ اور نہایت امانت داری کے ساتھ ہوا، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن دلوں کے دروازے اسلام کے لیے بند تھے وہ کھل گئے، جو اسلام کے دشمن تھے وہ مسلمان بن گئے، جن کی نظر میں اسلام سے بڑھ کر بدترین کوئی چیز نہ تھی، وہی اسلام کے پرستار بن گئے ——

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

استبراء کا، دوسرا سقوط کا!

اس اصول پر فروع مختلفہ کی تخریج ہوتی ہے۔ مثلاً:

آئسہ اور وہ صغیرہ جو مجامعت کی طاقت رکھتی ہو ـــــ اس بارے میں:

صاحب جواہر کا قول ہے کہ صغیرہ میں استبراء واجب ہے اگر وہ سن حمل کے قریب پہنچ چکی ہو، مثلاً اس کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال کی ہو، اور اس صورت میں استبراء واجب ہوگا اگر وہ جماع کی اہلیت رکھتی ہو۔ لیکن ۹ - ۱۰ سال کی لڑکی اس سے مستثنیٰ ہے۔

غرض اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں، ابن القاسم کی ایک روایت اثبات کی ہے اور ابن عبدالحکم کی دوسری نفی کی۔

لیکن اگر صغیرہ جماع کی برداشت نہ رکھتی ہو تو پھر استبراء اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔

آئسہ کے لیے بھی استبراء واجب ہے

لیکن جو عورت سن حیض سے متجاوز کر چکی ہو اور سن آئسہ کو نہ پہنچی ہو، اس کے لیے بھی استبراء واجب ہے۔ مثلاً جس کی عمر چالیس، یا پچاس سال کی ہو چکی ہو۔

لیکن جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو، آیا اس کے لیے استبراء واجب ہے؟ یا نہیں؟ اس باب میں دو قول ہیں جو ابن القاسم اور ابن عبدالحکم کے ہیں۔

مازنی کہتے ہیں جو صغیرہ مجامعت کی استطاعت رکھتی ہو، اس کا اور آئسہ کا استبراء اس لیے واجب ہے کہ نادر طور پر سہی لیکن وہ بھی حاملہ ہو سکتی ہے۔

اسی طرح باندی کا استبراء بھی ہے اس اندیشہ سے کہ ممکن ہے اس نے زنا کیا ہو۔ لہٰذا سوء ظن کی بنا پر اس کا استبراء ضروری ہے۔

اسی طرح جس باندی کو مجبوب (نامرد) نے خریدا ہو، یا کسی عورت نے خریدا ہو، یا ذو محرم نے خریدا ہو، تو اس کے وجوب میں امام مالک سے دو

روایتیں ہیں۔

اسی طرح مکاتبہ[1] کا استبراء ہے، جب وہ متصرف ہو، پھر عاجز آجائے اور مجبوراً مالک کے واپس آجائے تو ابن القاسم اس کے لیے استبراء ثابت کرتے ہیں اور اشہب اس کے لیے استبراء کی نفی کرتے ہیں۔

اسی طرح بکر(کنواری) کا استبراء ہے، ابوالحسن اللخمی کے نزدیک بربنائے احتیاط مستحب ہے، لیکن واجب نہیں ہے۔ لیکن امام مالک کے دوسرے اصحاب اسے واجب بتاتے ہیں۔

اسی طرح ام ولد کا معاملہ ہے کہ جب اس کے آقا کا انتقال ہوجائے تو اس کی عدت ایک حیض ہوگی۔

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے دریافت کیا، ام ولد[2] کی عدت کیا ہوگی؟ جب اس کے آقا کا انتقال ہوجائے؟ یا وہ آزاد کردے؟ انھوں نے فرمایا اس کی عدت ایک حیض ہے، کیونکہ یہ بہرحال باندی ہے[3]۔

---

[1] مکاتب اور مکاتبہ اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جو اپنے آقا سے یہ معاملہ کرلے کہ اتنی رقم اگر ادا کردے تو اسے آزادی حاصل ہوجائے گی، پھر وہ محنت مزدوری کرکے، وہ رقم جو طے ہوئی تھی آقا کو ــــ یکمشت یا بالاقساط ــــ ادا کردے، تو اسے آزادی حاصل ہو جائے گی۔ ــــ کوئی غلام یا باندی اگر مکاتب بننا چاہے تو آقا اسے مکاتب بنانے سے انکار نہیں کرسکتا۔ ــــ اسلام نے ویسے تو غلامی ختم ہی کردی تھی، لیکن جو غلام باقی تھے ان کے لیے وہ سہولتیں عطا فرمائیں، جو انھیں کبھی اور کہیں حاصل نہ ہوسکی تھیں۔

[2] ام ولد وہ عورت ہے، جو باندی ہو، اور آقا کے صلب اور اس کے بطن سے اولاد پیدا ہوئی ہو۔

[3] یہ صرف امام احمد کا مسلک ہے۔ ورنہ احناف کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ آقا کا بچہ جنتے ہی وہ خود بخود آزاد ہوجائے گی، اور عقلاً بھی یہی درست ہے۔ ایک آدمی صاحب اولاد ہو، اور اس اولاد کی ماں باندی ہو، پھر اس اولاد کی معاشرہ میں، اور باندی کی اولاد کی نظر میں کیا وقعت رہ جائے گی۔

اگر اس پر حد جاری ہوگی تو باندی کی حد جاری ہوگی [1] اور اگر اس کے پیٹ سے اولاد پیدا ہوئی، تو وہ بھی ماں کے درجہ میں ہوگی۔ اس کی آزادی کے ساتھ آزاد غلامی کے ساتھ غلام بن جائے گی [2]

باندی کی عدت

باندی کی عدت کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ یعنی اس کی عدت چار مہینے دس دن قرار دیتے ہیں، جو حرہ کی عدت ہے، لیکن یہ پوری عدت اس باندی کی ہے جو غلامی کے حلقہ سے نکل کر آزادی کے دائرہ میں داخل ہو چکی ہو۔

جو لوگ اس کی عدت چار مہینے دس دن قرار دیتے ہیں وہ اسے حرہ کے حکم میں داخل کرتے ہیں اس پر جو احکام مترتب ہوں گے وہ حرہ کے ہوں گے، کیونکہ اس نے عدت باندی کی نہیں حرہ کی گزاری ہے۔

ام ولد کی عدت

بعض کا خیال ہے کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہے، لیکن یہ ایسا قول ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے، اور ظاہر ہے یہ مطلقہ نہیں ہے اور حرہ بھی نہیں ہے جس کی عدت اللہ نے چار مہینے دس دن مقرر کی ہے۔

اور ام ولد نہ حرہ ہے نہ زوجہ، کہ چار مہینے دس دن کی عدت گزارے۔ وہ ایسی باندی ہے جو غلامی سے آزادی کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ یہ امام احمد رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ اس طرح صالح کی روایت میں ہے کہ ام ولد بیوہ یا آزاد ہونے کے بعد ایک حیض کی عدت گزارے گی کیونکہ بہرحال وہ باندی ہے۔ محمد بن العباس کی ایک روایت یہ ہے کہ ام ولد چار مہینے دس دن کی عدت اپنے آقا کی وفات کے بعد

---

[1] آزاد اور غلام کی حد (شرعی سزا) میں فرق ہے۔
آزاد پر پوری مقررہ حد (سزا) جاری ہوتی ہے اور غلام پر صرف نصف۔

[2] یہ بھی صحیح نہیں۔ جب اولاد ہو اکرنے کے بعد وہ خود آزاد ہو گئی، تو اس کی اولاد کی غلامی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

گزرے گی۔

امام احمدؒ کی ایک تیسری روایت

شیخ نے مغنی میں کہا ہے کہ ابو الخطاب نے امام احمدؒ سے ایک تیسری روایت ذکر کی ہے، کہ ام ولد مہینے اور پانچ دن کی عدت گزارے گی لیکن میں نے یہ روایت احمدؒ سے جامع میں نہیں پائی۔ نہ اسے میں امام احمدؒ سے صحیح خیال کرتا ہوں۔

ایک روایت یہ ہے کہ اگر آقا اپنی باندی کو آزاد کردے، تو جب تک عدت نہ گزار لے اس کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا۔

عمرو بن العاص کی روایت

جو لوگ ام ولد کی عدت چار مہینے دس دن قرار دیتے ہیں، ان کے قول کی بنیاد عمرو بن العاص کی روایت ہے۔ ابوداؤد نے عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا، ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں فساد مت ڈالو۔ ام ولد کا آقا جب مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے، یہ قول سعید بن محمد ابن سیرین۔ مجاہد و عمر بن عبدالعزیز، خلاص بن عمرو۔ زاہری، اوزاعی اور اسحاق کا یہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ام ولد حرہ ہے لہٰذا عدت وفات گزارے گی جو چار مہینے دس دن ہے۔

لیکن عطاء، نخعی، ثوری، اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں ام ولد کی عدت تین حیض ہے۔

حضرت علیؓ اور ابن مسعود رحمہم اللہ سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"ام ولد کے لیے عدت تو بہر حال ضروری ہے لیکن وہ بیوی نہیں کہ آیۂ ازواج میں داخل ہو، نہ باندی ہے کہ نصوص استبراء کنیز میں داخل ہو۔ وہ مطلقہ سے مشابہ ہے لہٰذا تین حیض کی عدت گزارے گی۔

ام ولد کی عدت حیض کی ہے

ان اقوال میں صحیح قول یہ ہے کہ ام ولد ایک حیض کی عدت گزارے گی۔ عثمان بن المعان رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نیز حسن شعبی، قاسم بن محمد۔ ابوقلابہ۔ مکحول، مالک، شافعی۔ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا قول بھی یہی ہے۔

عمرو بن العاص کی حدیث ضعیف ہے

حدیث عمرو بن العاص کے بارے میں ابن المنذر کہتے ہیں کہ اسے امام احمدؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی مطہر بن طہمان ابو رجاء الوراق ہیں۔ لیکن اس راوی کی کئی لوگوں نے تضعیف کی ہے۔ یحییٰ بن معین بھی اسے ضعیف بتاتے ہیں۔

لیکن ابو حاتم الرازی نے اسے صالح الحدیث مانا ہے۔

ابن حبان نے اپنی "کتاب الثقات" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ امام مسلمؒ اس سے حجت لاتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں۔

ایک راوی حدیث پر نقد و جرح

حضرت علیؓ سے جو حکایت بیان کی گئی ہے اس کے سلسلہ اسناد میں ایک راوی، خلاس بن عمرو ہے، اس کی روایت حدیث میں تکلم کیا جاتا ہے۔ ایوب کہتے ہیں اس کی حدیث قابل قبول نہیں ہے۔ بیہقی نے خلاس کے روایات کو جو حضرت علی سے ہوں، اہل علم کی نگاہ میں ضعیف قرار دیا ہے۔

استبراء سے مقصود برأت رحم ہے

بہر حال یہ مسئلہ صحابہ کے مابین مختلف فیہ ہے خلاصۂ کلام یہ کہ باندی کے استبراء سے مقصود برأت رحم ہے اور اس کے لیے ایک حیض کافی ہے۔ لہٰذا نہ اس کے لیے حرہ کی طرح "تین حیض کی عدت لازم ہے، نہ کوئی ایسی نص ہے جس کی رو سے اس کا زوجات سے الحاق جائز اور درست ہو لہٰذا صاحب شرع نے مسبیات، اور مملوکات کے بارے میں جو کچھ مشروع کیا ہے اس حد تک رہنا چاہیے۔

استبراء طہر سے نہیں حاصل ہو سکتا

استبراء طہر سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ اس کے لیے حیض لابدی اور لازمی ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے، اور یہی صواب ہے۔

امام احمد کے نزدیک حدیث استبراء میں تین چیزوں کی نہی کی گئی ہے۔

۱۔ کنیز سے اس وقت تک مجامعت نہ کی جائے، جب تک اسے حیض نہ آجائے۔

۲۔ حاملہ باندی سے اس وقت تک مجامعت نہ کی جائے جب تک وہ وضع حمل سے فارغ نہ ہولے۔

۳- جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی کنیز سے جو شبہ ہو، اس وقت تک مجامعت نہ کرے جب تک اسے حیض نہ آجائے۔

گویا باندی کے حلال اور جائز ہونے کو جن امور پر معلق رکھا ہے وہ سب کے سب حیض سے متعلق ہیں، نہ کہ طہر سے، پس یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ جسے آپؐ نے معتبر قرار دیا ہے اسے ساقط کر دیا جائے اور جسے آپؐ نے ساقط کیا ہے اسے معتبر قرار دیا جائے۔

اور مقتضائے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ جو کچھ ہے وہ استبراء ہے، اور برأت رحم کی دلیل جس چیز سے ملتی ہے وہ حیض ہے۔ باقی رہا طہر تو اس سے برأت رحم کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔

باندی سے کب استبراء ضروری نہیں

باندی حالت حیض میں اگر خریدار کے پاس آئے، تو اس سے استبراء نہیں ہوگا۔ "صاحب الجواہر" کا قول ہے۔ اگر باندی اپنے آخر ایام حیض میں فروخت کی گئی تو باقی ایام حیض استبراء کے لیے کافی نہیں ہوں گے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لیکن اگر اس حالت میں فروخت ہوئی کہ وہ حیض کے ابتدائی ایام ہوں تو مشہور مذہب یہ ہے کہ اس سے استبراء ہو جائے گا۔

وضع حمل سے استبراء ہو جاتا ہے

باندی اگر حاملہ ہو، تو وضع حمل سے جیسے ہی فارغ ہوگی استبراء ہو جائے گا۔

یہ مخصوص حکم ہے، لہٰذا مجمع علیہ ہے، یعنی اس پر امت کا اجماع ہے۔

وضع حمل سے پیشتر تمتع ناجائز ہے

وضع حمل سے پیشتر اس کے ساتھ مجامعت نہیں کی جا سکتی۔

حاملہ نماز پڑھ سکتی اور طواف کر سکتی ہے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ حاملہ سے جب تک وضع حمل سے فارغ نہ ہولے، اور غیر حاملہ سے جب تک اسے ایک حیض نہ آجائے، مباشرت نہیں کی جا سکتی۔

اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ اور اگر وہ کچھ خون دیکھے تو یہ فاسد خون ہے۔ بمنزلہ استحاضہ، و بدستور روزے رکھ سکتی ہے، نماز پڑھ سکتی ہے۔ طواف خانۂ کعبہ کر سکتی ہے۔ قرآن کریم کی

تلاوت کر سکتی ہے۔

فقہاء اختلاف پر ایک نظر

لیکن یہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جس میں فقہا باہم مختلف ہیں: عطاء، حسن، عکرمہ، مکحول، جابر بن زید۔ محمد بن المنذر، شعبی، نخعی، حماد، حکم، زہری، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ اس طرف گئے ہیں۔

ابوعبید، ابوثور، ابن المنذر، امام احمد (اپنے مشہور مذہب کے مطابق) اور امام شافعی (دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق) کہتے ہیں کہ یہ خون حیض کا نہیں ہے۔

لیکن قتادہ، ربیعہ، لیث بن سعد، مالک، عبدالرحمن بن مہدی، اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں یہ حیض کا خون ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حیض ہے، ایک یہ کہ نہیں ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ نماز پڑھے گی، دوسری میں ہے کہ نہیں پڑھے گی۔

باندی کی دو قسمیں

جو لوگ، حاملہ کے خون کو حیض تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کی دو قسمیں کی ہیں:

ایک حاملہ، اس کی عدت وضع حمل قرار دی ہے۔

دوسری غیر حاملہ، اس کی عدت ایک حیض رکھی ہے۔

اور یہ حیض باندی کی برأت رحم کا علم ہے اگر حیض حاملہ کو بھی آسکتا ہوتا تو پھر اسے اس کے عدم کا علم نہ مانا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ مطلقہ کی عدت تین قروء رکھی تاکہ اس کے عدم حمل کی دلیل بن جائے۔ اگر حاملہ بھی حائضہ ہو سکتی، تو یہ دلیل عدم حمل کی کیسے بن جاتی؟

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ارشاد فرمایا:

• اللہ تعالیٰ نے حاملہ سے حیض اٹھا لیا ہے اور خون کو بچہ کی غذا بنا دیا ہے۔

اثرم اور دار قطنی نے حضرت عائشہ رضؓ سے اس حاملہ عورت کے بارے میں جو خون دیکھے، روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

• حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا، وہ نماز پڑھ سکتی ہے۔

حیض کی تعریف ازروئے شرع ولغت

وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں کہ حاملہ عورت بھی

حائضہ ہو سکتی ہے کہتے ہیں:

حیض وہ خون ہے جو ہر مہینہ اوقات معلومہ پر خارج ہوتا ہے۔

حیض کی یہ تعریف از روئے لغت بھی درست ہے، اور از روئے شرع بھی۔

اندام نہانی سے جو خون خارج ہوتا ہے، شارع نے اس پر جو احکام مرتب کیئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک حیض، دوسرے استحاضہ، ان دو کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہیں ہے اور ظاہر ہے حاملہ کے جو خون آ رہا ہے اسے استحاضہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ استحاضہ وہ خون مطلق و زائد ہے جو اکثر حیض پر ہوتا ہے، یا وہ خون ہے جو عادت کے خلاف خارج ہو، لیکن یہ حاملہ والا خون نہ دم زائد ہے۔ نہ خلاف عادت، لہٰذا اسے استحاضہ نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ یہ حیض ہی کہا جائے گا۔

باقی رہی ابن عمرؓ کی مثال کہ انھوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رجعت کا حکم دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ جب طاہر ہو جائے پھر اگر چاہیں تو طلاق دے دیں اسے ہاتھ لگائے بغیر، تو یہ اباحت طلاق ہے، یعنی اگر بیوی حاملہ نہ ہو تو طہر اور عدم مسیس کی شرط کے ساتھ طلاق دینا مباح ہے، لیکن اس میں حاملہ کے خون دیکھنے کا حکم کہاں ہے؟ رہا یہ دعویٰ کہ حاملہ اگر حیض سے ہو تو زمانۂ حیض میں اسے طلاق دینا بدعت ہے، حالانکہ اس پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ حاملہ کو طلاق دینا بدعت نہیں ہے، اگرچہ رستے خون دیکھا ہو۔ ہم کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق حاملہ کو مطلقاً جائز کیا ہے جس میں کوئی استثنا نہیں، باقی رہی غیر حاملہ تو اس کی طلاق کی دو شرطیں ہیں۔ ایک طہر دوسری عدم مسیس۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حاملہ عورت کو اگر خون آجائے تو وہ خون فاسد ہے۔

کیا حیض اور حمل مجتمع نہیں ہو سکتے؟

باقی رہی یہ بات کہ حیض اور حمل باہم مجتمع نہیں ہو سکتے۔ تو یہ بات یا حس سے ثابت ہو سکتی ہے یا شرع سے، اور یہ دونوں منتفی ہیں، جہاں تک حس کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔ رہی شرع تو کہیں سے بھی ثابت نہیں ہے کہ یہ دونوں مجتمع نہیں ہو سکتے۔

مسائلِ بیع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام

محرماتِ بیع

وہ چیزیں جن کی بیع مسلمانوں پر حرام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کا سوال

صحیحین میں حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے :

" اللہ نے اور اس کے رسول ؐ نے ، شراب ، مردار ، خنزیر اور اصنام کی بیع حرام کردی ہے "

اس پر ایک شخص نے عرض کیا :

" یا رسول اللہ ، کیا مردار کی چربی بھی فروخت کرنا حرام ہے حالانکہ اس سے کشتیاں چکنی کی جاتی ہیں اور کھالوں کو چرب کیا جاتا ہے ، اور لوگ انھیں کام میں لاتے ہیں ؟ "

آپ ؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا :

" نہیں وہ بھی حرام ہے "

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

" خدا یہود کو غارت کرے ، اللہ تعالٰی نے جب ان پر چربی حرام کردی ، و. اسے پگھلا کر فروخت کرنے لگے ، اور اس کی قیمت کھانے لگے "

ابن عباس رضی کی ایک روایت

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی کو اطلاع ملی کہ سمرہ نے شراب فروخت کی ہے ۔ انھوں نے فرمایا :

" خدا سمرہ کو غارت کرے ، کیا وہ نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

خدا یہود پر لعنت کرے، ان پر چربی حرام کردی گئی، تو وہ اسے پگھلا کر فروخت کرنے لگے۔"

بیہقی اور حاکم کی روایت

بیہقی اور حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور اسے ابن عباس سے منسوب کیا ہے اس میں ان کی پہلی روایت پر کچھ اضافہ ہے اس کے لفظ ابن عباسؓ سے یہ روایت کیے گئے ہیں کہ انھوں نے کہا :

" نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں رونق افروز تھے کہ آپؐ نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، تبسم فرمایا، اور کہا، یہود پر خدا کی لعنت، یہود پر خدا کی لعنت، یہود پر خدا کی لعنت اللہ عزوجل نے ان پر چربی حرام کردی وہ اسے بیچ کر اس کی قیمت کھانے لگے، اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر کوئی چیز حرام کردیتا ہے تو اس کی (فروخت کی) قیمت بھی ان پر حرام فرما دیتا ہے۔"

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت

بیہقی نے ابن عبدان سے، انھوں نے صفار سے، انھوں نے اسماعیل القاضی سے، انھوں نے ابن منہال سے، انھوں نے یزید بن ذریع سے، انھوں نے خالد الحذاء سے، انھوں نے ابوالولید سے، انھوں نے ابن عباسؓ سے یہی روایت کی ہے۔

نیز صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ نے اس طرح کی روایت کی ہے، اور فرمایا :

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا کھانا حرام کردیتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام کردیتا ہے۔"

حدیث مشتمل پر کلمات جوامع

یہ حدیث مشتمل ہے کلمات جوامع پر جو تحریم اجناس سہ گانہ کے حامل ہیں :

(۱) وہ مشارب — جن سے عقل فاسد ہو جائے۔

(۲) وہ ؟ — جو مفسد طباع ہوں، اور غذا خبیث کی حیثیت رکھتے ہوں۔

(۳) اعیان — جن سے دین فاسد ہو جاتا ہو، اور جو فتنۂ شرک کے داعی ہوں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی جو تحریم فرمائی ہے اس کا مقصد صیانت ہے۔

نوع اوّل کی تحریم سے عقل ان چیزوں سے محفوظ ہو جاتی ہے جو اسے زائل کرنے والی، اور اس میں فساد پیدا کرنے والی ہوں

نوع ثانی کی تحریم سے: قلوب کی ان چیزوں سے صیانت ہو جاتی ہے جو غذائے خبیث کے اثر سے اسے مبتلائے فساد کر دیں کیونکہ غذا میں، اور کھانے والے میں، ایک دوسرے کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔

نوع ثالث کی تحریم سے ادیان کی ان چیزوں سے حفاظت کر دی ہے، جو فساد دین کی موجب ہوں، یا ہو سکتی ہوں۔

پس یہ تحریم متضمن ہے صیانت عقول، صیانت قلوب، اور صیانت ادیان پر۔

تمام نشہ آور چیزوں کی بیع حرام ہے

پس تحریم بیع شراب میں ان تمام چیزوں کی حرمت شامل ہے جو مسکر (نشہ آور) ہوں، خواہ وہ سیال صورت میں ہوں، یا منجمد صورت میں۔ افشردہ ہوں، یا مطبوخ، چنانچہ انگور کا افشردہ، منقے، کھجور، مکئی، جو، شہد، گیہوں کی شراب۔ سب کا ایک ہی حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص صحیح و صریح کے مطابق اس کی سند میں کوئی طعن نہیں ہے۔ نہ اس کے متن میں کوئی اجمال ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کل مسکر خمر (ہر نشہ آور چیز شراب ہے)

نیز صحابۂ کرام سے بھی یہ ثابت ہے، جو آپؐ کے خطاب و مراد کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے اور صحابۂ کرام سے ثابت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب کہ: کل مسکر خمر (ہر نشہ آور چیز شراب ہے)

یہی لیا تھا کہ "خمر" ہر وہ چیز ہے جو عقل و دانش میں فتور پیدا کر دے[1]

---

[1] یہ بحث کہ خمر کی تعریف کیا ہے؟

خمر کا اطلاق کس قسم کی شراب پر ہوتا ہے؟

آیا کوئی شراب ایسی بھی ہے جو خمر نہ ہو (حاشیہ باقی اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ) یہ سب بے معنی اور لاطائل بحثیں ہیں۔ ایسی بحثیں وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جن کے دل میں چور ہو، جو لفظی مباحث کی آڑ لے کر ایک غلط، حرام اور ناپاک چیز کو جائز اور روا قرار دینا چاہتے ہوں۔ ورنہ اس باب میں فیصلہ کن بات وہی ہے جو ارشاد نبوی علیہ التحیۃ والسلام پر مبنی ہے۔ یعنی

کل مسکر خمر ۔ ہر نشہ آور چیز شراب ہے۔

اس کے بعد کسی بحث و مناظرہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

تحریم بیع مردار

تحریم بیع مردار میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں، جن پر مردار کا اطلاق ہو سکتا ہے، خواہ ان کی موت کسی طرح ہوئی ہو یعنی خواہ وہ اپنی موت سے مرے، یا ہلاک ہوئے ہوں کسی حالت میں بھی حلال نہیں ہے، یہی صورت مردار کے اجزا کی بھی ہے، وہ بھی حرام ہیں، حلال نہیں قرار دیئے جا سکتے،

مردار کی چربی بھی حرام ہے

چنانچہ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریم بیع شحم (چربی) کے سلسلہ میں مشکل پیش آئی، کیونکہ یہ کافی منفعت بخش چیز تھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا کہ مردار کی چربی بھی حرام ہے، اگرچہ اس میں کتنی ہی منفعت کیوں نہ ہو۔

مراد رسول سمجھنے میں لوگوں کا اختلاف

یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سمجھنے کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے، آپؐ نے فرمایا تھا، لا ھو حرام، نہیں وہ حرام ہے، آیا اس سے مراد بیع ہے، یا مسئول عنہا افعال کی طرف یہ حکم عائد ہوتا ہے، چنانچہ ہمارے شیخ کہتے ہیں یہ حکم بیع کی طرف راجع ہے وہ فرماتے ہیں،

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے بیع مردار حلال کر دی ہے، تو انھوں نے کہا، مردار کی چربی میں یہ فائدے ہوتے ہیں، مطلب یہ تھا آیا اس کی بیع جائز قرار دی جا سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا،
>
> "نہیں وہ حرام ہے،"!

حضرت عباس رضؓ کا واقعہ

میں کہتا ہوں، صحابۂ کرام نے تمام مرداروں کی چربی کے لیے تخصیص طلب کی تھی، کہ اس کا جواز مل جائے، جیسے عباس رضی اللہ عنہ نے، جملہ نباتات حرم سے تخصیص، جواز اذخر سے چاہی تھی، لیکن جواب حسب دلخواہ نہ ہوا، آپ نے فرمایا،

لا ھو حرام (نہیں یہ حرام ہے)

حضرت ابوہریرہ کی روایت سے استدلال

اصحاب احمد رحمہ اللہ میں سے بعض کا خیال ہے کہ تحریم افعال مسئول عنہا کی طرف عائد ہوتی ہے، کیوں کہ آپ نے "ھو" کا لفظ استعمال فرمایا ہے "ھی" کا نہیں، کیونکہ مراد جمیع مذکورہ سے تھی، اور ضمیر اقرب مذکور کی طرف عائد ہوتی ہے، اور معنوی جہت سے قابل ترجیح یہ ہے کہ ان اشیاء کی اباحت ذریعہ ہے شحوم کے بیع و انتفاع کا، نیز یہ کہ بعض الفاظ حدیث میں "لاھی حرام" فرمایا ہے، اور یہ ضمیر یا تو شحوم کی طرف راجع ہوگی یا افعال کی طرف، اور دونوں صورتوں میں تحریم افعال مسئول عنہا پر حجت ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ چوہیا اگر گھی میں گر جائے تو اگر وہ جما ہوا ہے تو آس پاس کا حصہ نکال دینے کے بعد اسے استعمال کیا جا سکتا ہے، اور اگر سیال صورت میں ہے تو اس کے قریب نہ پھٹکنا چاہیے، البتہ چراغ وغیرہ کے جلانے میں وہ بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

مردار کھانے کے علاوہ دوسری طرح انتفاع جائز ہے

جو لوگ اس نقطۂ نظر کے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، مردار کا کھانا حرام ہے اس سے یہ بات صریحی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ کھانے کے علاوہ دوسری صورتوں میں اس سے انتفاع حرام نہیں ہے، مثلاً، ایندھن پر ڈال کر آگ سلگانے یا بند باندھنے کے سلسلے میں اس سے کام لینا یا اور اسی طرح کے کام،

حرام جو کچھ ہے وہ ظاہری یا باطنی پر ملابست ہے، مثلاً، کھانا یا پہننا، لیکن بغیر ملابست کے اس سے انتفاع کیوں حرام ہوگا؟

جو شخص حدیث جابر کے سیاق پر غور کرے گا، وہ جان لے گا کہ سوال بیع کے متعلق تھا، انھوں نے آپؐ سے اجازت چاہی تھی کہ بیع شحوم کی اجازت دی جائے۔ آپؐ نے انکار کر دیا، اور فرمایا! وہ حرام ہے لیکن اگر ان افعال کے حکم کے بارے میں سوال کیا جاتا، تو سوال یوں ہوتا کہ آیا چراغ جلانے کے لیے، یا کھالوں کی تدہین کے لیے چربی استعمال کی جاسکتی ہے؟ لیکن انھوں نے یہ نہیں پوچھا، کہ اس سے یہ یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ ان کی یہ بات خبر تھی نہ کہ سوال، لہذا، آپؐ نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا!

فعل رسولؐ سے استدلال

نہایت اہم یہ ہے کہ حدیث دونوں باتوں پر محتمل ہے چنانچہ وہ چیز حرام نہیں ہوگی، جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ اللہ اور رسولؐ نے اسے حرام کیا ہے۔

چنانچہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمود قوم کے خرابہ میں جو کنویں واقع تھے، ان کا پانی پینے سے منع فرمایا، لیکن اس پانی سے جو آٹا گوندھا گیا تھا اس کی روٹی جانوروں کو کھلانے کی اجازت دے دی، چنانچہ معلوم ہوا کہ ایسی چیزوں سے انتفاع محض چراغ وغیرہ جلانے کی صورت میں نہ کہ ظاہری و باطنی ملابست کی صورت میں محض انتفاع ہے مفسدہ نہیں، اور اسے شریعت نے حرام نہیں کیا ہے، کیونکہ شریعت مفاسد خالصہ یا راجحہ اور ان کے طرق و اسباب موصلہ کو حرام کرتی ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے دو روایتوں میں سے ایک میں مردار جانور کی چربی سے چراغ جلانا جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ اس میں کسی روغن طاہر کی آمیزش بھی ہو!

روغن مردار کی بیع جائز نہیں

اگر یہ کہا جائے کہ مردار کی چربی نجس العین ہے لیکن اگر اسے کسی چیز سے مخلوط کر دیا جائے تو صرف نجس ہے اور اس کی تطہیر دھو لینے سے ہو جائے گی چنانچہ وہ ایک مطابق روغن متنجس کی بیع جائز ہے، لیکن روغن مردار کی بیع جائز نہیں ہے۔

جواب میں کہا جائے گا کہ یہ فرق دو سبب سے ضعیف ہے۔

ایک یہ کہ امام احمد یا امام شافعی میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے روغن نجس

کونہ ہونے کا فتویٰ دیا ہو، البتہ بعض متبعین نے یہ فتویٰ ضرور دیا ہے، لیکن امام مالک سے مروی ہے کہ روغن نجس دھو لینے سے پاک ہو جائے گا، یہ روایت ابن نافع اور ابن القاسم کی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ حکم تمام روغنوں پر مامور نہیں ہے کیونکہ بعض ایسے ہیں جن کا دھونا ممکن نہیں، اور امام احمد و شافعی رحمہما اللہ نے روغن نجس کو مطلق طور پر چراغ وغیرہ کے جلانے میں جائز قرار دیا ہے، اور اس میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی ہے، گوبر نجس العین ہے، لیکن جمہور علماء نے کھیتی باڑی، اور پھل ترکاری کی کاشت کے سلسلہ میں اس سے انتفاع جائز قرار دیا ہے، اور اس کی طالبیت، نجس چیز کی آگ سے زیادہ موثر ہے، یعنی پھل، غلہ اور ترکاری پر نجس چیز کی آگ کا اتنا اثر ظاہر نہیں ہوتا جتنا گوبر کا یا کھاد کا نمایاں ہوتا ہے، اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جو مشکوک اور مشتبہ ہو، بلکہ حس اور مشاہدے سے ثابت ہے۔

گوبر کی بیع جائز ہے

چنانچہ بعض اصحاب مالک و ابو حنیفہ رحمہما اللہ نے اس کی بیع بھی جائز قرار دی ہے۔ چنانچہ ابن الماجشون کہتے ہیں کہ گوبر کی بیع جائز ہے، اس لیے کہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے ——— ——— ا

ابن القاسم کہتے ہیں کہ گوبر اور کھاد کی بیع میں کوئی مضائقہ نہیں،

اشہب کہتے ہیں کھاد اور گوبر کی خریداری پر، خریدنے والا، فروخت کرنے والے سے زیادہ مجبور ہے۔

ابن الحکم کہتے ہیں خلا دونوں (فروخت کرنے والے اور خریدنے والے) میں سے کسی کو معاف نہیں کرے گا۔

تحریم بیع مردار، تحریم انتفاع کو لازم نہیں ہے

میں کہتا ہوں یہی قول صواب ہے، ان چیزوں کی بیع حرام ہے، اگرچہ ان سے انتفاع جائز ہی کیوں نہ ہو،

بہر حال خلاصۂ بحث یہ ٹھیرا کہ تحریم بیع مردار تحریم انتفاع مردار کو لازم نہیں

ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے ایک نص یہ ہے کہ نجس روغن زیتون سے استصباح (چراغ جلانا) جائز ہے، لیکن مساجد میں نہیں،

جاننا چاہیے کہ انتفاع کا باب بیع کے باب سے زیادہ وسیع ہے، ہر وہ چیز جس کی بیع حرام ہے، اس سے انتفاع حرام نہیں ہے، بلکہ دونوں میں کوئی لازم نہیں ہے، چنانچہ تحریم انتفاع، تحریم بیع سے اخذ نہیں کی جا سکتی،!

تحریم بیع اجزاء مردار

بیع مردار میں تمام اجزاء شامل ہیں تحریم بیع مردار میں، اس کے تمام اجزاء کی بیع بھی شامل ہے، جو اس کی زندگی میں حلال تھے موت کے بعد حرام ہو گئے، مثلاً گوشت، چربی، پٹھے، لیکن بال، اون، اور روئیں تحریم میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ یہ مردار نہیں ہیں۔

امام مالک و ابو حنیفہ وغیرہ کا مسلک جمہور اہل علم کا قول ہے کہ مردار کے بال، اون، اور روئیں طاہر ہیں۔ بشرطیکہ وہ حیوان بھی طاہر ہو، یہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مسلک ہے، نیز اوزاعی، ثوری، داؤد، ابن المنذر، مزنی اور تابعین میں، حسن، ابن سرین اور اصحاب عبداللہ بن مسعود بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔

امام شافعی کی رائے کا تفرد لیکن امام شافعی کی رائے اس بارے میں متفرد ہے وہ ان چیزوں کو نجس قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اسم مردار اس کے جملہ اجزاء کو اثر اور نظر کی دلیل سے شامل ہے۔

اثر کا جہاں تک تعلق ہے کامل میں ابن عدی کی مرفوعاً روایت ہے، کہ ناخن، خون اور بال دفن کردو، کیونکہ یہ چیزیں مردار ہیں، اور نظر کا جہاں تک تعلق ہے، تو یہ چیزیں حیوان سے چپکی ہوتی ہیں، اس کی نشوونما کے ساتھ ان کا نشوونما بھی ہوتا ہے، لہٰذا اس کی موت کے ساتھ یہ نجس ہو جائے گی جس طرح اس کے دوسرے جملہ اعضا نجس ہو جائیں گے۔

بالوں کی طہارت کا مسئلہ

لیکن جو لوگ بالوں کو طاہر قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”ومن اصوافہا واوبارہا واشعارہا اثاثا ومتاعا الی حین .....“

یعنی اللہ تعالیٰ نے، حیوان کے اون، بال، اور روئیں کو اثاثہ اور متاع قرار دیا، اور یہ عام ہے، خواہ حیوان زندہ ہو یا مردہ۔

اسی طرح مسند احمد رحمہ اللہ میں عبدالرزاق معمر سے، وہ زہری سے وہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میمونہ کی مردہ بکری کے پاس سے گزرے، آپ نے ارشاد فرمایا،

”تم اس کی کھال سے انتفاع کیوں نہیں کرتے؟“

لوگوں نے عرض کیا، ”یہ کیونکر ممکن ہے، یہ تو مردار ہے ــ!“

آپ نے فرمایا،

”اس کا صرف گوشت حرام ہے!“

آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوشت اور چربی، کلیجی جگر وغیرہ جو داخل لحم ہیں کے سوا باقی چیزیں مباح ہیں، ایک بات یہ بھی ہے کہ ان چیزوں میں روح بھی نہیں ہے، نہ یہ پکڑنے سے اذیت محسوس کرتی ہیں، نہ چھونے کو محسوس کرتی ہیں، اور یہ دلیل ہے عدم حیات کی، باقی رہا نشو ونما تو یہ زندگی پر دال نہیں ہے۔

ایک راوی پر جرح

رہی حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث تو اس کا ایک راوی عبداللہ بن عبدالعزیز بن ابی داؤد بھی ہے، اس کے بارے میں ابوحاتم رازی کہتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، میرے نزدیک یہ صادق نہیں ہے۔

علی بن حسین بن جنید کہتے ہیں، یہ شخص کوڑی برابر نہیں، جھوٹی حدیثیں بیان کیا کرتا ہے۔

تحریم بیع میں دباغت شدہ کھال اور ہڈیاں بھی داخل ہیں

اگر یہ سوال کیا جائے کہ تحریم بیع میں ہڈیاں

اور دباغت کی ہوئی کھال وغیرہ کی بیع بھی داخل ہے؟

جواب یہ ہے کہ جس بیع کو حرام کیا گیا ہے وہ ہے جس کا کھانا حرام ہے، اور استعمال کرنا حرام ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔"

اس میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ جس چیز کی بیع حرام ہوتی ہے، اس کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے۔

لیکن کھال، جب اس کی دباغت کر لی جائے تو وہ ایک طاہر وجود بن جاتی ہے، جس سے لباس، فرش، اور دوسری بہت سی چیزوں میں انتفاع کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کی بیع بھی ممنوع نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی نص

امام شافعی رحمہ اللہ کی نص ان کی کتاب "القدیم" میں یہ ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں ہے، لیکن اس باب میں اصحاب شافعی مختلف الآراء ہیں۔

قفال کہتے ہیں اس کا ظاہر طاہر ہے، جیسا کہ امام مالک کا قول ہے۔

بعض اصحاب شافعی دوسرے کہتے ہیں اس کی بیع جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کا ظاہر اور باطن طاہر ہے، کیونکہ بہرحال یہ مردار کا جز ہے، لہٰذا اس کی بیع بھی ناجائز ہے، جیسے ہڈی اور گوشت کی بیع ناجائز ہے۔

بعض اصحاب شافعی کہتے ہیں اس کی بیع دباغت کے بعد جائز ہے۔ کیونکہ یہ ایک طاہر وجود ہے، جس سے انتفاع کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اس کی بیع جائز ہے۔

بعض کا قول ہے کہ یہ دباغت یا ازالہ ہے یا احالہ ہے، پس اگر احالہ ہے تو اس کی بیع جائز ہے، کیونکہ مردار کا جز ہونے کے باوجود، اس نے ایک دوسرا پیکر اختیار کر لیا۔ اور اگر ازالہ ہے تو بے شک اس کی بیع جائز نہیں ہوگی، کیونکہ مردار کا وصف یہ ہے کہ اس کی بیع حرام ہے، اور یہ وصف باقی ہے۔

امام مالکؒ کا مسلک:۔ رہے اصحاب امام مالک رحمہ اللہ، تو ابن القاسم کی "المدونہ"

میں اس کی بیع کی ممانعت ہے، اگرچہ دباغت ہو چکی ہو، صاحب "التہذیب" نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، مازنی کہتے ہیں کہ دباغت کے بعد بھی یہ طاہر نہیں ہے۔

امام مالک کے دو قول

میں کہتا ہوں، مدبوغ (دباغت شدہ) کھال کی طہارت کے بارے میں امام مالک سے دو قول منقول ہیں۔

ایک یہ کہ ظاہری اور باطنی طور پر وہ طاہر ہے، وہب کا قول بھی یہی ہے اور اس روایت کی بنیاد پر بعض اصحاب مالک اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے اور وہی زیادہ مشہور ہے کہ اس کی طہارت مخصوص قسم کی ہے، اسے صرف خشک چیزوں میں اور پانی میں استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن دوسری سیال چیزوں میں نہیں، اس روایت کی بنیاد پر بعض اصحاب مالک کہتے ہیں، کہ اس کی بیع ناجائز ہے، اس پر نماز بھی نہیں ہو سکتی۔

امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک

امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ دباغت سے پہلے مردار کی کھال کا بیچنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس کی دباغت ہو چکی ہو تو جائز ہے۔

امام احمد کے تین وجوہ

روغن نجس کے بارے میں امام احمد کے تین وجوہ ہیں!

۱۔ ایک یہ کہ اس کی بیع جائز نہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس کی بیع کافر کے ہاتھ جائز ہے، جو اس کی نجاست سے واقف ہو۔

۳۔ اس کی بیع کافر اور مسلم دونوں کے ہاتھ جائز ہے، جیسے گوبر دونوں کے ہاتھ نجس ہونے کے باوجود فروخت کیا جا سکتا ہے۔

اصحاب امام ابو حنیفہ کے نزدیک گوبر کی بیع جو نجس ہے جائز ہے، بشرطیکہ وہ کسی چیز کا تابع ہو، صرف گوبر کی بیع جائز نہیں۔

اصحاب ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول

مردار کی ہڈیوں کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نجس نہیں

بعض اصحاب امام کا قول بھی یہی ہے۔ اصحاب امام مالک میں سے ابن وہب نے بھی

اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

ان حضرات کے نزدیک ہڈی کی بیع جائز ہے، اگرچہ ماخذ طہارت میں یہ باہم مختلف ہیں۔

اصحاب ابو حنیفہ رہ کا قول ہے کہ ہڈی مردار میں داخل نہیں ہے۔ نیز رسم اس پر حاوی ہے۔

ابن القاسم کی روایت

ابن القاسم کہتے ہیں کہ امام مالک کا قول ہے کہ مردار کی ہڈی کی خرید و فروخت درست نہیں ہے، اسی طرح ہاتھی کے دانت کا کاروبار بھی نہیں کیا جا سکتا، نہ اس کی بنی ہوئی کنگھیوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

لیکن مطرف اور ابن الماجشون نے ہاتھی دانت کی بیع مطلق طور پر جائز رکھی ہے۔

تحریم بیع اصنام

جملہ آلات شرک کی حرمت

اصنام کی بیع بھی حرام ہے!

بیع اصنام کی حرمت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ایسے جملہ آلات کی بیع بھی حرام ہے جو کسی جہت اور نوعیت سے بھی شرک کی طرف متوجہ کرنے والے ہوں، مثلاً بت، اسمر، صلیب وغیرہ۔

کن کتابوں کی بیع حرام ہے؟

اسی طرح ان تمام کتابوں کی بیع بھی حرام ہے، جو مشتمل بر کفر ہوں، اور غیر اللہ کی عبادت اور پرستش کا جن میں ذکر ہو، ایسی تمام چیزوں کا ازالہ اور اعدام واجب ہے، پس ان کی بیع تو ذریعہ ہے، شرک کے فروغ اور پرچار کا، لہٰذا، اس کی تحریم تو اور زیادہ ضروری ہوئی، کیونکہ اس بیع میں وہ تمام مفسدات موجود ہیں، جو نفس اشیاء میں ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر، ان کے خفت امر کے باعث نہیں کیا، یعنی یہ معمولی چیزیں ہیں اس لیے ان کے ذکر میں تاخیر نہیں روا رکھی بلکہ تدریج کو اختیار فرمایا، پہلے سہل چیز لی، پھر سخت پر آئے۔

بیع خمر کی تحریم

کفار آپس میں شراب کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں مسلمان نہیں

کہا جا سکتا ہے کہ اہل کتاب کے ہاں خمر (شراب) حلال ہے، لہذا ان کے ہاتھ اس کی بیع جائز ہوگی، !!

حضرت عمرؓ کا فرمان جواب یہ ہے کہ یہ وہ وہم ہے جو حضرت عمر بن الخطاب کے عمال کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا، اور انھوں نے اس وہم کو دور بھی کر دیا تھا انھوں نے اپنے عمال کو اس کی سختی کے ساتھ ممانعت کا فرمان بھیجا تھا، اور حکم دیا تھا کہ بیع خمر کو وہ اہل کتاب پر چھوڑ دیں، وہ آپس میں بے شک اس کی خرید و فروخت کریں، البتہ ان پر جو سرکاری مطالبات ہوں اور ان کی ادائی وہ اس کی قیمت سے کریں، تو لے لیں،

ابو عبید کہتے ہیں ہم سے عبدالرحمان نے، انھوں نے سفیان بن سعید سے، انھوں نے ابراہیم بن عبدالاعلی الجعفی سے، انھوں نے سوید بن غفلہ سے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ لوگ خنازیر کی صورت میں جزیہ وصول کرتے ہیں، بلال رض اٹھے اور انھوں نے کہا،

"ہاں لوگ ایسا کرتے ہیں، !"

حضرت عمر رض نے فرمایا،

"یہ نہ کرو، اگرچہ ان کی فروخت کا ارادہ کیوں نہ ہو، !"

ابو عبید کہتے ہیں ہم سے انصاری نے، انھوں نے اسرائیل سے، انھوں نے ابراہیم بن عبدالاعلی سے، انھوں نے سوید بن غفلہ سے روایت کیا کہ بلال رض نے حضرت عمر رض سے شکایت

کی کہ آپ کے عمال خراج میں خنزیر، اور خمر وصول کرتے ہیں،

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا،

"(اہل کتاب سے خراج میں) یہ چیزیں مت لو، لیکن تم ان کی قیمت لے سکتے ہو"!!

ابو عبید کا بیان

ابو عبید کا بیان یہ ہے کہ مسلمان اہل ذمہ[1] سے خراج اور جزیہ کی رقم کے بدلے، خمر اور خنازیر لے لیا کرتے تھے، (تاکہ انھیں فروخت کرکے مطالبہ کی رقم وصول کرلیں) حضرت بلال رضؓ کو یہ بات ناگوار گزری، انھوں نے حضرت عمر رضؓ سے شکایت کی، جس پر انھوں نے حکم امتناعی نافذ کردیا، البتہ اہل ذمہ اگر آپس میں فروخت شدہ خمر و خنزیر کی رقم سے جزیہ ادا کریں تو اسے لینے کی اجازت دے دی، کیونکہ اہل ذمہ ان چیزوں کی خرید و فروخت کرسکتے تھے، کیونکہ خمر اور خنزیر انہی کی ملکیت تھے۔ مسلمانوں کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہ تھا،

حرام چیزوں کی قیمت بھی حرام ہے

ابو عبید کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے بارے میں ایک اور روایت لیث بن ابی سلیم کی ہے کہ انھوں نے اپنے عمال کو فرمان بھیجا کہ خنازیر قتل کردیئے جائیں، اور ان کی قیمت جمع ہو۔ وہ اہل جزیہ سے جزیہ کے حساب میں لے لی جائے کیونکہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ محصول کی رقم اس طرح لی جائے اگرچہ ذمی کو آپس میں ان چیزوں کی خرید و فروخت کی اجازت تھی، محصول کی رقم سے مراد وہ رقم ہے، جو ان چیزوں پر بطور محصول عائد ہوتی تھی، لیکن اس محصول کو، اور اس طرح کی قیمت کو وہ قول رسولؐ کی بنا پر پسند نہیں کرتے تھے، آپؐ کا ارشاد تھا خدا جب کسی چیز کو حرام کردیتا ہے کہ اس کی قیمت بھی حرام کردیتا ہے۔

---

[1] اہل ذمہ غیر مسلم ہوتے ہیں، جو اپنے دین و آئین شرع پر قائم رہتے ہوئے مسلم حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کریں، اسلامی حکومت میں فوجی خدمت ہر مسلمان سے لی جاسکتی ہے، لیکن اہل ذمہ اس حکومت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اس کے معاوضہ میں ایک حقیر سی رقم سالانہ ان سے وصول کی جاتی ہے، جس کے بدلے میں انکی جان و مال کی حکومت اسلامیہ ذمہ دار ہوجاتی ہے اس کے علاوہ ان سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عتاب

اسی طرح عبداللہ بن ھبیرہ سیانی کی روایت ہے کہ عتبہ بن فرقد نے عمر رضی اللہ عنہ کو چالیس ہزار درہم صدقہ (محلول) خمر کے ایک مرتبہ بھیجے، عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا،

"خدا کی قسم اب میں تجھے عامل نہیں بناؤں گا۔"

شراب کا محصول واپس کر دیا گیا

اسی طرح مثنیٰ بن سعید کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو فرمان بھیجا کہ احوال و محاصل کی سابقہ تفصیل بھیجیں، انھوں نے جو تفصیل بھیجی اس میں عشر خمر (محصول شراب) کی رقم چار لاکھ درہم تھی،

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انھیں لکھا،

"خمر پر نہ عشر ہے، نہ وہ فروخت کی جا سکتی ہے، نہ خریدی جا سکتی ہے، جیسے ہی میرا یہ فرمان پہنچے فوراً یہ رقم واپس کر دو،"

تحریم بیع سگ و گربہ

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت، اور کاہن کی بخشش سے منع فرمایا ہے،

ابوالزبیر کی روایت صحیح مسلم میں ابوالزبیر کی روایت ہے وہ کہتے ہیں، میں نے جابرؓ سے کتے اور بلی کی قیمت کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سخت ناپسند کرتے تھے،

علاوہ ازیں صحیح مسلم میں رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ؛

" بدترین کمائی زانیہ کی اجرت، کتے کی قیمت اور پچھنے لگانے والے کا کسب ہے"!"

امور اربعہ مستنبطہ یہ سنن متضمن ہیں امور اربعہ کو :

۱۔ تحریم بیع کلب، ــــــ اس میں ہر کتا شامل ہے خواہ وہ چھوٹا ہو، یا بڑا، شکار کے لیئے ہو، یا رکھوالی کے لیے، یا کھیتوں کی نگہبانی پر مامور ہو،

یہ فقہائے اہل حدیث کا مسلک ہے پوری قطعیت کے ساتھ،

لیکن اصحاب مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس باب میں نزاع مروی ہے، اصحاب ابوحنیفہ رحمہ اللہ بیع کلاب، کو جائز رکھتے ہیں، اور ان کی قیمت کھانا بھی درست قرار دیتے ہیں قاضی عبدالوہاب کا قول ہے کہ بعض لوگ اسے مکروہ اور بعض حرام قرار دیتے ہیں۔

شکاری کتے کے بارے میں حکم اور اگر یہ کہا جائے کہ شکاری کتا اس نوع سے مستثنیٰ ہے جس کی قیمت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے ہی مروی ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے اپنی سنن میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ درج کی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمن (قیمت) بیع کلب کی ممانعت فرمائی ہے، لیکن شکاری کتے کے بارے میں اجازت مرحمت فرما دی ہے۔

اسی طرح نسائی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن الحسن مصیصی نے خبر دی، ان سے حجاج بن محمد نے حدیث بیان کی، انھوں نے حماد بن سلمہ سے، انھوں نے ابوالزبیر سے، انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے، سوا شکاری کتے کے، (اسے مستثنیٰ کر دیا ہے۔)

قاسم بن اصبغ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے محمد بن اسماعیل نے، انھوں نے ابن ابی مریم سے انھوں نے یحییٰ بن ابی ایوب سے، انھوں نے مثنیٰ بن الصباح سے، انھوں نے عطا بن ابی رباح سے اور انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کتے کی قیمت حرام ہے، سوا شکاری کتے کے"!!

ابن وہب کہتے ہیں کہ ابن شہاب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"تین چیزیں حرام ہیں، کاہن کی اجرت، زانیہ کی اجرت، اور کٹ کھنے کتے کی قیمت!"

نیز ابن وہب کہتے ہیں، مجھ سے ہیثم بن میر نے، ان سے حسین ابن عبداللہ بن حمزہ نے ان سے، ان کے والد نے، ان سے ان کے دادا نے، ان سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کٹ کھنے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے"!!

استثنار کی صحت پر ایک روایت

استثنار کی صحت پر، جابرؓ کی ایک روایت دال ہے، جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمن کلب سے منع فرمایا ہے، لیکن خود جابر رض

نے شکاری کتے کی قیمت کی اجازت دی ہے اور قول صحابی تخصیص عموم حدیث کا پورے طور پر صالح اور حجت ہے، چنانچہ شافعی بھی اس کی بیع کو جائز کہتے ہیں، جیسے خچر اور گدھے کی بیع جائز ہے۔

استثناء کلب صید کی روایت درست نہیں

لیکن ان مزعومات کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استثناء کلب صید (شکاری) کی روایت صحیح نہیں ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں حسن بن ابی جعفر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا، انھوں نے اسے ضعیف قرار دیا، دارقطنی اسے صواب گردانتے ہیں کہ یہ جابر پر موقوف ہے،

امام ترمذی کہتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے وہ کہتے ہیں یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا راوی ابوالمہزم ضعیف ہے۔

بیہقی کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثمن کلب کی تحریم کی روایت صحابہ کی ایک جماعت نے کی ہے جس میں ابن عباس، جابر، عبداللہ، ابوہریرہ، رافع، ابن خدیج اور ابوجحیفہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں، ان کے مرویات کے الفاظ مختلف ہیں لیکن معنیٰ ایک ہیں، اور جو حدیث استثناء کلب صید کے سلسلہ میں مروی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ راوی کو شبہہ پڑ گیا ہے۔

حماد بن سلمہ کی حدیث پر ایک نظر

رہی حماد بن سلمہ کی حدیث جو انہوں نے ابوالزبیر سے روایت کی ہے، اسے امام احمد رضی اللہ عنہ نے ضعیف قرار دیا ہے، دارقطنی نے اسے صواب کہا ہے، لیکن موقوف قرار دیا ہے، ابن حزم نے اسے معلول بتایا ہے، کیونکہ ابن الزبیر نے تصریح سماع از جابر رض نہیں کی ہے، اور یہ راوی مدلس ہے، بیہقی نے اسے معلق قرار دیا ہے، اس کا ایک راوی وہم میں مبتلا ہو گیا ہے، اس نے استثناء کلب صید کو بیع کی طرف منتقل کر دیا ہے،

مثنیٰ ابن الصباح کی روایت باطل ہے

میں کہتا ہوں کہ مثنیٰ ابن الصباح کی عطا سے اور ان کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت باطل ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی یحییٰ بن ایوب ہیں، مالک نے ان کے کذب کی شہادت

دیتے، امام احمد ان پر جرح کرتے ہیں،

حضرت علی سے مروی اثر پر جرح

باقی رہا، علی رضی اللہ عنہ کا اثر، تو اس روایت میں ایک راوی، ابن ضمرہ ہے، جو حد درجہ ضعیف ہے اس طرح کے آثار ساقطہ معلولہ ان پر تقدم نہیں حاصل کرسکتے، جنہیں، ائمہ ثقات نے روایت کیا ہے، چنانچہ بعض حفاظ حدیث کہتے ہیں کہ ان کی نقل، دراصل نقل متواتر ہے، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ جابر، ابوہریرہ، اور ابن عباس تو صاف الفاظ میں کہتے ہیں، کہ ثمن کلب، خبیث ہے،

وکیع اسرائیل سے، وہ عبدالکریم سے، وہ قیس بن جبیر سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت، اور شراب کے دام حرام ہیں۔

افسد القیاس

اور کتے کو، خچر اور گدھے پر قیاس کرنا تو افسد القیاس ہے، کتے کو اگر کسی چیز پر قیاس کیا جاسکتا ہے تو وہ خنزیر ہے، کیونکہ اس میں اور خنزیر میں جو مشابہت ہے، وہ خچر اور گدھے کی مشابہت سے کہیں زیادہ قوی ہے،

سراسر باطل دعوے

اور اگر یہ کہا جائے کہ ثمن کلب کی نہی، اس وقت تک تھی جب تک اسے قتل کرنے کا حکم نافذ تھا، لیکن جب اس کا قتل ممنوع ہوگیا تو اس کی قیمت مباح ہوگئی، اور تحریم بیع کا حکم منسوخ ہوگیا۔

لیکن یہ دعوے سراسر باطل اور ناقابل قبول ہے مدعی کے پاس اپنے دعوے کی صحت کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ اس کے پاس تائید میں کوئی اثر ہے، نہ کوئی تائیدی ثبوت ہے، جو اس دعوے کے ثبوت پر دلالت کرتا ہو

اس کے برعکس اس کے بطلان پر وہ حدیثیں دال ہیں جو تحریم بیع، اور تحریم اکل ثمن کلب پر دلالت کرتی ہیں[1]

---

[1] یہ بڑی دور از کار اور غیر ضروری بحثیں بظاہر معلوم ہوتی ہیں، لیکن اسے فراموش نہ کرنا چاہئے،

کہ جو چیزیں چند افراد کو دور از کار اور غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں، وہ نہایت اہم قانونی مباحث سے تعلق رکھتی ہیں،

قانون خشک بھی ہوتا ہے، غیر دلچسپ بھی، اور پیچیدہ بھی،

لیکن بایں ہمہ اگر قانون نہ ہو، اور ایک مسئلہ کے سارے جزئیات کو، جو متوقع اور ممکن ہوں، اپنے دامن میں نہ سمیٹ لے، تو عوام کو گوناگوں مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور حاکم کو بھی فیصلہ کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں، لہذا قانون کا فرض ہے کہ وہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو زیر بحث لائے اور کوئی گوشہ تشنہ نہ رہنے دے۔

تحریم اجرت زانیہ

آزاد عورت اگر زنا پر مجبور کی جائے تو کیا مہر واجب ہوگا؟

باندی کے بارے میں حکم زنا کے معاوضہ کے طور پر زانیہ جو کچھ حاصل کرتی ہے، اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے خبیث ہے، خواہ اس کا صدور حرہ کی طرف سے ہوا ہو یا باندی کی طرف سے بطور خاص اس لیے کہ اس زمانہ میں یہ کام حرائر کے مقابلہ میں باندیاں ہی زیادہ کرتی تھیں، چنانچہ آپ سے بیعت کرتے وقت ھند نے سوال کیا تھا،

"کیا آزاد عورت بھی زنا کا ارتکاب کرتی ہے؟"

زانیہ مہر کی حقدار نہیں اس بارے میں فقہا کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر ایک عاقل و بالغ عورت، کسی آدمی کو پسند کرتی اور اس سے زنا کراتی ہے، تو وہ کسی مہر کی حقدار نہیں ہے۔

آزاد عورت اور باندی کے مسئلہ میں فقہا کا اختلاف لیکن حرۂ مکرہہ[1] اور امت مطاوعہ[2] کے بارے میں اختلاف ہے۔

---

[1] یعنی وہ آزاد عورت جو زنا پر مجبور کی جائے،

[2] یعنی وہ باندی، جو حکم آقا کی پیروی میں یہ گناہ کرے۔

جہاں تک آزاد عورت کا زنا پر مجبور کیئے جانے کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں، اور یہ امام احمد رحمہ اللہ کے روایات منصوص میں سے ہیں،

۱- ایسی آزاد عورت جو زنا پر مجبور کی جائے، مہر کی مستحق ہے، خواہ وہ کنواری ہو یا کنواری نہ ہو، خواہ اس کے ساتھ مجامعت کی گئی ہو یا اغلام،

۲- اگر عورت کنواری نہیں ہے تو مہر کی مستحق نہیں ہے، اگر کنواری ہے تو مہر کی سزاوار ہے۔

۳- اگر وہ محرم ہے تو مہر نہیں ہے، اگر اجنبی ہے تو مہر واجب ہوگا۔

۴- جس عورت کی لڑکی مرد پر حرام ہے، مثلاً ماں، بیٹی، بہن، اسے مہر نہیں ملے گا، اور جس کی بیٹی حلال ہے، مثلاً پھپھی، خالہ، تو وہ مہر پائے گی،

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکرھہ کو کسی حالت میں مہر نہیں ملے گا، خواہ وہ کنواری ہو یا کنواری نہ ہو۔

شارع کے قول کے مطابق مہر عقد کی صورت میں ملتا ہے، پھر زنا کی صورت میں کیسے مل سکتا ہے؟ اور باندی کو نکاح پر قیاس کرنا فاسد ترین قیاس ہے، کیونکہ اس استمتاع (زنا) کے مقابلہ میں تو شارع نے حد، عقوبت، اور سزا رکھی ہے، یہ چیزیں ضمان مہر کے مقابلہ میں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں؟ مہر خاص، نکاح میں سے لفظاً و معناً ہے، اس کی طرف تعلق ہوتا ہے، چنانچہ "مہر نکاح" کہتے ہیں، "مہر زنا" نہیں کہتے،

لواطت سے مہر واجب نہیں ہوتا

اسی طرح جس عورت سے اغلام کیا جائے، جو باندی لواطت کے باعث یہ فعل کرے، اس کا مہر بھی واجب نہیں ہوگا، البتہ زانی سزا پائے گا، کیونکہ پہلی صورت لواطت کی ہے جس میں مہر نہیں ہوتا، ابوالبرکات ابن تیمیہ مکرھہ، مہر مثل واجب قرار دیتے ہیں، خواہ زنا بصورت جماع ہو یا اغلام، ابو محمد نے مغنی میں لکھا ہے کہ وطی فی الدبر اور لواطت سے مہر واجب نہیں ہوتا، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ شارع نے اس فعل کی کوئی قیمت کسی اعتبار سے نہیں مقرر کی، نہ از روئے اصل، نہ از روئے قدر، اور فرج

کا قیاس بالکل فاسد ہے، پھر تو اگر لڑکے سے اغلام کیا جائے تو اسے بھی مہر دینا پڑے گا۔ اور یہ کوئی بھی نہیں کہتا۔[1]

---

[1] زانیہ کے مہر، اور لواطت کی صورت میں مہر، یا زانیہ کی اجرت، یہ محض قانونی اور فقہی مباحث ہیں ورنہ عقل عامہ رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح کی اجرت یا مہر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا،

اسلام نے چونکہ انسان کی عظمت و تکریم کو دوبالا کیا ہے، اسی لیے وہ تحفظ نسب پر بہت زیادہ زور دیتا ہے، ساتھ ہی ساتھ تطہیر اخلاق و کردار بھی، اور زنا کی صورت میں تحفظ نسب اور تطہیر اخلاق و کردار کی پوری عمارت آن کی آن میں منہدم ہو کر رہ جاتی ہے اسی لیے، اس کی سزا اتنی سخت تجویز کی جو کسی اور جرم کی نہیں ہے، اور چونکہ سزا اتنی سخت و شدید تجویز کی اسی لیے خاص اس مسئلہ میں شہادت اور گواہی کا اصول بھی اتنا سخت اور بے لچک رکھا کہ کسی درجہ میں بھی ناانصافی کا شائبہ تک نہ پایا جائے اور مجرم کو شبہہ کا پورا فائدہ دیا جائے۔

حرمت کسب کنیز و زانیہ

کیا توبہ کے بعد زانیہ اپنے کسب کی آمدنی خرچ کر سکتی ہے

مسئلہ مہر کنیز۔ زانیہ

آیا کنیز (باندی) بصورت زنا مرد سے مہر وصول کر سکتی ہے؟ اس باب میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ وصول کر سکتی ہے، یہ امام شافعی اور اکثر اصحاب امام احمد کا قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ منفعت دوسرے شخص (مالک) کے لیے وہ حاصل کرتی ہے، لہذا اس کا بدل ساقط نہیں ہوگا،

لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ مہر واجب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ایسا فعل قبیح ہے جس کے مہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے! اور فرمایا ہے کہ یہ خبیث ہے کسب زنا اور اجرت کاہن اور ثمن کلب کو ایک ہی حکم میں رکھا ہے، لہذا کنیز بھی اس حکم میں داخل ہے، عموم سے اس کی تخصیص کسی طرح بھی جائز نہیں، کیونکہ باندیاں تو اس پیشہ کے اعتبار سے شہرت رکھتی تھیں، چنانچہ ان کے اور ان کے آقاؤں کے بارے میں حکم الہٰی نازل ہوا،

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا .... یعنی اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو، (بالخصوص) جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں،

پس اس آیت کریمہ کی روشنی میں باندیاں اس نص سے کسطرح خارج کی جا سکتی ہیں؟ اور اگر تم یہ کہو کہ باندی جو منفعت حاصل کرتی ہے وہ اپنے آقا کے لیے کرتی ہے، تو آقا کے لیے بھی یہ آمدنی کب جائز ہے؟ وہ عقد نکاح کا مالک بن سکتا ہے لیکن زنا کے لیے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے جو معاوضہ رکھا ہے وہ صرف عقوبت ہے۔

توبہ کے بعد زانیہ اجرت زنا کیا خرچ کرے گی؟ اور اگر کہا جائے کہ اس بارے میں

پس کیا کہتے ہو کہ زانیہ اگر تائب ہو جائے، اور اجرت زنا کی رقم اس کے قبضہ میں ہو، تو وہ کیا کرے؟ آیا وہ رقم ارباب رقم کو واپس کر دے گی؟ یا اپنے صرف میں لائے گی؟ یا صدقہ کر دے گی؟

جواب میں ہم کہیں گے کہ اسلام کے عظیم قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کے قبضہ میں ایسی چیز ہو جس پر قبضہ شرعاً جائز نہ ہو، اور وہ اس قبضہ سے گلو خلاصی چاہے تو اگر مقبوضہ چیز، اپنے مالک کی رضامندی کے بغیر حاصل کی گئی ہے، اور اس رقم کے بدلے میں اس نے کچھ حاصل نہیں کیا ہے تو وہ اسے واپس کر دی جائے گی، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان کے ورثا کو واپس کر دی جائے گی۔

اور اگر مقبوضہ چیز اپنے مالک کی رضامندی سے حاصل ہوئی ہے، اور وہ اس کا عوض — جو حرام ہے — لے چکا ہے، تو دینے والے کو واپس نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے یہ رقم دی تھی اور اس کا عوض — گو حرام ہی — بھی حاصل کر لیا تھا، لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ وہ منفعت بھی حاصل کرے، اور منفعت کے عوض میں جو کچھ دے وہ بھی حاصل کرلے، کیونکہ اس طرح تو گویا اثم و عدوان کے معاملہ میں اس کی اعانت کی گئی، اور اصحاب معاصی کو بڑا اچھا موقع ارتکاب معصیت کا مل جائے گا،

لیکن اس رقم پر جس کا قبضہ ہے اس کے لیئے اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ خبیث ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، پس یہ رقم خبث کسب کے باعث خبیث ہے، ظلم کے باعث خبیث نہیں ہے، لہٰذا اس سے گلو خلاصی اور اتمام توبہ کی صورت یہ ہے کہ اسے صدقہ کر دیا جائے، لیکن خود محتاج ہو تو بقدر حاجت و ضرورت اس رقم میں سے اپنے مصارف کے لیے رکھ لینا جائز ہے، باقی رقم صدقہ کر دینی چاہیئے،

یہ حکم ہر کسب خبیث کے لیئے ہے۔

زانی کو اس کا مال واپس نہیں مل سکتا

اور اگر یہ کہا جائے کہ ناجائز مقبوضہ چیز کا قبضہ بمنزلہ عدم کے ہے، لہٰذا بغیر حق کے جس کے قبضہ میں مال ہے، اسے چاہیئے کہ دینے والے کو واپس کر دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں نے وہ چیز دی جس کا انھیں حق نہیں تھا، اور وہ چیز لی، جس کا وہ حق نہیں رکھتے تھے۔ دونوں گنہگار ہیں پھر یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ایک کے لیئے تو یہ خصوصیت ہو کہ عوض اور معوض (رقم اجرت) دونوں اس کے لیئے جمع کرائے جائیں، اور دوسرے کو دونوں سے محروم کردیا جائے۔

تحریم اُجرت کاہن و منجم

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام عالیہ

رمال وغیرہ کی اجرت بھی حرام ہے

ابو عمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کاہن کو اس کی کہانت کے معاوضہ میں جو رقم دی جاتی ہے اس کا کھانا مال باطل کا کھانا ہے، اس اجرت کو "حلوان" کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں عطیہ،

حلوان کاہن کی تحریم تنبیہ ہے نجومی، قرعہ انداز، پانسہ پھینکنے والا، اور رمال وغیرہ کی تحریم حلوان پر اسی طرح وہ تمام لوگ جو غیب کی باتیں بتاتے ہیں، انھیں عطیہ یا اجرت دینا حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہنوں کو اجرت دینے سے منع فرمایا ہے، آپ کا ارشاد ہے،

"جو کسی نجومی کے پاس آیا اور اس نے اُسے کچھ صدقہ یا عطیہ اس کی باتیں سنکر دیا، اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔"

بلاشبہ اُس چیز پر ایمان جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور اس چیز پر ایمان جو کاہن یا نجومی کی کہانت پر ہو یہ دونوں ایمان قلب واحد میں جمع نہیں ہوسکتے کیونکہ ایک کا صدق دوسرے کے کذب پر منسوب ہوگا، شیطان کے ذریعہ سے جو خبریں آتی ہیں وہ اگر کبھی صحیح ثابت ہوں تو لوگوں کی گمراہی اور اُن کا فتنے میں مبتلا ہونا ممکن ہوجاتا ہے، اکثر لوگ ان باتوں پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آتے ہیں خاص طور پر ضعیف العقل لوگ مثلاً احمق، جاہل، عورت اور دیہاتی اور جو لوگ حقائق ایمان سے لاعلم ہوتے ہیں وہ فتنے میں مبتلا ہوجاتے ہیں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کاہنوں اور نجومیوں سے حسن ظن رکھتے ہیں اگرچہ وہ کافر مشرک کیوں نہ ہوں، وہ ان کی زیارت کو جاتے ہیں، انہیں نذر دیتے ہیں، اور اُن سے دعائی التجا کرتے ہیں،

اس طرح کے بہت سے واقعات ہم نے دیکھے اور سنے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ رسول خدا اور دین حق کی تعلیمات سے ناواقف ہوتے ہیں اور جو اللہ کے نور سے روشنی نہ پائے پھر وہ کسی نور سے روشنی نہیں پا سکتا،

صحابہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ کاہن اور نجومی جو باتیں ہمیں کسی واقعہ کے متعلق بتاتے ہیں تو کبھی وہ اسی طرح واقع ہو جاتا ہے جیسا انھوں نے کہا تھا، آپ نے صحابہ کو بتایا کہ یہ از جہت شیاطین ہے وہ کبھی کوئی ایسی بات انھیں بتا دیتے ہیں جو سچ ہوتی ہے اور وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ اور ملا دیتے ہیں لوگ اس ایک سچ کی وجہ سے اُن جھوٹی باتوں کی بھی تصدیق کرنے لگتے ہیں۔

پیش گوئیاں کرنے والے لوگ

اب رہے پیش گوئیاں کرنے والے لوگ، ان کی پیش گوئیاں چند چیزوں پر مبنی ہوتی ہیں:

۱۔ کاہنوں کی بتائی ہوئی خبریں۔

۲۔ کتب سابقہ سے اخبار منقولہ جو اہل کتاب کے مابین متوارث چلے آ رہے ہیں۔

۳۔ وہ امور جن کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجمالی اور تفصیلی طور پر دی ہے۔

۴۔ امور جو صحابہ اور بعد کے لوگوں کے کشف میں سے ہیں۔

۵۔ کسی امر کلی یا جزئی سے متعلق خواب جزئی کو بعینہ بیان کر دیتے ہیں اور کلی کی تفصیل قرائن سے کرتے ہیں جو سچ یا قریب بہ صدق ہوتے ہیں،

۶۔ ایسے آثار علویہ سے استدلال جنہیں اللہ تعالیٰ نے حوادث ارضی کا سبب اور دلیل بتایا ہے اور جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں، اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بیکار اور عبث پیدا نہیں کی ہے اس نے عالم علوی اور عالم سفلی کے مابین ایک ربط قائم رکھا ہے، اور علوی کو سفلی پر مؤثر رکھا ہے لیکن سفلی کو علوی پر مؤثر نہیں رکھا ہے، چنانچہ سورج اور چاند کا گہن کسی شخص کی موت اور زندگی سے واسطہ نہیں رکھتا، البتہ حوادث ارضی کا سبب بن سکتا ہے اس شر کے تغیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز، ذکر، دعا، توبہ، استغفار اور عتق جیسی چیزیں مقرر کی ہیں، یہ چیزیں اسباب شر کو دفع کرتی

اور ان کی مقاومت کرنا اور ان کے موجبات کو روکتی ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حرکت شمس و قمر اور اُن کے مطالع کو سبب بنایا ہے موسم کا، چنانچہ گرمی اور سردی وغیرہ انھیں چیزوں کا نتیجہ ہیں پس جو شخص حرکات شمس و قمر پر اعتناء کرتا ہے اور اختلاف مطالع سے واقف ہے وہ بتا سکتا ہے کہ نباتات اور حیوانات وغیرہ پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوں گے یہ ایسی بات ہے جس سے اکثر کسان اور کاشتکار واقف رہتے ہیں اسی طرح کشتیوں کے ناخدا احوال کواکب سے اور رفتار شمس و قمر سے اور ہواؤں کی شدت و خفت سے سلامتی اور خطرے کا اندازہ لگا لیتے ہیں جو بہت کم غلط ثابت ہوتا ہے، اسی طرح اطباء کے استدلالات ہیں جو احوال شمس و قمر کی بنیاد پر انسانی طبیعت کے اختلاف اور قبول تغیر کی استعداد سے متعلق ہوتے ہیں،

احکام و قیاسیات کا استخراج

چنانچہ پیش گوئیاں کرنے والے ان تمام چیزوں سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور اسی بنا پر احکام و قیاسیات کا استخراج کرتے ہیں جو سابقہ احوال و واقعات سے مشابہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ خلق کے بارے میں حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتی ہے لہذا نظیر کی بنا پر حکم لگایا جاتا ہے وہ درحقیقت حکم الٰہی کی نظیر پر مبنی ہوتا ہے۔

تعبیر کی اجرت جائز ہے

کہانت، نجوم، ملاحم، وغیرہ کی صرف ایک قسم ایسی ہے۔ جو معتبر ہے اور وہ ہے تعبیر رؤیا جو شخص اس فن میں اچھی طرح نفوذ و اطلاع حاصل کر لیتا ہے اس سے عجائب امور سرزد ہوتے ہیں، ہم نے اور ہمارے علاوہ دوسروں نے خود ایسے امور عجیبہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ تعبیر دینے والا ایسی تعبیر دیتا ہے جو جلد یا بدیر صادق آتی ہے اور سننے والا کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تو علم غیب ہے حالانکہ یہ غیب اس اعتبار سے ہے کہ وہ اس سے ناواقف ہے، اور دوسرا اپنے علم کی انفرادیت کے باعث اُن چیزوں سے واقف ہے جو دوسروں سے مخفی ہیں،

شارع صلوٰۃ اللہ علیہ نے ایسی چیزوں پر اجرت دینا حرام قرار دیا ہے کہ جن کی مضرت منفعت پر غالب ہو یا جن میں سرے سے کوئی منفعت ہی نہ ہو یا جو شرک کی طرف لے جانے والی ہوں اس اجرت کا لینا صیانت امت کے لیے حرام قرار دیا ہے کہ ایمان میں مفسدہ پیدا نہ ہو لیکن تعبیر رؤیا کی

اجرت میں یہ اندیشہ نہیں لہذا وہ باطل نہیں جائز ہے کیونکہ رؤیا اجزاء نبوت میں سے ہے[1]، لہذا اگر صاحب رؤیا صادق، پاکباز، اور نیک سرشت ہے، تو اس کی تعبیر صحیح تر ہوگی بخلاف کاہن اور منجم وغیرہ کے انھیں جو کچھ ملتا ہے شیاطین سے ملتا ہے لہذا ان کی صناعت صدق، پاکبازی، اور باالشریعت پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ یہ جادوگروں سے مشابہ ہوتے ہیں، یہ جھوٹے اور فاجر ہوتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے دور ہوتے ہیں۔

تحریم معارضۂ نسل کشی حیوانات

لوگوں کی یہ عادت تھی کہ سانڈ کو جفتی کے لیے حاصل کیا کرتے تھے بخاری میں ابن عمر رضؓ اور صحیح مسلم میں جابرؓ کی حدیث سے اس کی نہی ثابت ہوتی ہے، ایسا معاہدہ باطل ہے، خواہ بیع کی صورت میں ہو یا اجارے کی صورت میں ہو، جمہور علماء احمد، شافعی، ابوحنیفہ، اور ان کے اصحاب رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

ابوالوفا ابن عقیل کا قول

ابوالوفا ابن عقیل کہتے ہیں میرے نزدیک یہ جائز ہے اس لیے کہ یہ معاہدہ سانڈ کے منافع کا ہے اور مادین پر اس کی جفتی منفعت مقصودہ ہے یہ عہد ویسا ہی ہے جیسے دایہ سے بچے کو دودھ پلانے کا معاہدہ کیا جائے یا کوئی زمین اجارے پر لی جائے اور اس میں ایک کنواں بھی ہو تو کنوئیں کا پانی طبعاً اجارے میں شامل ہو جائے گا۔

امام مالک سے اس کے جواز کی روایت بیان کی گئی ہے ان کے اصحاب میں سے صاحب الجواہر نے نہی کو سانڈ کے ایسے اجارے پر محمول کیا ہے جو مادین سے جفتی کے لیے ہو ایسا اجارہ فاسد ہے۔

لیکن صحیح مسلک مطلق تحریم اور حالت میں فساد عقد کا ہے۔

تحریم کے اسباب وعلل

تحریم کے متعدد علل بیان کیے گئے ہیں!

۱- یہ معاہدہ کے معقول علیہ کی تسلیم پر قادر نہیں کیونکہ اس کا تعلق سانڈ کے اختیار اور شہوت سے ہے،

۲- اس معاہدہ کا مقصد تولید کا حصول ہے اور یہ اُن چیزوں میں ہے کہ جن کا عقد (معاہدہ) جائز نہیں کیونکہ اس کی قدر اور تعین مجہول ہے بخلاف دودھ پلائی کی اجرت کے کیونکہ یہ مصلحت آدمی پر محتمل ہے اور اس کا قیاس دوسری چیزوں پر نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی خوب

موافقت ہے کہ اس امر کی نہی شریعت کے محاسن و کمالات میں سے ہے کیونکہ اس سانڈ کے مادہ تولید کی قیمت لینا اور اسے عقود معاوضات کا محل قرار دینا عقلا کے نزدیک ایک قبیح چیز ہے، ایسا کرنے والا اُن کے نزدیک پست اور سبک ہوجاتا ہے اور اللہ سبحانہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو، اور خاص طور پر مسلمانوں کو حسن اور قبیح کی میزان قرار دیا ہے، جو چیز مسلمانوں کے نزدیک بہتر ہے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے، اور جسے مسلمان قبیح سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے، علاوہ ازیں سانڈ کے مادہ تولید کی کوئی قیمت نہیں لہذا اگر کسی آدمی کا سانڈ کسی دوسرے شخص کی مادین سے جفتی کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بالاتفاق مادین کے مالک کا ہے لہذا شریعت کاملہ نے ایسی جفتی کا معاوضہ حرام قرار دیا ہے جس کے لوگ تکثیر نسل کے لیے محتاج ہیں اور جس سے سانڈ کے مالک کو ضرر یا مالی نقصان نہیں پہنچتا پس شرعی طور پر مستحسن یہ ہے کہ یہ چیز مفت دی جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ وہ حقوق ہیں جن سے لوگوں کو محروم کرنا اُن کے لیے نقصان کا باعث ہے۔

بطور عطیہ و تحفہ کچھ دینا جائز ہے

اور اگر کہا جائے کہ مادین کا مالک سانڈ کے مالک کو بطور ہدیہ کے کچھ دے تو یہ لینا جائز ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مقصد معاوضہ ہو تو ناجائز بصورت دیگر کوئی مضائقہ نہیں۔

زائد از ضرورت پانی کی فروخت حرام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

حضرت جابرؓ کی حدیث صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائد از ضرورت پانی فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زاید از ضرورت پانی سے (دوسروں کو) روکا نہ جائے، اسی روایت کے دوسرے الفاظ ہیں یہ ہے کہ اس سے گھاس اور سبزے کی پیدائش رک جائے گی۔

مسند میں عمر بن شعیب نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے زائد از ضرورت پانی اور گھاس (دوسروں سے) روک لی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے اپنا فضل روک لے گا،

سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہرگز نہ روکنی چاہئیں، پانی، گھاس اور آگ، نیز سنن ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں میں لوگ باہم شریک ہیں، پانی، آگ اور گھاس۔

سنن ابی داؤد میں بجیسہ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یا نبی اللہ وہ کون چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں؟

• آپؐ نے فرمایا پانی ۔

میرے والد نے کہا یا نبی اللہ وہ کون چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں ؟

آپؐ نے فرمایا "نمک"

میرے والد نے عرض کیا یا نبی اللہ وہ کون چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں ؟

آپؐ نے فرمایا، اگر بھلائی کرو گے تمہارا بھلا ہوگا ۔

پانی عباد اور بہائم کے مابین مشترک ہے

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے پانی کو عباد اور بہائم کے مابین مشترک پیدا کیا ہے تاکہ وہ اُسے پی سکیں لہٰذا اس باب میں کوئی بھی ایک دوسرے پر خصوصیت نہیں رکھتا اگرچہ اس کا پانی کیوں نہ ہو۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مسافر پانی کا زیادہ مستحق ہے کنواں بنانے والے سے ۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں مسافر کو سب سے پہلے پانی پینے کا حق ہے لیکن جو شخص اس پانی کو مشک میں یا کسی برتن میں جمع کرلے تو یہ بات حدیث میں غیر مذکور ہے ۔ اس کی حیثیت عام مباحات کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی ملکیت میں لکڑی، گھاس اور نمک وغیرہ جمع کرلے پھر انھیں فروخت کردے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تم میں سے کوئی شخص لکڑی کا ایک گٹھا رسی سے باندھے گا کہ اسے فروخت کرے اور اس طرح اللہ اس کی ضرورت پوری کردے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور کبھی اس کا سوال پورا ہو اور کبھی پورا نہ ہو، اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے چنانچہ صحیحین میں علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جنگ بدر میں غنیمت کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے بھی ایک اونٹ ملا پھر آپؐ نے ایک دوسرا اونٹ بھی مجھے مرحمت فرمایا ایک دن میں ان دونوں کو لے کر ایک انصاری کے دروازہ پر پہنچا اور وہاں انھیں بٹھا دیا تاکہ ان پر گھاس لادوں اور فروخت کردوں پھر انھوں نے یہ حدیث بیان کی جس سے ثابت ہوا کہ لکڑی اور گھاس کا اس طرح لینا اور فروخت کردینا مباح ہے، مچھلی اور دوسرے مباحات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں اسی طرح بڑی نہروں کا پانی بھی لوگوں کے درمیان مشترک ہے نہ اُسے بیچا جا سکتا ہے نہ اس کو روکا جا سکتا ہے نہ اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے، اسی طرح اگر ارض مباح میں بارش کا پانی جمع

ہو جائے تو کوئی شخص بھی اس پر اپنا زیادہ حق نہیں جتا سکتا بجز اس جگہ سے قریب رہنے والوں کے اس طرح کا پانی نہ فروخت کیا جا سکتا نہ اس سے روکا جا سکتا ہے، روکنے والا گنہگار اور وعید الٰہی کا مستوجب ہوگا۔

کنوئیں کا مالک بھی پانی فروخت نہیں کر سکتا

اگر کہا جائے کہ کوئی شخص اپنی ارض مملوکہ میں پانی جمع کرنے کے لیئے گڑھا کھودتا ہے یا کنواں کھودتا ہے تو آیا وہ اس کا مالک ہوگا اور اس کے لیئے اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ بیشک وہ دوسروں کے مقابلے میں اس کا زیادہ مستحق ہے اور اگر پانی اس کے اور اس کے جانوروں کے پینے بھر کا ہو تو دوسروں پر اس کا خرچ کرنا واجب نہیں ہے یہ امام احمد کی نص ہے اور یہ صورت وعید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت نہیں آتی کیونکہ وعید زائد از ضرورت پانی کے لیئے ہے۔

صورت بالا کے مطابق زیادہ پانی کے بارے میں،

زائد از ضرورت پانی کا بے معاوضہ استعمال

اپنی حاجت اور اپنے جانوروں کی حاجت سے جو زیادہ ہو اور جس کے دوسرے آدمی اور بہائم محتاج ہوں بغیر کسی معاوضہ کے ہر شخص ایسے پانی پر آ سکتا ہے اُسے پی سکتا ہے اور اپنے جانوروں کو پلا سکتا ہے پانی کا مالک منع نہیں کر سکتا نہ وہ کوئی معاوضہ لے سکتا ہے۔

کیا پانی کے مالک کے لیئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ ڈول رسی اور چرخی بھی فراہم کرے تو کیا اس صورت میں اجرت لے سکتا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں اصحاب احمد رحمہ اللہ کے کہ ضرورت کے وقت عاریتاً اس طرح کی چیزیں دینا واجب ہیں، امام احمدؒ کہتے ہیں کہ یہ صورت صحرا اور میدان کے لیے ہے۔ عمارت کے لیئے نہیں ہے یعنی اگر کسی عمارت کے اندر پانی ہے تو بلا اجازت کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا،

امام احمد کی دو روایتیں

دوسرے کی کھیتی کے لیئے زائد از ضرورت پانی کا دینا آیا لازم ہے یا نہیں اس سلسلے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔

۱۔ لازم نہیں ہے امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔

۲۔ لازم ہے، دلیل میں احادیث مذکورہ پیش کی جاتی ہیں۔

کنواں ملکیت ہے، پانی نہیں :- اگر یہ کہا جائے کہ اگر کسی شخص کی زمین یا گھر میں کنواں یا

چشمہ ہے تو آیا وہ ملکیت زمین کے باعث داخل ملکیت ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ جہاں تک کنواں اور چشمہ کا تعلق ہے وہ مالک زمین کی ملکیت ہیں لیکن پانی کے بارے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں اور امام شافعیؒ سے دو وجہیں منقول ہیں،

۱۔ یہ پانی مملوکہ نہیں ہے کیونکہ مملوکہ زمین کے نیچے بہہ رہا ہے لہذا نہر کے جاری پانی سے مشابہ ہے۔

۲۔ یہ پانی مملوکہ ہے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں پانی کی فروخت کسی حالت میں بھی میں پسند نہیں کرتا،

حضرت اثرم رضؓ کی روایت

اثرمؒ کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہؒ سے سنا اُن سے سوال کیا گیا کہ کچھ لوگوں کے درمیان ایک نہر بہتی ہے جس سے [redacted] اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں ایک دن یہ دو دن [redacted] اس تقسیم حصص پر اتفاق ہے ایک دن جب میری باری آتی ہے تو میں پانی کی ضرورت نہیں محسوس کرتا ہوں اور چند روپے کرایہ لے کر کسی دوسرے کو دے دیتا ہوں۔ ابو عبداللہؒ نے کہا میں نہیں جانتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

کہا گیا کہ وہ پانی نہیں بیچتا، کرایہ پر دیتا ہے۔

ابو عبداللہؒ نے کہا کہ یہ ایک حیلہ ہے تاکہ ایک غلط چیز کو اچھا رنگ دے سکو ورنہ یہ چیز بیع کے سوا اور کیا ہے۔

امام احمدؒ سے ایک سوال اور اس کا جواب

ایسا ہی ایک سوال امام احمدؒ سے کیا گیا جبکہ لوگ ارض شام میں اپنے باغات وغیرہ کے لیے ایسا کرنے لگے تھے،

امام احمدؒ نے کچھ توقف کے بعد یہ جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کرنے سے منع کیا ہے جب ان سے کہا گیا کہ یہ اجارے کی صورت ہے تو انھوں نے فرمایا نہیں یہ حیلہ ہے حقیقتاً یہ بیع ہے اور قواعد شرعیہ پانی کی فروخت سے منع کرتے ہیں اگر پانی آدمی کی ضرورت سے زیادہ ہے تو اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں اور جو اس کا محتاج ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے، یہ قول شرع کے قواعد اور حکمت اور مصالح عام سے بالکل مطابق ہے۔

غیر مسکونہ مکان میں پانی کے لیے بلا اجازت داخلہ جائز ہے

اگر کہا جائے کہ کوئی شخص اپنے حدود ملکیت میں (پانی وغیرہ لینے کے لیے) داخل ہونے سے منع کر سکتا ہے یا کوئی بغیر اذن کسی کی ملکیت میں داخل ہو سکتا ہے؟

ہمارے بعض اصحاب کا قول ہے کہ کوئی شخص اس طرح کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بلا اجازت کسی دوسرے کی ملکیت میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن اس قول کی کلام شارع میں، یا کلام امام احمدؒ میں کوئی اصل نہیں ملتی، بلکہ احمد رحمہ اللہ کی نص تو یہ ہے کہ ارض غیر مباح میں اس کے مملوکہ نہ ہونے کے باوجود، سیرابی جائز ہے، البتہ اس مقصد کے علاوہ دوسرے مقصد سے داخل ہونا جائز نہیں ہے صواب یہ ہے کہ ایسے حق کے استعمال کے لیے اگر استئذان متعذر نہ ہو تو داخل ہونا جائز ہے، بشرطیکہ وہ خود پانی پینے یا اپنے بہائم کو پانی پلانے یا گھاس کو پانی دینے کا ضرورت مند ہو، اور مالک ارض موجود نہ ہو تو اس صورت میں اگر ہم اسے داخل ہونے سے روکیں گے تو یہ ایک ضرر رساں فعل ہوگا، اور ویسے بھی روکنے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ صاحب ارض منع کرنے کا حق نہیں رکھتا، بلکہ اسے داخلہ کی اجازت دینا واجب ہے، لہٰذا داخلہ کو اذن پر موقوف رکھنا لاحاصل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتاً غیر مسکونۃ فیھا متاع لکم

تو اس صورت میں کہ خانۂ غیر مسکونہ میں ضرورت کی چیز ہو اور آدمی داخل ہو جائے تو اجازت کی احتیاج نہیں، البتہ خانۂ مسکونہ میں بغیر اجازت داخلہ کی اجازت نہیں، ظاہر قرآن کا منشا یہی ہے اور امام احمدؒ کی نص کا مقتضا بھی یہی ہے۔

کنواں اور چشمہ فروخت کیا جا سکتا ہے

اگر سوال کیا جائے کہ کنویں اور چشمہ کی بجائے خود فروخت جائز ہے یا نہیں؟

امام احمدؒ کا قول ہے کہ نہی کنویں اور چشمہ کے فائد از ضرورت پانی فروخت کرنے کی ہے، باقی کنویں اور چشمہ کی فروخت جائز ہے اور خریدنے والا اس کا پورا حق رکھتا ہے اور پانی پر بھی اسی کا حق فائق ہے، یہ امام احمدؒ کا قول ہے، اور سنت نبوی سے اس کی تائید ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"جو بیرؔ (کنواں) رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیئے عام کردے اسے جنت ملے گی"۔

حضرت عثمان نے ایک یہودی سے یہ کنواں حکم نبوی کے مطابق خرید لیا، اور مسلمانوں کے لیے عام کر دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے یہودی سے آدھا کنواں بارہ ہزار میں خرید لیا دونوں نے اپنے لیے ایک ایک دن کی باری مقرر کرلی، لوگ حضرت عثمان کی باری کے دن دو دن کا پانی لے لیا کرتے تھے، یہودی نے کہا،

"آپ باقی آدھا بھی خرید لیجئے"۔

چنانچہ حضرت عثمان نے باقی نصف کنواں بھی بارہ ہزار میں خرید لیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

- کنویں کی بیع جائز اور صحیح ہے،
- کنویں کا خریدنا جائز اور صحیح ہے،
- کنویں کا پانی عام کر دینا جائز اور مباح ہے،
- پانی کی باری تقسیم کر لینا بھی جائز ہے،
- خریدنے والا دوسروں کے مقابلہ میں پانی کا زیادہ حقدار ہے۔

یہودی پر احکام اسلام کیوں منطبق نہیں ہوئے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر پانی کی ملکیت درست نہیں ہے اور ہر شخص اس سے اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے پھر یہودی اپنی باری کے دن مسلمانوں کو پانی پینے سے کیسے منع کر سکتا تھا؛ کہ حضرت عثمان دوسرا نصف بھی خریدنے پر مجبور ہو گئے؟

جواب یہ ہے کہ اوائل اسلام میں تقرر احکام سے قبل جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو یہودی مدینہ میں جاہ و جلال کے حامل تھے، اور اسلام کے احکام ان پر جاری نہیں تھے اور آپؐ نے ان سے صلح کر رکھی تھی کہ جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے بدستور ان کے قبضہ میں رہے گا، اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ پھر جب احکام اسلام مستقر ہو گئے، اور شرکت یہود ختم ہو گئی تو احکام شرع ان کے اوپر بھی جاری ہو گئے، اور ظاہر ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہے، جب آپؐ پہلے پہل مدینہ تشریف لائے تھے۔

آب جاری کسی کی ملکیت نہیں

آب جاری، مثلاً بڑی نہروں کا پانی یا اسی طرح کا دوسرا پانی کسی حالت میں بھی کسی کی ملکیت نہیں قرار پا سکتا، اگرچہ وہ کسی شخص کی مملوکہ زمین پر کیوں نہ جاری ہو، اس کی مثال پرندکی سی ہے، جو کسی کی زمین پر اُتر آئے تو اس سے وہ اس کا مالک نہیں بن جاتا، ہر شخص اسے پکڑ سکتا یا اس کا شکار کر سکتا ہے۔

مغنی کا ایک غیر صحیح مسئلہ

شیخ نے مغنی میں کہا ہے کہ تالاب وغیرہ داخل ملکیت ہو سکتے ہیں یا وہ گڑھے جو بارش کا پانی جمع کرنے کے لیے تیار کیے گئے ہیں ملکیت میں داخل ہو سکتے ہیں، ان کا پانی زیر ملکیت آ سکتا ہے، اور اسے فروخت بھی کیا جا سکتا ہے، اور اذن مالک کے بغیر اس میں سے کچھ نہیں لیا جا سکتا۔

لیکن مذہب اور دلیل کے اعتبار سے یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔

جہاں تک مذہب کا تعلق ہے امام احمدؒ کی نص موجود ہے کہ کنویں اور چشمہ کا زائد از ضرورت پانی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کنویں اور تالاب میں کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا تالاب کا پانی بھی فروخت نہیں کیا جا سکتا۔

اب رہی دلیل تو گذشتہ صفحات میں جو نصوص ہم پیش کر چکے ہیں، اور صحیح بخاری کی روایات میں جن وعید ثلاثہ کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور اس آدمی کا ذکر کیا ہے جو زائد از ضرورت پانی سے مسافر کو روکتا ہے، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارض محنفقہ اور ارض مباحہ کے مابین کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ تین چیزیں لوگوں کے درمیان مشترک ہیں، نیز آپؐ سے سوال کیا گیا، "وہ کون سی چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں ہے؟"

اور اس ارشاد میں کسی طرح کی شرط نہیں ہے،

لہٰذا از روئے دلیل بھی اثری اور نظری اعتبار سے پانی کی فروخت ناجائز ہے۔[1]

---

[1] اگر اسلام کے احکام و تعلیمات اور ہدایات پر سچے معنوں میں عمل کیا جائے تو پھر دنیا کو نہ سوشلزم

کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ کمیونزم کی، کمیونزم اس وقت افراط و تفریط کا ایک مجموعہ ہے، لیکن اگر یہ اسلام کے زیرِ سایہ آجائے تو اس کے نعمت کبریٰ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس لیے کہ اسلام نے جو متوازن، عادلانہ، اور افراد قوم کے حقوق کی رعایت و مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نظام پیش کیا ہے، اس کے بروئے کار آنے کے بعد، سوسائٹی اور سماج میں ایسی مساوات پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی کو کسی سے شکایت باقی نہیں رہتی، ہر شخص کو اپنا جائز، صحیح، اور پورا حق مل جاتا ہے، اور اس حق کے حاصل ہو جانے کے بعد نہ انقلاب کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ شورش کی، نہ فتنہ و فساد اور ہنگامہ آفرینی کی۔

اور کوئی شبہ نہیں جب تک یہ نظام لفظ و معنی کے پورے ارتباط کے ساتھ قائم رہا، اس وقت تک دنیا نے اس کے سوا، کسی اور نظام کی طرف توجہ نہیں کی، لیکن جب خود مسلمانوں نے اسے ترک کر دیا اس سے احتراز کرنے لگے، اور اس کے اصولوں کو توڑنے لگے، تو دنیا نے بھی دوسرے دروازوں پر دستک دینی شروع کر دی۔

آج بھی اگر مسلمان ایک مرتبہ پھر اس نظام کو اپنانے پر متوجہ ہو جائیں، اور خلوص و مستعدی کے ساتھ اس کام میں لگ جائیں، تو دوسرے باطل نظام اپنی موت آپ مر جائیں گے،

جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام،

سنن اور مسند میں حکیم بن حزام کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور مجھ سے وہ ایسی چیز کی بیع چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے، میں بیع کر لیتا ہوں اس کے بعد وہ چیز بازار سے خرید لیتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اس چیز کی بیع نہ کرو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔

ابن عمرؓ کی حدیث

ترمذی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے سنن میں اسی طرح کی ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بھی ہے۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے، یہ دونوں حدیثیں اس پر متفق ہیں کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے یہ بیع ایک طرح کا دھوکا ہے۔

یہ جوئے سے مشابہ صورت ہے

اگر کوئی شخص ایک معین چیز کی بیع کرتا ہے اور وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہے پھر جاتا اور اسے خرید لاتا ہے اور اس کے حوالہ کر دیتا ہے تو اس صورت میں چیز کے حصول اور عدم حصول کا امکان ہوتا ہے یہ دھوکا ہے جو جوئے سے مشابہ ہے چنانچہ اسے روک دیا گیا۔

بیع معدوم کی ممانعت

بعض لوگوں کا خیال کہ یہ ممانعت چیز کے معدوم ہونے کے سبب وارد ہوئی ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے بیع معدوم سے منع فرمایا ہے، لیکن یہ حدیث بے اصل ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دونوں احادیث کے برعکس اس کی روایت باللفظ نہیں بالمعنی ہے اور جو لوگ ان دونوں

کے ایک ہی معنیٰ مراد لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں حکیم رضؓ اور ابن عمر رضؓ کی حدیث سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ چیز معدوم ہے، معدوم کی ایک قسم وہ ہے جو تبعاً موجود ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک متفق علیہ دوسری مختلف فیہ۔

معدوم پھلوں کی بیع

متفق علیہ پھلوں کی بیع ہے جبکہ "بور" ظاہر ہو گیا ہو خواہ کسی ایک ہی پھل کا کیوں نہ ہو اس بیع کے جواز پر سب کا اتفاق ہے، حالانکہ معاہدے کے وقت بقیہ اجزائے ثمار معدوم ہوتے ہیں، مگر موجود کے ذیل میں اسے شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر بیع جائز ہوتی ہے کیونکہ معدوم موجود سے متصل ہوتا ہے، اس کی مثال اس منافع کی سی ہے جو از روئے معاہدہ اجارہ سے حاصل ہوتا ہے، لیکن وہ معدوم ہوتے کے باوجود مورد عقد بن جاتا ہے۔

بیع سلم[1] اور بیع سلف[2]

ایک حدیث کا تعلق بیع سلم سے ہے؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی ممانعت کا اصل مورد بیع سلم ہے،

بیع سلم کیا ہے؟ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع سلم میں وہ چیز داخل ہوتی ہے جسے حوالے کرنے کی قدرت اور استطاعت بائع رکھتا ہو، اس میں کوئی دھوکا نہیں ہے، نہ کسی قسم کا خطرہ ہے، مسلم الیہ کے ذمہ جو مال ہے، اس کی ادائی اپنے محل پر واجب ہے، اسی طرح مشتری کو یہ سہولت ملتی ہے کہ وہ قیمت دیر سے ادا کرے، اس سلسلہ میں کئی قول ہیں، لیکن مبنی اصواب قول یہ ہے کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع کی ممانعت میں جو حدیث آئی ہے، وہ بیع سلم سے متعلق کسی طرح بھی نہیں ہے خواہ وہ بیع سلم مؤجل ہو یا فوری۔

بیع سلم عبارت ہے تاجیل (تاخیر) مبیع سے، یہ اسی طرح ہے جیسے تاجیل ثمن، دونوں صورتوں میں اہل دنیا کی مصلحت پوشیدہ ہے۔

---

[1] بیع سلم اسے کہتے ہیں کہ آدمی پیشگی روپیہ اس شرط پر دیدے کہ فلاں مال، فلاں وقت اس قیمت پر ہم تم سے لیں گے، خواہ اس وقت اس کا نرخ کچھ ہی ہو، مثلاً آج گیہوں دس سیر کا بک رہا ہے، لیکن پیشگی روپیہ دیتے ہوئے آدمی کہتا ہے، فلاں وقت ہم تم سے بارہ سیر کے حساب سے لیں گے، خواہ اس وقت نرخ آٹھ سیر کا ہو، یا پندرہ سیر کا،

[2] بیع سلف اسے کہتے ہیں کہ پہلے سودا کر لیا جائے، اور قیمت بعد میں دی جائے،

بیع غائب کے سلسلہ میں چند اقوال

بیع غائب کے سلسلہ میں چند اقوال ہیں:
۱- ایک گروہ بیع غائب کو مطلق طور پر جائز قرار دیتا ہے لیکن معین طور پر جائز نہیں قرار دیتا، امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی یہی مسلک منسوب ہے۔
۲- ایک اور گروہ ہے جو بیع غائب کو معین طور پر، جبکہ اس کی صفت ذکر کر دی گئی ہو جائز قرار دیتا ہے، لیکن مطلق طور پر جائز نہیں قرار دیتا، مثلاً امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ،
امام شافعی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا:
اگر بیع مطلق مذکور بہ صفت جائز ہے، پھر بیع معین مذکور بہ صفت بطریق اولیٰ جائز ہوئی، کیونکہ برخلاف معین کے مطلق میں بہرحال دھوکے، خطرے، اور حیل کا امکان ہے۔
اگر گیہوں کی بیع ذکر صفت کے ساتھ مطلقاً جائز ہے تو اس کی بیع ذکر صفت کے ساتھ معین طور پر بطریق اولیٰ جائز ہے اس صورت میں مشتری کو حق خیار بھی حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ صحابہ سے منقول ہے، امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہی ہے، اور امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

عقود میں اعتبار حقائق کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا

قاضی وغیرہ اصحاب احمد رحمہ اللہ نے بیع سلم فوری کو، لفظ بیع کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، تحقیقی بات یہ ہے کہ عقود میں اعتبار حقائق اور مقاصد کا ہوتا ہے، نہ کہ مجرد الفاظ کا؛

بیع سلم کی آپؐ کی طرف سے ممانعت

اور نفس بیع اعیان حاضرہ جن کا قبضہ متاخر ہو، اور قیمت پہلے دیدی جائے، اسے بیع سلف کہتے ہیں جیسا کہ مسند میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے باغ کے سلم کی نہی فرمائی ہے جب تک اس کا بور ظاہر نہ ہو جائے، بور ظاہر ہونے کے بعد اگر آدمی یہ کہے کہ
"اس باغ کی کھجوریں دس وسق کے عوض میں تم کو دیتا ہوں"!
تو یہ جائز ہے، لیکن ثمن (قیمت) بور کے مکمل ہونے تک متاخر رہے گی، لیکن اگر قیمت پیشگی دیدی جائے تو پھر یہ بیع سلف ہے، کیونکہ سلف اسے کہتے ہیں جو پہلے ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

فجعلناهم سلفا ومثلا للآخرين

علاوہ ازیں سلف قرض کے معنی میں بھی آتا ہے،

بیع تجارت جائز ہے

غرض حاصل کلام یہ کہ اس چیز کی بیع جو بائع کے پاس موجود نہیں ہے، نہ اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے، قمار اور جوئے کے مانند ہے، کیونکہ لیے بائع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کی بیع سے جو اس کے پاس نہیں ہے نفع کمائے، اور مشتری اس بات سے لاعلم ہوتا ہے کہ یہ شخص جو بیع کر رہا ہے، بعد میں خود جاکر اسے خرید ے گا۔ تب حوالے کرے گا، اور اگر لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے تو اکثر صورتوں میں لوگ اس سے ہرگز سودا نہ کریں، بلکہ اس نے جہاں سے وہ چیز (نسبتاً سستے نرخ پر) خریدی ہے خود وہاں جاکر خرید لیں، اور اس صورت کو مخاطرۂ تجارت میں شامل نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر کوئی تاجر کچھ مال خریدتا ہے اور اب اس کی ملکیت میں آجاتا ہے، اور اس کے قبضہ و تصرف میں داخل ہو جاتا ہے، تو اب وہ مخاطرۂ تجارت میں آجاتا ہے، اور جو بیع کرتا ہے وہ بیع تجارت ہوتی ہے، جسے اللہ تعالے نے حلال کیا ہے:

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم

بیع کی مختلف قسمیں اور ان کے احکام

بیع حصاۃ، بیع غرر، بیع ملامۃ، بیع منابذۃ وغیرہ

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حصاۃ اور بیع غرر کی نہی فرمائی۔

بیع ملامت کی ممانعت صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے بیع ملامت اور بیع منابذت سے منع فرمایا ہے۔

مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ سودا کرنے والے دیکھے بھالے بغیر ایک دوسرے کے کپڑے کو چھولیں اور بیع واقع ہوجائے۔

بیع منابذت اور بیع منابذت یہ ہے کہ سودا کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے۔ اور دونوں میں سے کوئی کسی کے کپڑے کو نہ دیکھے۔

ایک دوسری روایت صحیحین میں ابوسعید کی یہ ہے کہ بیع ملامت یہ ہے کہ خریدار اور فروخت کرنے والا دونوں ایک دوسرے کے کپڑے کو دن یا رات میں ہاتھ سے چھولیں۔ اور بیع منابذہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے اور دوسرا اپنا کپڑا اس کی طرف پھینک دے۔ اور اس طرح مال کی بیع بلا اسے دیکھے اور بغیر رضامندی کے ہوجائے۔

بیع حصاۃ کی ممانعت بیع حصاۃ کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کہے "یہ کنکری پھینکو کپڑے کے جس تھان پر یہ پڑجائے گی، وہ ایک درہم میں تمہارا"!

یا اگر کوئی زمین خرید رہا ہے تو یہ صورت ہوگی کہ پھینکی ہوئی کنکری جہاں تک پہنچ جائے اتنی زمین کے

تم مالک ــــــ: یہ ساری صورتیں قامر ہیں اور قمار سے مشابہ ہیں۔

بیع غرر کی ممانعت

بیع غرر ایسی چیز کی بیع ہے جسے حوالے کرنا بائع کے بس میں نہ ہو مثلاً کوئی شخص بھاگے ہوئے غلام یا اونٹ، یا ہوا میں اڑنے والے پرند، یا دریا میں تیرنے والی مچھلی کسی کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ بیع غرر (دھوکا) ہے۔ غرض ایسی چیز کا بیع کرنا جس کا حوالے کرنا بس سے باہر ہو، یا جس کی تعداد نامعلوم ہو، لیکن قیمت معین ہو بیع غرر ہے۔

بیع حبل الحبلہ کی ممانعت

اسی طرح بیع حبل الحبلہ ہے، یہ بیع بھی ممنوع ہے جیساکہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

حبل الحبلہ یہ ہے کہ سانڈنی بچہ جنے، پھر یہ حاملہ ہو[1]، تب قیمت ادا کی جائے۔

بیع ملاقیح و مضامین کی ممانعت

اسی طرح بیع ملاقیح اور مضامین بھی ممنوع ہے، جیساکہ سعید بن المسیب نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملاقیح کی بیع سے منع کیا ہے۔

ابوعبید کہتے ہیں:

ملاقیح وہ ہے جو حیض میں ہو۔ اور مضامین ▪ جو صلب میں ہو۔

بیع مجر کی ممانعت

اسی طرح بیع مجر بھی ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ابن اعرابی کہتے ہیں کہ مجر اسے کہتے ہیں جو بطن ناقہ میں ہو۔ نیز سود کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں قمار کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ نیز اس سے محاقلہ[2] اور مزابنہ[3] بھی مراد لیتے ہیں ▪ اور ملامست اور منابذت بھی ــــ ان دونوں بیعوں کا ذکر گزر چکا ہے۔

---

[1] یعنی حاملہ اونٹنی کے بطن سے جو اونٹنی پیدا ہو، وہ جوان ہو کر جب حاملہ ہو اور بچہ جنے، اس وقت سانڈنی کی قیمت ادا کی جائے گی۔ ظاہر ہے یہ سلسلہ اس طرح کی دوسری تمام بیعیں یکسر فاسد ہیں۔ یہ عہد جاہلیت میں رائج تھیں لیکن اسلام نے انھیں ختم کردیا۔ [2] محاقلہ یعنی کھیتی کا غلے کے عوض فروخت کیا جائے، یا غلہ کے معاوضہ میں زمین کرایہ پر دی جائے [3] مزابنہ، درخت کی ترکھجوروں کے بدلے میں خشک کھجوریں فروخت کردی جائیں

بیع کی ان تمام صورتوں میں غرر (دھوکا) ظاہر ہے۔

مغیبات ارض داخل غرر نہیں ہیں

مغیبات ارض[1] بیع غرر میں داخل نہیں ہیں۔ مثلاً، لغت (شلغم) جزر (گاجر) اور بصل (پیاز) وغیرہ، کیونکہ یہ چیزیں عادۃً معلوم ہوتی ہیں۔ اور جاننے والے ظاہر سے باطن کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

لیکن مکان، دکان، اور حیوان کا اجارہ غرر سے خالی نہیں کیونکہ حیوان مر سکتا ہے اور مکان و دکان کا انہدام ممکن ہے۔

اسی طرح انڈے، انار، خربوزہ اور پستہ وغیرہ کی بیع بھی خالی از غرر نہیں۔

معمولی غرر جائز ہے

لیکن یاد رکھنا چاہیے ہر غرر تحریم کا سبب نہیں ہے اگر وہ معمولی ہو، یا اس سے احتراز ممکن نہ ہو تو وہ صحت عقد (معاہدہ) کو مانع نہیں ہے۔ برخلاف غرر کثیر کے جس سے احتراز ممکن ہے اور جس کے انواع ممنوعہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ برعکس زیر بیع مغیبات ارض معمولی ہیں۔ اور ان سے احتراز ممکن نہیں۔ ان کے بارے میں اگر یہ پابندی عائد کر دی جائے کہ انھیں زمین سے کھود کر نکالا جائے، تب سودا کیا جائے، تو یہ غیر معمولی مشقت اور فساد مال کا سبب ہوگا، جسے شرع پسند نہیں کرتی، نہ مصالح عوام کا یہ تقاضہ ہے۔ بہرحال یہ وہ غرر نہیں ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

مشک نافہ کی بیع، بیع غرر نہیں ہے

نافہ کے اندر کے مشک کی بیع بھی پستہ، اور اخروٹ وغیرہ کی طرح بیع غرر نہیں ہے، کیونکہ نافۂ مشک ایک ایسا ظرف ہے جس میں مشک آفات سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی رطوبت بقا اور خوشبو کی حفاظت ہوتی ہے، اور وہ ہر طرح کے تغیر سے قریب قریب محفوظ رہتا ہے، اور تاجروں کا یہ معمول ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ وہ اس کی بیع و شرا کرتے رہے ہیں، کیونکہ اس کی قدر و جنس کو اچھی طرح سمجھتے ہیں لہٰذا اس میں کوئی غرر نہیں ہے، نہ از روئے لغت، نہ از روئے شرع، نہ از روئے عرف۔

متشددین اور متفقین کے دلائل

لیکن جو لوگ اسے روا نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں مشک نافہ کی مثال اس گٹھلی کی سی ہے جو کھجور کے اندر ہوتی ہے، یا اس انڈے کے

---

[1] یعنی وہ چیزیں جو زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔

مانند جو مرغی کے پیٹ میں ہوتا ہے یا اس دودھ کی طرح جو تھن میں ہوتا ہے۔ یا وہ گھی جو برتن میں بند ہوتا ہے۔ لیکن مشک نافہ اور اشیاء مذکورہ کے انواع کا فرق ظاہر ہے۔ چنانچہ جو اس بیع کو روا سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں نافہ کے اندر مشک اس طرح ہوتا ہے، جیسے بادام، اخروٹ اور پستے کے خول میں ان کا مغز۔ یہ خول حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ اور اس کی مصلحت ظاہر ہے۔ لہٰذا ایسے اشیاء ان چیزوں میں شمار نہیں کرسکتے، جن کی نہی شارع کی طرف سے وارد ہوئی ہے۔

مدت معلومہ کے لیے تھن کے دودھ کا اجارہ

لیکن اگر بکری، گائے۔ اونٹنی کو مدت معلوم کے لیے کسی کو دودھ حاصل کرنے کے لیے اجارے پر دے دیا جائے تو یہ جمہور کے نزدیک ناجائز ہے، لیکن ہمارے شیخ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص معین اجرت پر بکری، گائے۔ یا اونٹنی کو اجارے پر لیتا ہے اور اس کا چارہ مالک پر ہوتا ہے۔ یا چارے کے مصارف بھی وہ اپنے ذمے ڈال لیتا ہے، اور شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ دودھ لے لیا کرے گا تو یہ جائز ہے۔ یہ صورت بیع اور اجارے دونوں سے مشابہ ہے۔ لہٰذا بعض فقہائے اسے بیع میں ذکر کیا ہے، بعض نے اجارے میں۔

دودھ کی بیع، بیع غرر نہیں ہے

اگر مشتری دودھ کی مخصوص مقدار اس طرح لیتا ہے، تو یہ بیع محض ہے۔ اور اگر مطلق طور پر لیتا ہے تو بھی یہ بیع ہے۔ اسے بیع غرر نہیں قرار دیا جائے گا، کیونکہ غرر (دھوکا) عبارت ہے وجود و عدم کے تردد سے اس بیع کی ممانعت ہے کیونکہ از قبیل جنس قمار ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ اس کا قمار ہونا اس سے ظاہر ہے کہ متعاوضین میں سے ایک کو تو مال حاصل ہوجاتا ہے اور دوسرے کے لیے حصول و عدم حصول کی دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ یہ اس طرح ناجائز ہے جیسے بیع غلام مفرور وغیرہ۔

جنین اور تھن کا دودھ فروخت کرنے کی ممانعت

تھن کے اندر جو دودھ ہو اس کے عقود (معاہدے) کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

۱۔ اس کی بیع بھی ناجائز ہے۔ اور اجارہ بھی ناجائز ہے ــــ یہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔

۲۔ بیع تو جائز ہے لیکن اجارہ جائز نہیں ہے۔

۳۔ اجارہ جائز ہے لیکن بیع ناجائز ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

جانور کے تھن کا دودھ اور اس کی بیع

جانور کے تھن کے اندر جو دودھ ہو اس کی ممانعت کے بارے میں دو حدیثیں ہیں:

۱۔ پہلی حدیث عشاق بن فراش ــ جو ضعیف ہیں ــ کی ہے جسے وہ حبیب بن زبیر سے اور وہ عکرمہ سے .... اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ کے اون، دودھ کے بننے والے گھی، اور تھن کے اندر کے دودھ کو فروخت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

ابواسحاق نے عکرمہ سے انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے اس میں گھی کا ذکر نہیں ہے۔ اس روایت کو بیہقی وغیرہ نے درج کیا ہے۔

۲۔ دوسری حدیث ابن ماجہ کی ہے، ہشام بن عمار سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حاتم بن اسماعیل نے ان سے جہضم بن عبداللہ الیمانی نے ان سے محمد بن ابراہیم الباہلی نے ان سے محمد بن یزید العبدی نے ان سے شہر بن حوشب نے ان سے ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس سے منع فرمایا ہے کہ وضع حمل سے پہلے جو کچھ جانور کے پیٹ میں ہے اسے فروخت کیا جائے۔ یا جو دودھ تھن میں ہے اسے ناپے اور تولے بغیر فروخت کیا جائے۔ یا مفرور غلام کو فروخت کیا جائے یا مغانم جب تک تقسیم نہ ہولیں انھیں فروخت کیا جائے۔ یا صدقات جب تک قبضہ میں نہ آجائیں انھیں فروخت کیا جائے۔ نیز "ضربۃ الغائص" سے بھی آپؐ نے منع فرمایا ہے۔

لیکن اس اسناد سے کوئی دلیل نہیں قائم ہوتی۔

وہ منہیات بیع جو ثابت ہیں

جہاں تک وضع حمل سے پہلے جو کچھ جانور کے پیٹ میں ہے اسے نہ فروخت کرنے کا سوال ہے۔ نہ نہی ملاقیح و مضامین[2] سے ثابت ہی ہے۔ اسی طرح مفرور غلام کو فروخت کرنے کی نہی بھی بجائے خود نہی غرر سے ثابت ہے۔ اور تقسیم سے پیشتر مغانم کی فروخت بھی اس بیع میں داخل ہے جو آدمی کے پاس نہ ہو۔ کہ یہ تو ملم غرر اور خطر کی ہے۔ اسی طرح قبل از قبضہ صدقات کو فروخت کا معاملہ بھی ہے،

باقی رہا "ضربۃ الغائص" کا معاملہ، تو یہ کھلا ہوا غرر ہے۔

جانور کی پیٹھ پر اون کی بیع

رہی اس اون کی بیع جو جانور کی پیٹھ پر ہو، تو اگر اس کی بیع کی نہی والی حدیث صحیح ہے، تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کی مخالفت نہیں سنی جائے گی۔

لیکن اس باب میں امام احمد رحمہ اللہ سے روایت کا اختلاف موجود ہے۔ ان کی ایک روایت میں اس فروخت سے منع کیا گیا ہے۔ اور دوسری میں اجازت دی گئی ہے۔ بشرطیکہ اون فوراً اتار دیا جائے اور اس کی توجیہہ یہ ہے کہ اس کی تسلیم (حوالے کرنا) ممکن ہے، لہٰذا بیع جائز ہوگی۔ جیسے کھجور کی بیع جائز ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ فوری طور پر اون اتار لینے کی شرط ضروری نہیں ہے جیسے کھجور جو تھوڑی تھوڑی کر کے اتاری جائے خواہ اس میں کتنی ہی دیر لگے تو جواب یہ ہوگا کہ یہ اس طرح ہے جیسے حاضر

---

[1] ضربۃ الغائص، یعنی غوطہ خور کہے تم مجھے اتنی اجرت دو، غوطہ سے جو برآمد ہوگا وہ تمہارا۔

[2] ملاقیح و مضامین، اس چیز کی فروخت جو ابھی جانور کے بطن یا صلب میں ہے۔

مال کی تبعیت میں غیر موجود مال کا سودا کیا جائے اور یہ ویسے ہی ہے جیسے پھلوں کا وہ حصہ جو ابھی ظاہر نہیں ہوا ہے، مگر حاضر پھلوں کی تبعیت میں داخل ہے۔ اور اگر بائع اور مشتری ان کے لیے وقت معین کرلیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے پھلوں کے مکمل ہونے کے بعد سودا کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس کی منع کے قائل ہیں وہ اسے اعضائے حیوان پر قیاس کرتے ہیں جن کا بیع کے باعث اُن کو الگ کر دینا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ فاسد ترین قیاس ہے۔ اس لیے کہ اعضائے حیوان کی سلامتی کے ساتھ کسی کے حوالے نہیں کیے جاسکتے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اون اور تھن کے اندر کے دودھ میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ تھن کے دودھ میں ملک مشتری، مالک بائع کے ساتھ فوری طور پر مختلط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دودھ سریع الحدوث ہے۔ جب دوہا جائے گا بہہ پڑے گا، اون کی صورت اس کے برعکس ہے۔ واللہ اعلم و احکم

سفر نامہ ابن بطوطہ

مترجمہ : ——————— رئیس احمد جعفری

ابن بطوطہ نے جب اپنے سفر کا آغاز کیا تو اس وقت نہ ریل تھی، نہ موٹر، نہ طیارے، نہ کل کے جہاز، جب سمندر کا سفر کرنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ بربر کا ایک منچلا نوجوان۔ ابن بطوطہ رخت سفر باندھ کر اٹھا۔ اور کامل پچیس سال تک سمندر کی لہروں سے لڑتا۔ ہولناک ریگستانوں سے گزرتا پُر شور دریاؤں کو کھنگالتا۔ فلک رفعت پہاڑوں پر چڑھتا، جنگلوں اور بیابانوں اور برفستانوں کو قطع کرتا اپنے ذوق سیاحت کو تسکین پہنچاتا رہا۔ وہ دیار حجاز کی خاک پاک کو آنکھوں سے لگاتا یمن کے دشوار گزار راستوں کو طے کرتا مصر، بغداد شام، عراق، ایران، ترکستان، ماوراالنہر، بلخ، بخارا، بدخشاں، افغانستان، آذربائیجان، عیسائیوں کے مرکز ثقافت قسطنطنیہ اور ترکوں کی مملکت کا دورہ کرتا، ان مقامات کے علماء، صلحا، اخیار، ابرار، ملوک و سلاطین، امراء اور وزراء نیز اصحاب علم وفضل سے ملتا ہندوستان پہنچا۔ اس نے سندھ کے ایک ایک شہر کو دیکھا یہاں کے لوگوں سے ملا۔ یہاں کے مدارس اور مکاتب کا جائزہ لیا اس نے پنجاب کی سیر کی اور وہاں کے اہل علماء سے ملاقات کی وہ دلی پہنچا تاریخ کے سب سے زیادہ با جبروت شخص محمد تغلق نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ منصب قضا پر مامور کیا۔ اس طرح اسے سارے ہندوستان کی سیاحت کا بہت اچھا موقع ملا، پھر سلطان کا سفیر بن کر وہ چین گیا وہاں کے مسلمانوں سے ان کے طرز ماند و بود سے، ان کے اقتدار و اختیار سے واقفیت پیدا کی خاقان چین سے ملا، چین کی تہذیب ثقافت اور مدنیت کا گہرا مطالعہ کیا پھر وہاں سے ہندوستان واپس آیا۔ مدراس پہنچا، بمبئی گیا کرناٹک، کالی کٹ، الابار، کھمبایت وغیرہ کی سیر کی پھر لنکا گیا وہاں بدھوں کے آثار دیکھے پھر سراندیپ پہنچا وہاں سر آنکھوں پر بٹھایا گیا پھر بربر افریقہ یعنی مغرب اقصیٰ واپس آیا۔ جب وطن سے نکلا تھا تو ۲۵ سال کا نوجوان تھا جب واپس آیا تو ۵۰ سال کا بوڑھا تھا۔

ابن بطوطہ کا یہ سفر طویل صبر آزما اور پُر مشقت سفر تفریحی نہیں تعلمی تھا اس نے جس ژرف نگاہی سے سب کچھ دیکھا جس قابلیت سے مشاہدات سفر مرتب کئے جس خوبی سے اکابر رجال کے احوال و سوانح پر روشنی ڈالی وہ صرف اس کا حق ہے۔

ابن بطوطہ کے مکمل سفر نامہ کا ترجمہ تہذیب و ترتیب کے ساتھ سید رئیس احمد جعفری نے کیا ہے کتاب کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ ایک صفحہ پڑھنے کے بعد جب تک ختم نہ کر لیں آپ کو قرار نہ آئے گا معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری خوبیوں کے اعتبار سے بھی کتاب حد درجہ دیدہ زیب اور دلکش ہے۔

صفحات ۸۲۴ - قیمت پندرہ روپے

مولانا عبدالباری ندوی سابق پروفیسر فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی

کی

چار معرکتہ الآرا تصنیفات

تجدید دین کامل جس میں بتلایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی دینی و دنیوی ہر طرح کی فلاح و صلاح کا مدار پورا پورا مسلمان ہونے پر ہے۔ جس کے لئے ہماری دینی کوتاہیوں اور بیماریوں کی ایسی آسان اور کارگر تدبیریں بتلادی گئی ہیں کہ پورا پورا مسلمان بن جانا ہر شخص کے لئے بالکل اپنے اختیار میں ہے اور محرومی کا بجز محرومی کے کوئی عذر نہیں رہ جاتا بس قدم اٹھا کر چل پڑنا ہے۔

(بڑی سائز ۔ ۴۰۰ صفحات ۔ قیمت آٹھ روپے پچھتر پیسے)

تجدید تصوف و سلوک جس میں تصوف کے متعلق ہر قسم کی علمی و عملی غلطیوں اور غلط فہمیوں کو دور کر کے بتلایا گیا ہے کہ حقیقی تصوف دراصل کمال اسلام اور کمال ایمان کے سوا کچھ نہیں ہے اور بے صوفی بنے اسلام کی دنیوی و اخروی انفرادی اور اجتماعی برکات و ثمرات کا حاصل ہونا عملاً ناممکن ہے۔

(زیر طبع) بڑی سائز ۔ ۳۳۶ صفحات مجلد قیمت نو روپے پچھتر پیسے)

تجدید معاشیات جس میں معاشیات کے نو پیدا نظریوں اور نعروں سے مرعوب ہوئے بغیر خالص اسلامی و ایمانی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ رزق و معاش کا مسئلہ دراصل کوئی مسئلہ نہیں۔ جو فرد یا سماج (مسلمان ہی نہیں غیر مسلمان) بھی ان تعلیمات پر کم زیادہ جتنا بھی عمل کرے جائے گا اتنا ہی انشاءاللہ دن رات کے معاشی غم و غصہ کی جہنم سے دنیا ہی میں اپنے کو ضرور بچالے گا۔

بڑی سائز ۔ ۴۰۰ صفحات ۔ مجلد قیمت نو روپے پچھتر پیسے

تجدید تعلیم و تبلیغ خالص اسلامی بنیادوں پر بہترین قوم (خیر امت) بنانے کی تعلیمی و تبلیغی تجدیدات و تدابیر جو ہر فرد انسان کو ظاہری و باطنی طور پر بہترین مسلمان اور کامل انسان بنانے کا یہ تعلیمی و تبلیغی نظام نسلی و وطنی قومیتوں اور سیاسی و معاشی خیال پرستیوں (آئیڈیالوجی) کی جہنم سے دنیا کو نجات دلا سکتا ہے۔

بڑی سائز ۔ ۲۴۰ صفحات مجلد قیمت چھ روپے

وہ کتابیں جن کے بغیر کوئی لائبریری مکمل نہیں کہلا سکتی

(۱) فتوح البلدان - مصنفہ بلاذری مترجمہ ابوالخیر مودودی - ۱۵/-

(۲) تاریخ الخلفاء مصنفہ علامہ جلال الدین السیوطی مترجمہ اقبال الدین احمد - ۱۲/-

(۳) حیات امام ابن القیم - علامہ عبدالرشید ارشد ایم اے ۱۲/-

(۴) عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن مصنفہ کیمپل جانسن - مترجمہ یونس احمر - ۱۲/-

(۵) تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف ۸/۲۵

(۶) مآثر عالمگیری محمد ساقی مستعد خاں ۹/۷۵

(۷) شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب ڈاکٹر برنیر کا سفرنامہ مترجمہ خلیفہ محمد حسین ۱۲/-

(۸) حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ ڈاکٹر طٰہٰ حسین ۱۲/- اردو ترجمہ - علامہ عبدالحمید نعمانی

(۹) حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ ۶/۷۵ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اردو ترجمہ شاہ حسن عطا ایم اے

(۱۰) سفرنامہ ابن بطوطہ دو حصے مکمل ۱۵/- مترجمہ:- رئیس احمد جعفری

(۱۱) زاد المعاد چار حصے حضرت حافظ ابن قیم ۴۴/۷۵ مترجمہ اردو - رئیس احمد جعفری

(۱۲) فقہ الاسلام مصنفہ حسین احمد الخطیب ۱۲/- مترجمہ - پروفیسر رشید احمد ارشد

(۱۳) سیاست نامہ نظام الملک طوسی مع متن ۱۲/- مترجمہ - شاہ حسن عطا ایم اے

(۱۴) البرامکہ مولانا عبدالرزاق کانپوری ۱۲/-

(۱۵) نظام الملک طوسی مولانا عبدالرزاق کانپوری ۱۲/-

(۱۶) تاجدار دو عالمؐ عبدالرحمٰن عزام بے

(۱۷) تاریخ اسلام تین جلدوں میں مکمل مصنفہ: مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

(۱۸) آئینہ حقیقت نما مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

(۱۹) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم

(۲۰) الادب المفرد (کتاب زندگی) حضرت امام بخاریؒ اردو ترجمہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی

(۲۱) سفینۃ الاولیاء شہزادہ دارا شکوہ

(۲۲) صحابیات علامہ نیاز فتحپوری

(۲۳) تجدید دین کامل مولانا عبدالباری ندوی

(۲۴) تجدید تصوف و سلوک مولانا عبدالباری ندوی

(۲۵) تجدید معاشیات مولانا عبدالباری ندوی

(۲۶) تجدید تعلیم و تبلیغ مولانا عبدالباری ندوی

(۲۷) فلسفہ عجم علامہ اقبال

(۲۸) اسلامی معاشیات مولانا مناظر احسن گیلانی

(۲۹) الدین القیم مولانا مناظر احسن گیلانی

(۳۰) حضرت ابوذر غفاریؓ مولانا مناظر احسن گیلانی

(۳۱) تذکرہ شاہ ولی اللہ مولانا مناظر احسن گیلانی

(۳۲) مکاتیب امام غزالی احمد غزالی

(۳۳) داستان کربلا عبدالرحمٰن صدیقی

(۳۴) مقالات جمال الدین افغانی

نفیس اکیڈیمی بلاسس اسٹریٹ کراچی

زاد المعاد

حصّہ چہارم

بیان سیرت، روایت حدیث اور ذکر قرآن کے ساتھ ساتھ یہ حصہ مشتمل ہے۔ اہم ترین مسائل و مباحث فقہیہ پر۔ انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے بیحد اہم اور معرکہ آرا مسائل پر جس خوبی استدلال اور شانِ برہان کے ساتھ بحث کی گئی ہے وہ مصنف علام کا حصہ ہے

مُصنّف
علّامہ حافظ ابنِ قیّم

مُترجّم
سیّد رئیس احمد جعفری (ندوی)

نفیس اکیڈیمی
بلاسس اسٹریٹ ——— کراچی (پاکستان)

قیمت:۔ بارہ ۱۲ روپیہ